ایک تقابلی مطالعہ

مذاہب عالم

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی

نام کتاب

مذاہب عالم

ایک تقابلی مطالعہ

مصنف

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی

اہتمام ــــــــــــــــ ملک اسد علی قاسمی

مطبع ــــــــــــــــ گنج شکر پریس

ناشر ــــــــــــــــ مکتبۃ قاسم العلوم

ڈسٹری بیوٹرز

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان
042-37231119 , 0321-4021415

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

مذہب اور خدا سے انسان کا رشتہ روزِ ازل سے قائم ہے۔ اگر چہ ہر دور میں کچھ افراد الحاد اور دہریت کے قائل رہے ہیں، جو نہ خدا پر اعتقاد رکھتے تھے اور نہ کسی مذہب سے ان کی وابستگی رہی ہے، لیکن انسانوں کی غالب اکثریت کا خدا پر ایمان رہا ہے اور مذہب سے وابستگی ان کے لیے سکون و طمانیت کا باعث رہی ہے۔ اس لیے کہ یہ ہر انسان کی فطرت کی آواز ہے اور جب تک اس کی فطرت مسخ نہ ہو جائے وہ اس آواز پر لبیک کہتا رہے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ متعدد داخلی اور خارجی عوامل کی بنا پر انسانوں کی بڑی تعداد مذہب کے معاملے میں انحرافات کا شکار رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہ نمائی کے لیے وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ بندوں کو بھیجا تھا۔ لیکن ان کی قوموں نے وقت گزرنے کے ساتھ انہی کو خدائی میں شریک ٹھہرا لیا اور انھیں بھگوان بنالیا۔

اسلام عقیدۂ توحید کا علم بردار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی فطرت توحید کا تقاضا کرتی ہے۔ اپنی فطرت سے بغاوت کے نتیجے میں ہی وہ ضلالت و گم راہی کی وادیوں میں بھٹکنے لگتا ہے۔ جس زمانے میں آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمینِ عرب میں بعثت ہوئی، وہاں متعدد مذاہب کے ماننے والے پائے جاتے تھے۔ قرآن نے انھیں راہِ حق کی دعوت دی تو ساتھ ہی ان کے انحرافات کی بھی نشان دہی کی اور جن من گھڑت اعتقادات کو انھوں نے اپنے مذہب میں شامل کرلیا تھا ان کی حقیقت واضح کی۔ اس سلسلے میں قرآن نے خاص طور پر یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کیا ہے، ان کی گم راہیوں کی نشان دہی کی ہے، انھوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں جو تحریفات کرلی تھیں انھیں واشگاف کیا ہے اور جو غلط عقیدے اختیار کر لیے تھے ان کی تردید کی ہے۔

مذاہب کا مطالعہ دو پہلوؤں سے اہمیت رکھتا ہے:

اوّل یہ کہ آج پوری دنیا سمٹ کر ایک گاؤں کے مثل ہوگئی ہے۔ تمام ممالک میں اور ہر ملک

کے تمام علاقوں میں مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے بستے ہیں۔ زندگی کے مختلف معاملات میں ان کا ایک دوسرے سے سابقہ پیش آتا ہے۔ پُر امن بقائے باہم کے لیے ضروری ہے کہ انھیں ایک دوسرے کے مذہب، عقائد، رسوم ورواج اور جذبات واحساسات کے بارے میں واقفیت ہو۔

دوم یہ کہ مسلمان ایک داعی گروہ ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں وہاں اللہ کے بندوں تک اسلام کی دعوت پہنچائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اطراف میں رہنے بسنے والے جن مذاہب کو ماننے والے ہیں ان کا انھیں مکمل اور تفصیلی علم ہو، ان کے عقائد، تہذیب وثقافت اور ان کی نفسیات سے انھیں کماحقہٗ واقفیت ہو، تاکہ وہ ان سے اسلامی عقائد، اقدار اور تعلیمات کا تقابل کرسکیں، ان کے سامنے مشترکہ اقدار وامور کو پیش کرسکیں اور اختلافی باتوں میں اسلام کی حقانیت کو آشکارا کرسکیں۔

علمائے اسلام نے ہر دور میں مطالعۂ مذاہب کے میدان میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ خاص طور سے یہودیت وعیسائیت کے مطالعہ، ان کے بنیادی عقائد اور اسلامی عقائد سے ان کے تقابل کے موضوع پر سیکڑوں کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ ان میں علامہ ابن تیمیہؒ کی کتاب الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیمؒ کی کتاب ھدیۃ الحیاریٰ فی اجوبۃ الیھود والنصاریٰ کو خاصی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ایسی کتابیں بھی تصنیف کی گئی ہیں جن میں غیر اسلامی ادیان ومذاہب کے ساتھ مسلمانوں کے گم راہ فرقوں کا بھی احاطہ کیا گیا ہے اور ان کے معتقدات اور مراسم کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں الفَرق بین الفِرَق (ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی)، المِلَل والنحل (ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی)، الفِصَل فی المِلَل والاَھوَاء والنِحَل (علی بن احمد بن حزم) اور اعتقادات فِرَق المسلمین والمشرکین (فخرالدین الرازی) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ مذاہب کے تقابلی مطالعہ پر مختلف زبانوں میں متعدد کتابیں دست یاب ہیں۔ مولانا انیس احمد فلاحی مدنی کی زیرِ نظر کتاب بھی اس سلسلے کی ایک عمدہ کاوش ہے۔

اس کتاب سے، امید ہے کہ دینی وعصری تعلیمی اداروں کی نصابی ضرورت بھی پوری ہوگی اور عام قارئین، بالخصوص میدانِ دعوت میں سرگرم افراد بھی فائدہ اٹھائیں گے۔

(ڈاکٹر) محمد رضی الاسلام ندوی

تقدیم

الحمد لله وحده لاشريك له والصلاة والسلام على محمد

لا نبي بعده- أما بعد!

انسان کی زندگی سے مذہب اور دین کا اٹوٹ رشتہ ہے۔ یہ رشتہ اتنا گہرا ہے کہ اس کا انکار کر کے بھی وہ اس سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ انسان فطرتاً بندہ ہے۔ وہ ایک معبود سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے تو دوسرا معبود اس کی جگہ آدھمکتا ہے اور اس بے چارے کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ جب دین کا رشتہ انسانیت سے ایسا ہی ہے تو اس کا مطالعہ بڑی سنجیدگی سے ہونا چاہیے۔ لیکن انسان کو ایسا روگ لگا ہوا ہے کہ وہ اکثر اس معاملے میں غیر سنجیدہ واقع ہوا ہے۔ عموماً مذہب کے لیے تحقیق کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔ غیر سنجیدگی ہی کی یہ علامت ہے کہ اچھے خاصے صاحب علم بھی مذہب کے معاملے میں بغیر سوچے سمجھے بے حقیقت چیزوں کو پہلے سے قائم کردہ خیالات کی بنیاد پر حقیقت تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس طرح انسان کی زندگی تباہ ہو کر نامرادی سے ہم کنار ہو جاتی ہے۔ اس لیے مذہب کے بارے میں انسان کو پورے طور پر حساس ہونا چاہیے، جیسا کہ وہ زندگی کے دوسرے معاملات میں ہوتا ہے۔

ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ انتہائی مشکل کام ہے۔ یہ کام جتنا مشکل ہے اتنا ہی ضروری بھی ہے۔ یہاں مناظرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے بڑی جاں کاہی اور دل سوزی سے کام لینا پڑتا ہے۔ تلوار کی دھار پر چل کر ہی ہم اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

اس مشکل کام کو محترم مولانا انیس احمد فلاحی مدنی (استاد تاریخ و مذاہب، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ) نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس مطالعہ میں انھوں نے بڑی محنت سے ثانوی مآخذ کے ذریعہ مواد کو اکٹھا کر کے اس کا تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔ کتاب میں درج حوالہ جات سے ان کی محنت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس طرح تین سامی مذاہب (یہودیت، نصرانیت اور صابیت) اور چار ہندوستانی مذاہب (ہندو دھرم، جین دھرم، بودھ دھرم اور سکھ دھرم) کا مطالعہ یکجا جمع ہو گیا ہے۔ مطالعۂ تقابل ادیان سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے یہ ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔ اس طرح کے مطالعہ میں مندرجات کے ہر پہلو سے اتفاق بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر بھی اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قابل غور پہلو کو ایک شخص کی یافت سمجھ کر قاری کو مزید غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے اور دوسرے پہلوؤں پر تحقیق کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے۔

امید ہے قارئین اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ ہم مصنف کتاب کے بہت شکر گزار ہیں کہ ہزار پھولوں کا پراگ چن کر، بلکہ ان کو متھ کر انھوں نے ہمارے لیے یہ عرق جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بھرپور اجر عطا کرے۔ آمین!

ثناء اللہ
کلیۃ الدعوۃ جامعۃ الفلاح

پیش لفظ

مذاہب کا مطالعہ اسلامی تاریخ کی ایک قدیم روایت رہی ہے، جس کی بنیاد قرآن مجید نے رکھی ہے اور جواب وقت کی ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اس قدیم روایت کو باقی اور قائم رکھنا متعدد اسباب و وجوہ سے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خیر الامم بنایا ہے۔ اس تصور کی تصدیق کے لیے ملتوں، فرقوں اور عقیدوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ مشہور کہاوت ہے: وبضدھا تتبیّن الأشیاء ''اضداد کے تذکرہ سے اشیاء کے حقائق زیادہ کھل کر سامنے آتے ہیں۔ نیز یہ زمانہ افہام و تفہیم کا زمانہ ہے۔ ان حالات میں مذہبی افہام و تفہیم، امن و سلامتی کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔ دنیا کا ہر مذہب اور تمدن مثبت پہلوؤں کا حامل ہے، جس سے بھرپور استفادہ واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔

ہندوستانی پس منظر میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی ہر بستی میں مختلف فرقوں کے لوگ ایک دوسرے کے پڑوسی بن کر رہتے ہیں، لیکن ایک دوسرے کے رسم و رواج اور مذہب کو ایک مدت سے ساتھ رہتے ہوئے بھی نہیں جان پاتے اور ظاہر ہے کہ ناواقفیت خوف یا دشمنی کو جنم دیتی ہے۔ ۱۹۲۷ کے آل انڈیا کانگریس کے اجلاس میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا تھا:

> ''ایک تعلیم یافتہ ہندوستانی کو حالات نے یورپی کلچر کا مطالعہ کرنے پر تو مجبور کر دیا ہے، مگر وہ اپنے پڑوس میں رہنے والے ہم وطنوں کے کلچر سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا۔ ضرورت ہے کہ اس خطرناک اجنبیت اور مہیب ناواقفیت کو ختم کیا جائے۔''

اجنبیت اور ناواقفیت کے اس وسیع منظر کو بدلنے کے لیے یہ کتاب تحریر کی گئی ہے۔

نیز دین اسلام کا تعارف کرانے کے لیے، جو مسلمانوں پر فرض ہے، مخاطب کے مذہبی معتقدات کو جاننا لازمی ہے، کیونکہ اس کے بغیر وہ حکمت میسر نہیں آسکتی جو دعوت کے کام کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی ہے اور جسے اختیار کرنے کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے۔

پیش نظر کتاب پڑوسیوں، برادران وطن اور سامی مذاہب کے عقائد وتصورات کو جاننے کے لیے ترتیب دی گئی ہے۔ تجزیہ وتنقید اس کتاب کا ابھرا ہوا پہلو ہے جس کے بغیر حق تک پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔

کوشش کی گئی ہے کہ کتاب میں ایسا مستند مواد فراہم ہو جو عام قارئین اور محققین دونوں کی دلچسپی اور افادیت کا باعث ہو۔

انیس احمد فلاحی مدنی

باب اول

مطالعۂ ادیان

ضرورت واہمیت اور اس کی مختصر تاریخ

دین کی تعریف

دین عربی زبان کا لفظ ہے جو 'دان یدین' سے ماخوذ ہے۔ یہ فعل متعدی بھی استعمال ہوتا ہے اور لازم بھی۔ لازم ہونے کی صورت میں کبھی اس کا صلہ 'باء' آتا ہے اور کبھی 'لام'۔

متعدی ہونے کی صورت میں اس کے معنی کسی چیز کا مالک ہونا، سیاست کرنا، زور و زبردستی کرنا، حساب لینا اور بدلہ دینے کے آتے ہیں۔ متعدی باللام ہونے کی صورت میں اس کے معنی کسی کے سامنے جھکنا اور اس کی اطاعت کرنے کے آتے ہیں اور متعدی بالباء ہونے کی صورت میں اس کے معنی آتے ہیں کسی چیز کو اپنا دین و مذہب بنانا، کسی چیز کا عادی ہونا اور اس کو عقیدہ کے طور پر اختیار کرنا۔

(دیکھیے: لسان العرب، ۲/ ۱۷۔ ۱۴ اور کتاب الدین محمد عبداللہ دراز، ۳۰، ۳۱)

دین کی مذکورہ بالا لغوی تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دین دو افراد کے درمیان ایسے تعلق سے عبارت ہے، جس میں ایک کی جانب سے دوسرے کے لیے انقیاد و اطاعت کا تعلق پایا جاتا ہو۔

اصطلاحی تعریف

محققین نے مذہب کی متعدد تعریفیں بیان کی ہیں:

مشہور جرمنی فلسفی کانٹ (kant) کہتا ہے:

"ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا مذہب ہے۔" (تقابل ادیان، رشید احمد گوریجہ: ۷)

اکثر مسلم مفکرین نے بھی اسی سے ملتی جلتی تعریف کی ہے: وہ الٰہی شریعت جو وحی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہو۔ (الانسان والادیان: ۱۶)

یہ دونوں تعریفیں ناقص ہیں کیوں کہ ان کے دائرہ میں غیر آسمانی مذاہب نہیں آتے درآنحالیکہ لوگ انہیں بھی مذہب و دین سمجھتے ہیں اور قرآن نے بھی انہیں دین سے تعبیر کیا ہے:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٨٥﴾ (آل عمران: ۸۵)

"اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے اس کا وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔"

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴿٦﴾ (الکافرون: ۶)

"تم لوگوں کے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔"

بی ٹیلر (Taylor) نے مذہب کی یہ تعریف کی ہے: "مذہب روحانی ہستیوں پر ایمان لانے کا نام ہے۔"

یہ تعریف بھی ادھوری ہے کیوں کہ اس کے دائرے میں شریعت نہیں آتی۔ محض اعتقاد کی حد تک انھوں نے مذہب کو محدود رکھا ہے۔

روڈ ولف نے غور وفکر کے پہلو کو ترجیح دیتے ہوئے مذہب کی یوں تعریف کی ہے: "دین اس صوفی تجربہ سے عبارت ہے جس میں انسان زندگی کے مختلف متضاد امور سے گزرتا ہے۔"

(کتاب الدین، محمد دراز: ص ۳۳-۳۶)

شوپنہار کہتا ہے: "مذہب موت کے تصور سے وابستہ ہے۔"

پروفیسر جیمز لیوبا نے اپنی کتاب میں مذہب کی بہت سی تعریفوں کا ذکر کیا ہے جو مذہب کے جامع تصور پر پوری نہیں اترتیں البتہ اس کے کسی نہ کسی جزو پر ضرور پوری اترتی ہیں۔

مذہب کی صحیح اور جامع تعریف یہ ہے: "مقدس، بالاتر اوران دیکھی ذات پر ایسا اعتقاد، جو اس مقدس ذات کی محبت و رغبت اور ڈر و ذلت کے ساتھ اطاعت پر ابھارتا ہو۔"

یہ تعریف جامع ہے کیوں کہ اس میں ہر معبود شامل ہے خواہ حق ہو یا باطل، اسی طرح یہ تعریف جملہ شریعتوں پر بھی مشتمل ہے خواہ وہ آسمانی ہو یا غیر آسمانی، اسی طرح یہ تعریف عبادت گزار کی کیفیت اور اس کے ہدف پر بھی دلالت کرتی ہے۔

سبب دین

انسان فطرتاً مذہبی واقع ہوا ہے، ہر قوم اور نسل میں مذہب ایک مشترک امر رہا ہے۔ پلوٹارک لکھتا ہے: ''کسی انسان نے کوئی ایسی بستی نہیں دیکھی جس میں مذہب نہ ہو''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (النحل:۳۶) ''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا''۔

اہل تحقیق کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آخر انسان فطرتاً مذہبی کیوں ہے درآنحالیکہ مذہب کا تعلق نہ کسی مادہ سے ہے اور نہ ہی خواہشات سے۔ اس سلسلے میں چند رائیں ملاحظہ ہوں:

[۱] مذہب کو اختیار کرنے کا سبب، طبیعت اور اس میں پائی جانے والی خوف ناک اشیاء بجلی، زلزلے اور وحشی جانور ہیں۔ قدیم زمانے میں انسان نے اس کائنات کے اندر اپنے کو ضعیف و کمزور پایا تو اس کے دل میں ایک ایسی طاقت پر اعتقاد کا احساس پیدا ہوا جو زمینی و آسمانی آفات سے اس کی حفاظت کر سکے۔ چنانچہ اس نے ہر اس چیز کو اپنا معبود بنا ڈالا جو اسے طاقت ور اور قوی نظر آئی۔

یہ رائے مشہور انگریز محقق 'جیفونس' (Jevons) کی ہے۔ (دیکھئے کتاب الدین، محمد دراز: ۱۲۵)

[۲] ماکس ملر(۱) کے نزدیک دین کا سبب عقل ہے۔ انسانی عقل بعض مخلوقات کی عجیب و غریب اور نادر صنعت دیکھ کر اس سے کافی متاثر ہوئی اور اسے معبود بنا ڈالا۔

[۳] مشہور فرانسیسی محقق دورکایم کے نزدیک مذہب ایک اجتماعی ضرورت ہے۔ اجتماعی ضرورتوں کے تحت ہر انسان کے اندر داخلی نگرانی کی خاطر مذہب کا تصور پیدا کیا گیا تا کہ معاشرے کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔

یہ تینوں رائیں درست نہیں ہیں کیوں کہ ان اسباب کے نہ ہونے کی صورت میں بھی

---

(۱) جرمنی کا مشہور فلسفی، جس نے انگریزی میں ویدوں کی شرح لکھی ہے۔

دین داری واضح طور پر موجود ہوتی ہے۔
اسلام کے نزدیک دین کا سبب فطرت ہے۔ ہر انسان فطرتاً مذہبی پیدا کیا گیا ہے۔ خالق کائنات کا اعتراف اس کے رگ و ریشہ میں داخل ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ (الروم: ۳۰)

"پس اے نبیؐ! یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔"

مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَامِنْ مُوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ، فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْيُمَجِّسَانِهٖ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ۔ (بخاری، کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین)

"ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں جیسے جانور صحیح سالم بچہ جنتا ہے کیا آپ اس میں کوئی کان کٹا جانور دیکھتے ہیں؟"

عیاض بن حمار المجاشعیؓ کی حدیث ہے:

"میں نے اپنے بندوں کو دین حق پر پیدا فرمایا پھر شیاطین انہیں ان کے دین سے گمراہ کرتے ہیں۔" (مسند احمد ۴/ ۱۶۲)

مذکورہ بالا دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ انسان فطرتاً مذہبی پیدا کیا گیا ہے اور ہر انسان کی فطرت میں خالق کائنات کا اعتراف داخل ہے البتہ انسان کی اس فطرت کو درج ذیل چیزیں بدل دیتی ہیں اور ان کے اثرات مٹا دیتی ہیں:

[۱] شیاطین جن وانس   [۲] والدین   [۳] غفلت

شرک کی قدامت

مغربی محققین کے نزدیک شرک ازلی اور قدیم ہے۔انسان کو جب پیدا کیا گیا تھا تو اسے مذہب اور توحید کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔رفتہ رفتہ اس نے مذہب کی ابتدا مظاہر پرستی سے کی۔ان کے نزدیک مذہبی ارتقا کی مندرجہ ذیل کڑیاں ہیں:

[۱] پری انی ازم [۲] انی ازم [۳] ٹوٹم ازم: یہ امریکی انڈین باشندوں کی زبان لفظ اوٹوٹیمن کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔(ارواح پرستی) [۴] اجزا پرستی [۵] فرضی دیوتاؤں کی پرستش [۶] توحید الٰہی

دلائل

[۱] صنعت وحرفت پر قیاس: ملحدین کہتے ہیں جس طرح انسان نے صنعت وحرفت اور علوم وفنون میں رفتہ رفتہ ترقی کی اسی طرح اس نے دین ومذہب میں بھی رفتہ رفتہ بتدریج ترقی کی کائنات میں جب انسان نے آنکھیں کھولیں تو پہاڑ، دریا، جنگل، سورج اور چاند کو اپنے سے عظیم تر پایا لہٰذا ان کی پرستش شروع کر دی اور پھر عقلی وفکری لحاظ سے انسان نے جب ترقی کی تو پھر ان معبودوں کو چھوڑ کر ایک خدائے واحد کی بندگی کرنے لگا۔

[۲] آثار قدیمہ کی کھدائیوں کے دوران متعدد ایسے شواہد ملے ہیں کہ انسان قدیم زمانے ہی سے ایک سے زائد خداؤں اور دیوتاؤں کو مانتا رہا ہے۔

صنعت وحرفت کی ترقی پر قیاس قیاس مع الفاسد ہے کیوں کہ صنعت وحرفت مادی چیز ہے اور مذہب معنوی۔آخر غیر محسوس چیز کو محسوس چیز پر قیاس کیونکر کیا جا سکتا ہے۔یہ قیاس تو ایسا

ہی ہے جیسے کوئی ہوا کو پانی پر قیاس کرے۔

صنعت کی بنیاد تجربہ پر قائم ہے اور اس کے نتائج تجربہ کی تکمیل کے بعد ظاہر ہوتے ہیں، جب کہ دین تجربہ پر قائم نہیں اور اس کے نتائج اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتے۔

اس قیاس کو اگر درست مانا جائے تو اس زمانے میں لوگوں کو پکا موحد ہونا چاہیے کیوں کہ صنعتیں اپنے اوجِ کمال کو پہنچ گئی ہیں درآنحالیکہ دینی لحاظ سے انسان پہلے کے مقابلہ میں زیادہ زوال پذیر ہوا ہے کیوں کہ الحاد پورے عالم میں منتشر ہے۔ نیز اس کو ماننے سے یہ بھی لازم آئے گا کہ اس صنعتی دور میں پورے عالم میں کہیں شرک نہ ہو ممکن نہیں، جب کہ شرک مشرق و مغرب میں ہر جگہ عام ہے۔

رہا آثارِ قدیمہ میں پائی جانے والی مورتیوں سے استدلال تو جواباً عرض ہے کہ یہ محض ظن و گمان ہے۔ مختلف کھدائیوں میں ملنے والی قدیم مورتیاں زیادہ سے زیادہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پچھلی قومیں شرک میں مبتلا تھیں اور یہ چیز قرآن و سنت سے بھی ثابت ہے۔ انسان اول کا مذہب کیا تھا اس کے عقیدے کے معرفت کے لیے اس انسان اور اس کے آثار کا پتہ لگانا ضروری ہے۔ پھر ایک ہی قوم پر مختلف احوال طاری ہوتے رہے ہیں، جیسے اہلِ مکہ آغاز میں توحید کے علم بردار تھے پھر شرک میں مبتلا ہو گئے اور عرصہ دراز تک شرک کرتے رہے، پھر بعثت محمدی ﷺ کے بعد توحید کی طرف پلٹ آئے۔ اس لیے کسی کھدائی میں مورتیوں کا ملنا صرف اس بات کی دلیل ہے کہ اس عرصہ میں وہ قوم شرک میں مبتلا تھی۔

(دراسات فی الادیان، سعود بن عبد العزیز الخلف)

قرآن مجید میں ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۔

(البقرۃ: ۲۱۳)

”لوگ ایک ہی امت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو آگاہی اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا۔“

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں:

”آدمؑ کے بعد لوگ دس صدیوں تک توحید کے علم بردار رہے اور پھر شرک میں مبتلا ہو گئے۔“

(ابن جریر ۲/ ۳۳۴)

سب سے پہلے نوح علیہ السلام کے عہد میں جب ان کی قوم کے نیک لوگ جیسے ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر انتقال کر گئے، شیطان نے یہ راہ دکھلائی کہ اگر ان کی مجلسوں میں پتھر نصب کر کے ان کے نام لکھ دیے جائیں تو ان کو دیکھ کر ان کی سیرت یاد آئے گی چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ بعد میں جہالت کی بنا پر لوگ اُن کی عبادت کرنے لگے۔

(صحیح البخاری مع الفتح الباری ۸ر۶۶۷)

مذکورہ بالا قرآنی تصور کی اب مغربی محققین بھی تائید کر رہے ہیں۔ پروفیسر شمٹ (SCHIMIT) کہتے ہیں:

''علم شعوب وقبائل انسان کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بے کار ہوگیا ہے۔نشو ونما کی مرتب کڑیوں کا جو خوش نما سلسلہ اس مذہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا اب ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے''۔

ایک اور جگہ انہوں نے لکھا ہے:

''اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کی ابتدائی تصور کی اعلیٰ ترین ہستی فی الحقیقت توحیدی اعتقاد خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا''۔ (تقابل ادیان، ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ:۱۷)

مشہور محقق آدمون ہیوبل، جو ابتدائی اقوام اور ان کے مذاہب کا متخصص تھا۔لکھتا ہے:

''یہ کہنا کہ توحید کا تصور ارتقاء کا نتیجہ ہے غلط ہے۔'' ملیشیا کے ڈاکٹر اورانج کامی کہتے ہیں:

''انڈونیشیا کے جزیرہ ارخبیل کے علاقے میں لوگ نصرانیت اور اسلام کے پہنچنے سے پہلے سے ایک خدائے واحد کی بندگی کرتے تھے اور جزیرہ کلمنتان میں ہندومت اور اسلام کے پہنچنے سے قبل توحید کا تصور پایا جاتا تھا۔سنسکرت سے پہلے جو علاقائی زبانیں رائج تھیں ان کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے تک پہنچے کہ ہندومت اور اسلام کے دخول سے پہلے اس علاقے میں ذاتِ باری کے بارے میں یہ تصور رائج تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔''

(التفکیر الدینی فی العالم قبل الاسلام : ۲۸ر۳۰)

تقابلی مطالعۂ ادیان

ضرورت واہمیت

تقابل ادیان

مذاہب عالم کے معتقدات، مصادر اور احکام و شرائع کا باہمی مقارنہ و موازنہ نیز متعدد مذاہب کے مابین وجوہ اتفاق واختلاف کی تبیین اور مذاہب کے باہم ایک دوسرے سے متاثر ہونے اور اخذ واستفادہ کے تفصیلی علم کو تقابل ادیان کہتے ہیں۔

تقابلِ ادیان کی مشروعیت

اس فن کی بنیاد قرآن مجید نے رکھی ہے۔اس نے یہود ونصاریٰ کے عقائد ومعتقدات اور ان میں در آئی تبدیلیوں اور انحرافات پر جا بجا روشنی ڈالی ہے۔مختلف مذاہب ونظریات کے شبہات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر حق و باطل کے درمیان مقارنہ و موازنہ کر کے قاری کے سامنے معقول دلائل کی بنیاد پر ایمان کو اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ لہٰذا مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ شرعاً مستحسن اور مشروع ہے۔اس کی مشروعیت کے دلائل درج ذیل ہیں:

[ا] وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ

(ابراہیم:۴)

''ہم نے ہر رسول کو اس کی اپنی زبان میں پیغام دے کر بھیجا تاکہ وہ انھیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے۔''

یہ آیت صراحتہ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ دعوت کے لیے داعی اور مدعو کے درمیان مشترک زبان کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ داعی حق کے پیغام کو کھول کھول کر سمجھا سکے۔اور زبان سے واقفیت،اس زبان کی ثقافت،تاریخ اور اقدار و رسوم کی معرفت پر مستلزم ہے کیوں کہ اس کے بغیر کسی بھی مفہوم کی صحیح توضیح و تبیین ممکن نہیں۔

[۲] اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل: ۱۲۵)

"اپنے رب کے راستہ کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو۔"

اس آیت میں مدعو سے بحث و مباحثہ کا حکم دیا گیا ہے جو دراصل باطل افکار و نظریات سے جنگ ہے۔اس جنگ میں کامیابی و فتح یابی اسی وقت ممکن ہے جب داعی، مدعو کی ثقافت، عقائد، افکار، رسوم و رواج اور تقالید پر گہری نظر رکھتا ہو کیوں کہ اس کے بغیر اس کے اشکالات و اعتراضات کا جواب دینا اور عقلی طور پر فرار کی راہیں مسدود کرنا ممکن نہیں۔وما لا یتم الواجب الا به فهو واجب۔" قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ واجب کی تکمیل جن چیزوں کے بغیر نہ ہو رہی ہو وہ بھی واجب ہوتی ہیں۔"

[۳] عن زيد بن ثابتؓ قال: قال لی رسول اللهﷺ: تحسن السر يانية؟ انها تأتيني كتب، قال: لا، قال فتعلمها،قال: فتعلمتها في سبعة عشر يوماً۔ (مسند احمد، بخاری، ترمذی)

"زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کیا تم سریانی زبان پر عبور رکھتے ہو؟ میرے پاس مختلف رسائل آتے ہیں۔ میں نے فرمایا نہیں،تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اسے سیکھ لو۔ چنانچہ میں نے سترہ دن میں اسے سیکھ لیا۔"

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی یہ شدید خواہش تھی کہ آپ کی امت ان تہذیبوں، ثقافتوں اور لغات سے واقف ہو جو اس کے معاشرے میں رائج ہوں تاکہ انسانی تجربات سے استفادہ کیا جا سکے اور دعاۃ اپنے فریضہ کو آسانی سے ادا کر سکیں۔

[۴] عن محمد بن كعب القرظي رحمه الله قال: انّ موسىٰ عليه السلام قال لربه: يا ربّ أيّ خلق أكرم عليك؟ قال: الذي لسانه رطباً بذكري، قال يا ربّ فأيّ خلقك أعلم، قال: الذى يلتمس الىٰ علمه علم غيره'۔

(الوابل الصیّب من الکلم الطیب ،ابن قیم الجوزیہ: ۶۳)

''امام بیہقی محمد بن کعب القرظی سے روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے رب سب سے معزز شخص آپ کے نزدیک کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: جس کی زبان ہمہ وقت میرے ذکر سے تر رہے۔ پھر پوچھا: تیری مخلوقات میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: جو اپنے علم کے ساتھ غیروں کے علم کو بھی تلاش کرے۔''

تقابل ادیان کی ضرورت واہمیت

تقابل ادیان کے ذریعہ ایک مومن کو متبادلات پر غور کرنے اور دیگر مذہبی عقائد و معتقدات سے اسلامی عقائد کو جانچنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ متبادلات پر غور کیے اور تقابل کے بغیر نیز دیگر معاملات اور ثابت شدہ حقائق سے کسی چیز کی مطابقت کو جانچے بغیر اس کی حقیقت سے متعلق فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ تقابل کے ذریعہ مومن کا ایمان سوچا سمجھا اور شعوری ہوتا ہے۔ اسے اسلامی عقائد اور شریعت پر شرح صدر اور اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے جس سے اس کے اندر عمل کا شدید داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

تقابل ادیان کے عمومی فوائد

[۱] قرآن مجید کا یہ دعویٰ ہے کہ توریت وانجیل اور دیگر مذہبی کتابیں محرف ہیں:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (المائدہ:۱۳)

''یہ لوگ الفاظ کا الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں۔''

قرآن کے اس بیان کی بنا پر ہمارا یہ ایمان مجمل ہے۔ یہ ایمان مفصل اس وقت ہوگا

جب ان کتابوں میں تحریف کی عملی مثالوں سے ہم واقف ہوں۔تحریف کی وجہ سے سابقہ انبیاء کرام کی سیرتیں اور تعلیمات گڈ مڈ ہوگئی ہیں لہٰذا اب انسانیت کے لیے ان تعلیمات پر عمل کرنا ممکن نہیں۔لہٰذا قرآن مجید اب تمام آسمانی کتابوں کی ناسخ ہے جب کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ توریت میں واقع تحریف لفظی نہیں بلکہ معنوی ہوئی ہے اور بہائیت تو،توریت وانجیل میں تحریف ہی کی منکر ہے۔مرزا حسین اپنی کتاب ''الایقان'' میں لکھتے ہیں کہ توریت وانجیل میں تحریف و تغییر نہیں ہوئی۔ (الغزو الفکری أهدافه ووسائله،عبدالصبور مرزوق ص:۸۹)

[۲] تبشیر وتنصیر کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں عالم اسلام میں عیسائیت تیزی سے فروغ پارہی ہے۔جہالت اور غربت کی بنا پر مسلمان اس کے جال میں آسانی سے پھنستے جارہے ہیں۔ان مبشرین کے اہداف ومقاصد اور ان کی دعوت کے فساد وبطلان کی معرفت سے ان کی دعوتی وتبلیغی کوششوں کے ثمرات پر قدغن لگانا بے حد آسان ہوگا۔مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب کی کتاب ''اظہار الحق'' اس کی عملی مثال ہے۔

عیسائی عقائد کے فساد وبطلان اور اناجیل اربعہ میں واقع اختلافات وتحریف پر آپ نے اتنے مدلل انداز میں علمی وتحقیقی گفتگو کی ہے کہ ''لندن ٹائمز'' اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے ''لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہوجائے گی۔''

[۳] مستشرقین کے قرآن مجید کی بعض آیات پر اعتراضات کا ازالہ: مستشرقین نے قرآن مجید کے تعلق سے یہ شبہ پھیلا رکھا ہے کہ قرآن بائبل کی کاپی ہے نیز محمد عربی ﷺ نے مختلف واقعات نقل کرنے میں بھی غلطی کی ہے۔لہٰذا ان شبہات واعتراضات کے ازالے کے لیے خود ان کی کتابوں سے مدلل گفتگو بے حد مفید ہوگی۔مثال کے طور قرآن مجید کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر چلے جانے کے بعد جس شخص نے آپ کی قوم کو گمراہ کرکے بچھڑے کی پوجا کرائی تھی وہ سامری تھا جب کہ توریت کا بیان ہے کہ یہ کام ہارون علیہ السلام نے کیا تھا۔کتاب خروج میں ہے:

> ''ہارون نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لاؤ۔چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی تب وہ

کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا ہے یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہوگی۔" (باب ۶-۲/۲/۳۲)

قرآن مجید نے اس دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے اس اتہام سے ہارون علیہ السلام کو ان لفظوں میں بری کیا ہے:

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ (طٰہٰ: ۹۰)

"ہارون علیہ السلام (موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے) پہلے ہی ان سے کہہ چکے تھے کہ لوگو تم اس (سامری) کی وجہ سے فتنہ میں پڑ گئے ہو۔ تمہارا رب تو رحمٰن ہے۔ پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔"

بہت ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کے یہاں یہ غلط روایت اس وجہ سے مشہور ہوئی ہو کہ سامری کا نام بھی ہارون ہی ہو اور بعد کے لوگوں نے اس ہارون کو ہارون نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہو۔ لیکن آج عیسائی مشنریوں اور مغربی مستشرقوں کو اصرار ہے کہ قرآن یہاں غلطی پر ہے۔ جب کہ اسی باب میں چند سطر آگے چل کر خود بائبل نے اپنی غلط بیانی کا راز یوں فاش کیا ہے۔ اس باب کی آخری دس آیتوں میں بائبل یہ بیان کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے بعد بنی لاوی کو جمع کیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ جن لوگوں نے شرک کا یہ گناہ عظیم کیا ہے انہیں قتل کیا جائے۔ چنانچہ اس روز تین ہزار آدمی قتل کیے گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ کیوں چھوڑ دیے گئے؟ اگر وہی اس جرم کے بانی تھے تو انھیں اس قتل عام سے کس طرح معاف کیا جا سکتا تھا؟ آگے چل کر بیان کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خداوند کے پاس جا کر عرض کیا کہ رب بنی اسرائیل کا گناہ معاف کر دے ورنہ میرا نام اپنی کتاب میں سے مٹا دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اسی کا نام اپنی کتاب میں سے مٹاؤں گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ہارونؑ کا نام نہ مٹایا گیا بلکہ اس کے برعکس ان کو اور ان کی اولاد کو بنی اسرائیل میں بزرگ ترین منصب یعنی بنی لاوی کی سرداری اور مقدس کی کہانت سے سرفراز کیا گیا۔ (گنتی باب: ۱۸ آیت: ۱-۷) کیا بائبل کی یہ اندرونی شہادت خود اس کے اپنے

سابق بیان کی تردید اور قرآن کے بیان کی تصدیق نہیں کر رہی ہے۔ (تلخیص تفہیم القرآن: ۵۰۵)

تقابلِ ادیان کے دعوتی فوائد

دعوت و تبلیغ کو مؤثر بنانے میں مطالعۂ ادیان بنیادی رول ادا کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ داعی، مدعو و مخاطب اقوام کی نفسیات، تاریخ، تہذیب و ثقافت اور عقائد سے واقف ہوتا ہے۔ اور ان کے عقائد و شریعت میں واقع کمزوریوں کو نمایاں کر کے ان کے سامنے غور و فکر کی راہیں کھولتا ہے نیز ان کے قلب و دماغ میں نفوذ کے راستے ہموار کرتا ہے۔ انسانی ذہن اپنے مذہب کے عقائد پر بھرپور یقین رکھتا ہے۔ آباء و اجداد سے ترکہ میں ملے یہ عقائد اس کے رگ و ریشے میں پیوست ہوتے ہیں۔ ان عقائد کو متزلزل کیے بغیر نئے عقائد کے دخول کی راہیں ہموار نہیں ہوتیں۔ انسانی ذہن کی مثال پانی سے لبریز گلاس سے دی جا سکتی ہے جس میں دوسرے مشروب کو رکھنا اسی وقت ممکن ہے جب پانی سے اسے خالی کر دیا جائے۔ اس کے بغیر خالص مشروب کا داخل ہونا ممکن نہیں۔ ٹھیک اسی طرح سابقہ عقائد و نظریات پر تیشہ چلائے اور ان کی جڑیں کمزور کیے بغیر صحیح اسلامی عقائد ذہنوں میں جاگزیں نہیں ہو سکتے۔

تقابل ادیان کے ذریعہ داعی، مدعو کے سامنے اس کی شریعت اور اسلامی شریعت کے بعض احکام و قوانین کا تقابلی مطالعہ پیش کر کے اسلامی احکام کی آسانی اور ان کی فطرت سے ہم آہنگی اور غیر اسلامی احکام کی سختیوں نیز فطرت سے دوری کو ثابت کر کے اسلام کی حقانیت اسے سمجھا سکتا ہے۔ مثلاً ہندومت اور یہودیت میں حائضہ عورت اور جریان کے مریض کے ساتھ سختی کا جو سلوک کیا جاتا ہے وہ انتہائی غیر معقول ہے۔ غور کیجیے حیض کا آنا ایک فطری امر ہے۔ اس کے جاری ہونے کا بنیادی مقصد رحم مادر کو استقرار حمل کے قابل بنانا ہے۔ لیکن منو کے قوانین اور توراتی شریعت اس حالت میں عورت کو ایک کنارے اور الگ تھلگ رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ بلکہ یہودیت تو حیض اور جریان کو ایک غلطی تصور کرتے ہوئے، پاکی کے لیے دو قمریوں کی قربانی واجب قرار دیتی ہے جس سے وہ عورت اور اس کا پورا خاندان اس ممانعت کی بنا پر حرج اور تنگی محسوس کرتا ہے۔ جب کہ اسلامی شریعت حائضہ عورت سے صرف مباشرت کو حرام ٹھہراتی ہے اور بقیہ جملہ امور اور گھریلو کاموں میں اس کے تعاون و اشتراک کو جائز قرار دیتی ہے۔

اسلام کی دعوت غور وفکر کی تحریک کو فروغ دینے اور عقلی لحاظ سے اس کے عقائد پر مطمئن کرنے پر قائم ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کی یہ شدید خواہش رہی ہے کہ لوگوں کے سامنے مختلف مذاہب وادیان کے درمیان مقارنہ وموازنہ کے عمل کو فروغ دے کر انسانی ذہن ودماغ کو غور وفکر کرنے اور پھر صحیح نتیجہ تک پہنچنے اور تبعاً ایمان لانے پر آمادہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں یہ انداز بیان جا بجا اختیار کیا گیا ہے۔ مختلف انبیاء کرام نے اپنی قوموں سے جو مناظرے کیے ہیں وہ قرآن میں جا بجا مرقوم ہیں۔ شرک کی تردید کرتے ہوئے یوں خطاب کیا گیا ہے:

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ؗ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ؗ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ؗ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

(سورۂ اعراف:۱۹۱-۱۹۵)

"کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں۔ اگر تم انہیں سیدھی راہ پر آنے کی دعوت دو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں تم خواہ انہیں پکارو یا خاموش رہو دونوں صورتوں میں تمہارے لیے یکساں ہی رہے۔ تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو۔ ان سے دعائیں مانگ کر دیکھو یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں۔ کیا یہ پاؤں رکھتے ہیں کہ ان سے چلیں؟ کیا یہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ ان سے پکڑیں؟ کیا یہ آنکھیں رکھتے ہیں کہ ان سے دیکھیں؟ کیا یہ کان رکھتے ہیں کہ ان سے سنیں؟ اے نبی، ان سے کہو کہ بلا لو اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پھر تم سب مل کر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔"

مطالعۂ مذاہب کے ذریعہ داعی کو ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اس سے اسے اسلام اور مدعو کے مذہب کے درمیان مشترک امور واقدار اور عقائد کا علم حاصل ہوتا ہے جنھیں بنیاد بنا کر بتدریج مدعو کو مختلف فیہ امور کو ماننے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (آل عمران: ۶۴)

''اے نبی! کہو اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔''

یعنی ایک ایسے عقیدے پر ہم سے اتفاق کرلو جن پر ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جس کے صحیح ہونے سے تم بھی انکار نہیں کر سکتے۔ تمہارے اپنے انبیاء سے یہی عقیدہ منقول ہے اور تمہاری اپنی کتبِ مقدسہ میں اس کی تعلیم موجود ہے۔

مطالعۂ مذاہب کا ایک اہم فائدہ داعی کو یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ اس سے اسے مختلف مذاہب کے مابین مشترک اقدار واخلاقیات کا پتہ چلتا ہے جنھیں بنیاد بنا کر داعی غیر مسلم اقوام سے بھی اخلاقیات کے فروغ میں مدد لے سکتا ہے۔ وہ مشترک اقدار کو فروغ دینے کے لیے مختلف تنظیمیں قائم کر سکتا ہے، جیسا کہ خود نبی اکرم ﷺ نے ظلم کے خلاف حلف الفضول میں شرکت فرمائی اور بعثت کے بعد فرمایا کہ اسلام کی دولت نصیب ہوجانے کے باوجود بھی اگر ان کو اس طرح کے معاہدے میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے تو وہ اس پر لبیک کہیں گے۔ (دیکھئے: السنن الکبریٰ، البیھقی ۳۶۶/۶) یہ بھی رابطہ بڑھانے کا ذریعہ ہے۔

مطالعۂ مذاہب کے بغیر مدعو کی نفسیات اور اس کے خصائص وامتیاز اور اخلاقی اقدار کا پتہ چلانا ممکن نہیں۔ ظاہر ہے توحید کے علم بردار مذاہب جیسے یہودیت اور آریہ سماج کے ماننے والوں کو شرک کے علم برداروں کی طرح دعوت نہیں دی جائے گی اور ایسے ہی ملحدین یا خدا کے وجود کے منکر بدھسٹوں کو دعوت دینے کا انداز مشرکین کو دعوت دینے کے انداز سے مختلف ہوگا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے مدعو کے مذہب کی صراحت کردی تھی:

روی البخاری عن أبی معبد مولی ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لمعاذ بن جبل حین بعثه الیٰ الیمن انّک ستأتی قوماً من أهل الکتاب فاذا جئتهم.

(بخاری ج ۲، ص ۶۴)

"ابو معبد مولیٰ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے ہوئے کہا کہ تم اہل کتاب کے ایک گروہ کے پاس جاؤ گے۔"

ایک دوسرے صحابیؓ کو ایک مشرک قبیلہ کی جانب تبلیغ وارشاد کے لیے بھیجتے ہوئے فرمایا:

"تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو متعدد خداؤں کو مانتی ہے"۔

مطالعۂ مذاہب کا ایک بنیادی فائدہ داعی کو یہ بھی حاصل ہوگا کہ اس کے ذریعہ اسے ان بشارتوں کا تفصیلی علم ہوگا جو توریت، انجیل، زبور، تری پٹیکا، ژنداوستا، رگ وید، بھوشیہ پران اور کلکی پران میں محمد عربی ﷺ کی آمد کے متعلق دی گئی ہیں اور جن کا مصداق نبی اکرم ﷺ کے سوا دنیا کا کوئی دوسرا شخص نہیں ہوسکتا۔ ان بشارتوں کو بنیاد بنا کر بھی داعی مدعو کو محمد عربی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دے سکتا ہے کہ دیکھو نبی آخر الزماںؐ کی بعثت کا تذکرہ خود تمہاری مقدس کتابوں میں موجود ہے تو آپ ﷺ پر ایمان گویا تمہاری اپنی مقدس کتابوں کے نصوص ہی کی تصدیق و تائید ہے۔

مختصراً یہ کہ مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے ذریعہ اسلامی عقائد کی دیگر ادیان کے عقائد کے مقابلے میں حقانیت وصداقت، اسلامی مصادر کی دیگر کتب مقدسہ کے مقابلے میں سلامتی اور نقص واضافہ سے مکمل محفوظ ہونا کھل کر واضح ہوگا بلکہ اسلامی شریعت کی دیگر شریعتوں کے مقابلے میں آسانی اور فطرت سے ہم آہنگی بھی کھل کر سامنے آئے گی اور یہ چیز مدعو کو اسلام کی جانب راغب کرے گی۔ اس ضمن میں ان نومسلموں کی شہادت کافی ہوگی جن کے سامنے مختلف مذاہب کے درمیان مقابلہ ومقارنہ ہی کے ذریعہ حق کی روشنی آشکارا ہوئی تھی۔ نومسلمہ ہیدر کہتی ہیں:

"کالج کی زندگی کے دوران میں مختلف مذاہب کے سلسلے میں تقابلی مطالعہ پر بہت زور دیتی تھی اور پوری زندگی مذاہب کا مطالعہ کرنا نہ صرف میرا مشغلہ اور ہابی بنا بلکہ میں جتنا زیادہ مطالعہ کرتی گئی اتنا ہی شبہات کا ازالہ ہوتا گیا۔ میں نے عیسائیت کے

علاوہ دیگر مذاہب جیسے ہندومت، بدھ مت، یہودیت اور بیگزم وغیرہ کا مطالعہ بھی کیا تاکہ سچائی اور حق کی تلاش میں مجھے کامیابی مل سکے...... بعد میں، میں نے اسلام پر دو کتابیں ''اسلام کی طرف واضح رہنمائی'' اور ''رسالہ دینیات'' پڑھیں اور پھر قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا تو ایسا ہوا کہ یہ کتاب میرے دل ودماغ میں گھر کرتی گئی اور میں نے اپنے دل میں محسوس کیا کہ آخر کار وہ راستہ مجھ کو مل ہی گیا، جس پر چل کر میں اپنے رب کو خوش رکھ سکتی ہوں۔'' (مسلم یوتھ، ستمبر ۲۰۰۳)

آخری بات

مسلمانوں کے انتشار وافتراق اور ضعف کے اس دور میں اس علم کی ضرورت واہمیت دوچند ہوگئی ہے۔اسلام کے پاس جو روحانی، عقلی، مادی، اجتماعی اور سیاسی تاثیر کی قوت ہے وہ کسی اور مذہب کو حاصل نہیں۔ (تفسیر المنار، رشید رضا، ۱۰/۱۷۵) ان تمام پہلوؤں سے مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ بے حد مفید ہے۔اس سے نہ صرف فکری لحاظ سے ہم مستشرقین ومستغربین کا مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ اقدامی پوزیشن میں آکر مذاہب عالم اور جملہ افکار ونظریات پر اسلام کو غالب کر سکتے ہیں اور پھر یہ فکری غلبہ عسکری غلبہ کی جانب لے جائے گا۔

لہٰذا ارباب مدارس سے یہ گزارش ہے کہ وہ اپنے نصاب میں اس مضمون کو خصوصی جگہ دیں کہ اس کے بغیر نہ تو دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی مغرب کی فکری یلغار کا ہم مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی غلبۂ دین کی راہیں ہموار کر سکتے ہیں۔

تقابلِ ادیان کی تدوین میں مسلم مصنفین کا رول

تقابل ادیان خالص اسلامی دور کی پیداوار ہے۔قرآن کریم نے ہی اس فن کی بنا رکھی اور باطل عقائد و افکار پر تنقید کی راہ دکھائی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے عقائد پر سخت گرفت کی ہے اور ان میں موجود زیغ وضلال کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن کریم نے حق و باطل کے درمیان موازنہ کر کے ہر صاحب عقل سلیم کو غور و فکر اور درست نتائج تک پہنچنے کی راہ ہموار کر دی ہے۔ارشاد باری ہے:

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ (یوسف:۳۹)

''بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟''

ایسی ہی متعدد آیات میں انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے درمیان ہوئے مناظروں کی بعض تفصیلات بھی بیان کر دی گئی ہیں کیوں کہ باطل کے عیوب و نقائص کے اظہار سے حق کو نصرت و تائید حاصل ہوئی ہے اور عقل مندوں کے لیے موازنہ و اختیار کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ اس منہج قرآنی کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں نے شروع سے ہی دیگر مذاہب و ادیان کے علوم کو حاصل کرنے کی جانب توجہ دی۔عہد صحابہ میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودی مذہب سے متعلق علم حاصل کرنے کے لیے سترہ دنوں میں ہی عبرانی زبان سیکھ لی تھی۔البتہ تقابلِ ادیان کا باقاعدہ آغاز عہد عباسی میں ہوا۔ برامکہ نے اپنے دور میں اس کی جانب خصوصی توجہ دی اور ۱۹۰ھ میں یحییٰ بن خالد برمکی کے دور میں دارالخلافہ بغداد سے ایک وفد ہندوستان آیا اور یہاں کے مذاہب و معابد کے متعلق قیمتی مواد حاصل کیا۔الفہرست میں ہے: بعض متکلمین کا بیان

ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ایک شخص کو اس غرض سے ہندوستان بھیجا کہ وہ اس کے پاس وہاں پائی جانے والی جڑی بوٹیاں لے کر آئے اور وہاں کے لوگوں کے مذاہب کے بارے میں اس کے لیے معلومات ضبطِ تحریر میں لائے چنانچہ اس نے مشہور کتاب "ملل الهندو اديانها" (ہندوستانی قومیں اور مذاہب) تالیف کی۔آگے لکھتے ہیں "محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ سلطنت عرب کے جن لوگوں نے عقائد ہند کے بارے میں معلومات فراہم کرنے اور وہاں کے علماءِ طب اور حکیموں کو اپنے ہاں لانے کے لیے سعی وکوشش کی وہ یحییٰ بن خالد[۱] اور برامکہ[۲] کی جماعت ہے۔(ص:۴۸۴)

ایسے ہی نصرانیت کی تردید میں بھی دوسری صدی ہجری سے ہی کتابیں لکھنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ابن ندیم کا بیان ہے کہ حسن بن ایوب نے اپنے بھائی علی بن ایوب کی خاطر ایک کتاب تالیف کی،جس میں انہوں نے نصرانی عقائد پر بھرپور گرفت کی۔(الفہرست:۲۴۶)

ان حوالوں سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں نے دوسری صدی ہجری سے ہی تقابلِ ادیان پر زور دینا شروع کردیا تھا جس سے مشہور مستشرق آدم متھز کی اس رائے کی بخوبی تردید ہو جاتی ہے جس کا اظہار اس نے اپنی کتاب "چوتھی صدی ہجری میں اسلامی ثقافت" میں کیا ہے کہ مسلمانوں نے تقابلِ ادیان کے مطالعہ کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں کیا ہے اور بعض مسلم محققین نے بھی۔(دراسات فی الیھودیۃ والمسیحیۃ،ضیاء الرحمٰن اعظمی ص:۲۹) اسی کی عبارتوں کو بنیاد بنا کر مذکورہ بالا رائے کا اظہار کیا ہے۔حالانکہ اس فن میں لکھنے کا آغاز دوسری صدی میں ہی ہو چکا تھا البتہ یہ علم اوجِ کمال پر چوتھی صدی کے اوائل ہی میں پہنچا اور اس دور میں متعدد مذاہب و ادیان کے تعلق سے اسلامی ادبیات میں قابل قدر کتابوں کا اضافہ ہوا،جس کی مختصر روداد نذر قارئین کی جارہی ہے۔

[۱]الآراء والدیانات اورالرد علی اصحاب التناسخ

یہ دونوں کتابیں نوبختی (۲۰۲ھ) کی تصنیف ہیں۔آپ کا پورا نام حسن بن موسیٰ ہے۔بغداد کے رہنے والے تھے۔اعتزال وتشیع کی جانب زیادہ میلان رکھتے تھے۔

---

(۱) یحییٰ بن خالد البرمکی،ہارون رشید کا رضائی باپ اور وزیر۔

(۲) ایک ایرانی خاندان تھا جس کے افراد سلطنت عباسیہ کے دور میں کاتب اور وزیر رہے۔

[۲] المقالات فی اصول الدیانات اور المسائل و الملل فی المذاھب والنحل: کے مؤلف علی بن حسین بن علی (۳۴۶ھ) ہیں۔آپ بغداد کے رہنے والے تھے۔ مشہور سیاح و محقق اور نامور مورّخ ہیں۔

[۳] درک البغیة فی وصف الادیان والعبادات: اس کے مؤلف محمد بن عبداللہ بن احمد المسبحی (۴۲۰ھ) فن ادب و تاریخ اور ادیان پر گہری نظر کے حامل تھے، کتاب ایک مجلد میں مطبوع ہے۔

[۴] الفرق بین الفرق: اس کے مؤلف ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بغدادی (۴۲۹ھ) اصول فقہ کے مسلم امام ہیں، آپ کی فن ادیان پر ایک اور کتاب "الملل والنحل" کے نام سے بھی تھی جواب ناپید ہے۔

[۵] تحقیق ما للھند من مقولة مقبولة فی العقل او مردودله: اس کے مؤلف محمد بن احمد ابوریحان البیرونی ہیں۔اس کا اردو ترجمہ "البیرونی کا ہندوستان" کے نام سے چھپ چکا ہے۔آپ نے یہ کتاب ہندوستان میں متعدد سال گزارنے کے بعد لکھی ہے۔مؤلف نے اس کتاب کو اسی ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں جن امور کو بیان کیا ہے ان کی ذیلی سرخیاں قائم کی ہیں۔پہلا باب تعارفی نوعیت کا ہے اور اس میں ان دشواریوں (زبان و مذہب کا اختلاف اور نسلی تعصب وغیرہ) کا ذکر کیا ہے جو ہندوستانی معاشرے کو معروضی انداز میں سمجھنے اور بیان کرنے میں پیش آئی ہیں۔اسی باب میں انہوں نے اپنے طریق کار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد کے ابواب مذہب و فلسفہ (۱ تا ۸)، معاشرتی نظام، قانون، قانون و شریعت (۹ تا ۱۱)، دینی اور علمی کتابیں (۱۲ تا ۱۴ اور ۱۶)، پیمائش کے طریقے، کیمیا (۱۵ تا ۱۷) جغرافیہ اور ستاروں کا علم، نجوم، تاریخ وغیرہ (۸ تا ۶۲) معاشرت، عبادت اور رسوم، تہوار وغیرہ (۶۳ تا ۷۹) اور احکام نجوم (۸۰) پر مشتمل ہیں۔اس کتاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ البیرونی نے اس میں مشرقی تہذیب کو اس کے اپنے الفاظ میں سجانے کی کوشش کی ہے۔اس کا یہی وہ وصف خاص ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کے بارے میں اس کی تصنیف کردہ اس کتاب کو اس موضوع کی تمام دوسری کتابوں پر برتری حاصل ہے۔

[۶] الفصل فی الملل والاھواء والنحل: علی بن احمد بن حزم (۴۵۶ھ)

اس کے مؤلف ہیں۔آپ ظاہری فقہ کے مشہور امام ومحدث ہیں،فن ادیان کے بنیادی ماخذ میں اس کتاب کا شمار کیا جاتا ہے۔اس کی بعض فصلوں میں آپ نے عیسائیوں اور یہودیوں کے عقائد پر بھی تنقید کی ہے اور ان کی تحریروں میں متضاد ومتبائن بیانات تلاش کرنے کو کوشش کی ہے تاکہ ان کے خلاف مقدس متون کی تحریف کے الزام کو حق بجانب ثابت کیا جاسکے۔

[۷] اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین : امام رازی (۶۰۶ھ) کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔اس مختصر رسالے کو علی السامی النشار نے ۱۹۳۸ء میں طبع کیا۔رازی نے بڑے اختصار لیکن ساتھ ہی بڑی صحت وغیر جانب داری سے مسلمانوں کے اکثر فرقوں اور متعدد زردشتی،یہودی اور عیسائی فرقوں کا ذکر کیا ہے،ایک باب فلاسفہ کے لیے بھی مخصوص ہے۔

[۸] الملل والنحل: اس کتاب کے مؤلف ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی ہیں۔علم کلام اور تقابلِ ادیان کے آپ امام سمجھے جاتے ہیں۔یہ کتاب مذاہب کے موضوع پر انسائکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے،جس کے ماخذ ومصادر کی فہرست کافی طویل ہے۔

[۹] بین المسیحیۃ والاسلام : یہ ابوعبیدہ الخزرجی کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔قرطبہ کے زوال کے بعد جب مسیحی دعاۃ حرکت میں آئے تو ان کے حوصلے چند ہی سالوں میں اس قدر بلند ہوگئے کہ پادری ''حنامقار'' نے اندلس کے فقیہ ابوعبیدہ کے سامنے بھی نصرانیت کی دعوت پیش کی جس کے جواب میں آپ نے اپنی یہ مشہور کتاب تصنیف فرمائی۔اس کتاب میں مؤلف نے نصرانیت کے انحرافات کی بڑے عمدہ اور دلنشیں انداز میں تشریح کی ہے اور درج ذیل مسائل پر کھل کر بحث کی ہے۔عقیدۂ تثلیث،عقیدۂ صلب وفداء،مسیح علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کے معجزات،مسیح کی طبیعت،کنیسوں میں ظہور پذیر ہونے والے خارق عادات وواقعات،توریت وانجیل کے تمدنی مسائل،یہودیت ونصرانیت اور اسلام میں تعدد ازدواج،جہاد نیز اخروی اجزاء کے مسائل اور توریت وانجیل کی تحریفات۔

[۱۰] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح : ابن تیمیہؒ کی یہ کتاب نصرانیت کی تردید میں ایک مبسوط اور مفصل کتاب ہے جسے آپ نے صیداء وانطاکیہ کے پادری پال (Paul) کے ایک خط کے جواب میں تصنیف فرمائی تھی۔ایسے ہی نصرانیت ویہودیت کے ابطال پر ابن القیم الجوزیہ نے ہدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود والنصاریٰ تصنیف فرمائی۔ابن القیم

کے بعد تقابل ادیان پر چھوٹی بڑی بے شمار تصنیفات منظر عام پر آئیں۔ اہل یورپ نے اس فن کی تدوین کی جانب دیگر علوم وفنون کی طرح کافی تاخیر سے توجہ کی، پندرہویں وسولہویں صدی میں استعماری مقاصد واغراض کے پیش نظر انہوں نے ہند وچین کے علاقوں میں اپنے وفود بھیجے۔ چنانچہ ان دونوں صدیوں کے بعد تقابلِ ادیان کا فن یورپ میں اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ دوسری جانب آریہ سماج کے بانی ''دیانند سرسوتی'' نے اپنی مشہور کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' (یعنی حق کی روشنی) کا چودھواں باب اسلام کے ابطال پر مختص کیا، اس کتاب کو ہندو سماج میں کافی پذیرائی ملی اور ہندو بیرونِ ہند متعدد عالمی زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع ہوا۔ اس کتاب اور آریہ سماج کی منظم جدو جہد سے مسلم معاشرہ، افسردگی و مایوسی کا شکار ہو گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کو اس کی تردید کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ نے اس کے جواب میں ''حق پرکاش'' تالیف فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی ہندودھرم اور نصرانیت کی تردید پر ان کی متعدد قیمتی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں سب سے مشہور ''اسلام اور مسیحیت'' ہے۔

تقابلِ ادیان کی تاریخ پر جب بھی بحث ہوگی امام الدین رام نگری کا نام ضرور آئے گا۔ موصوف نے اپنی پوری زندگی ہندومت اور بدھ مت کے ابطال میں گزار دی۔ مختلف مذاہب پر آپ کی بیس سے زائد تصنیفات ہیں۔ آپ کی کتابوں سے متاثر ہو کر متعدد ہندو نوجوان مشرف بہ اسلام ہوئے۔

باب دوم

یہودیت

یہودیت کی وجہ تسمیہ

لفظ یہود کے اشتقاق کے سلسلے میں علماء کی مختلف رائیں ہیں:

[۱] یہ خالص عربی لفظ ہے اور ''ھود'' سے بنا ہے، جس کے معنی توبہ وانابت کے آتے ہیں۔ چونکہ انھوں نے بچھڑے کی پوجا سے توبہ کی بے مثال اور تاب آزما روایت قائم کی اس لیے ان کو یہودی کہا گیا ہے۔ انھوں نے عرض کیا تھا اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ (الاعراف:۱۵۶) یا ''ھود'' کے معنی ہیں ہلنا، حرکت کرنا چونکہ یہ لوگ توریت بہت جوش سے جنبش کھا کھا کر پڑھتے تھے اس لیے یہودی نام سے موسوم ہوئے۔ یا پھر ''ھود'' کے معنی ہیں رہبری کرنا، مخبری کرنا۔ یہ بادشاہ وقت کو انبیاء کرام کی خبر دے کر انھیں قتل کراتے تھے۔ اس لیے یہ لقب ان کو ملا جو ان پر اللہ کے غضب کی غمازی کرتا ہے۔ (الأدیان والفرق والمذاھب المعاصرۃ، ص ۱۵۔ تفسیر کبیر وروح البیان ج ۱، ص ۱۱۲)

[۲] بنی اسرائیل کو ''یہود'' حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے ''یہوذا'' کی طرف نسبت کر کے کہا جاتا ہے۔ یہ غیر مرکب لفظ ہے اور اس کا مادہ ''ھود'' ہے اور یہوذا کے تسمیہ میں حمد وطاعت کا مفہوم ملحوظ ہے۔ کتاب پیدائش میں ''یہوذا'' کے متعلق جو دعا مذکور ہے اس کی بین دلیل ہے۔ دعا کے الفاظ یہ ہیں:

اے یہوذاہ! تیرے بھائی تیری مدح کریں گے۔
تیرا ہاتھ تیرے دشمنوں کی گردن پر ہوگا۔
تیرے باپ کی اولاد تیرے آگے سرنگوں ہوگی۔

البتہ علماء یہود کا خیال ہے کہ یہ لفظ ''یھو'' اور ''ذا'' سے مرکب ہے۔ ''یہوُ'' کے معنی اللہ اور ''ذا'' کے معنی ''ہذا'' کے ہیں۔ان کی دلیل کتاب پیدائش کی یہ عبارت ہے:

''اور وہ (لیہ زوجہ یعقوب علیہ السلام) پھر حاملہ ہوئی اور اس کے بیٹا ہوا۔تب اس نے کہا کہ میں خداوند کی ستائش کروں گی، اس لیے اس کا نام یہوذا رکھا۔'' (توریت، پیدائش باب ۱۸، ۳۵)

اس سے یہود نے یہ سمجھا کہ یہ لفظ اس واقعہ اور یہود کے لفظ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ (حالانکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی حمد کی طرف اشارہ کر رہا ہے) ان کا یہ خیال درست نہیں ہے کیوں کہ لفظ ''یھو'' کے ساتھ کسی ایسے ہی لفظ کو ملایا جاسکتا ہے جس کا ملایا جانا اس کے ساتھ موزوں ہو، لفظ ''ذا'' کوئی ایسا موزوں لفظ نہیں ہے جو کسی مخلوق کا نام رکھنے کے لیے اس کے ساتھ ملایا جائے۔کیوں کہ اس کے ملانے سے جو معنی بنتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ اللہ ہے۔ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے لیے اس لفظ کا استعمال نہایت ہی مکروہ ہے۔ (مفردات القرآن، حمید الدین فراہی، مادہ ھود)

[۳] تیسری رائے یہ ہے کہ یہ لفظ مملکت ''یہودا'' کی طرف منسوب ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی تھی۔آپ کے انتقال کے بعد بنو اسرائیل دو حصوں میں بٹ گئے۔ایک حصہ اسرائیل اور دوسرا ''مملکت یہوذا'' کے نام سے موسوم ہوا۔کیوں کہ اس میں صرف دو خاندان ''یہوداہ'' اور ''بن یمین'' ہی باقی رہ گئے تھے، جس پر یہودا کے نسل کے غلبہ کی وجہ سے یہود کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔اسرائیل (سامرہ) کی آشوریوں کے ہاتھوں مکمل تباہی کے بعد پوری قوم پر لفظ ''یہود'' کا اطلاق ہونے لگا۔

یہی رائے زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ بنو اسرئیل نے اپنے لیے یہ لفظ عہد نامہ قدیم میں سفر عزرا سے پہلے کہیں استعمال نہیں کیا ہے۔عزرا یہود کی اس دور کی تاریخ پر مشتمل ہے جو بابل کی اسیری سے تعلق رکھتا ہے۔سفر عزرا سے پہلے کے اسفار ان کے لیے ''شعب'' اور ''اسرائیل'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔لیکن بابل کی اسیری کے بعد انھیں یہود کہا جانے لگا۔جس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لقب انھیں مملکت یہودا کے رعایا ہونے کی وجہ سے اس وقت عطا کیا گیا جب اخلاقی بگاڑ اور شریعت موسویہ سے انحراف کے بعد ان کے احبار و علماء نے اپنے اپنے خیالات ورجحانات کے مطابق عقائد ورسوم و مذہبی ضوابط کا ڈھانچہ تیار کرنا شروع کر دیا تھا، جس کی وجہ سے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا ہی عنصر اس میں شامل رہ گیا تھا۔

اس کی تائید قرآن مجید میں لفظ ''یہود'' کے استعمالات سے بھی ہوتی ہے۔ اس لفظ اور اس کے مشتقات سے ان کا ذکر انہی مواقع پر کیا گیا ہے جو ذم و تنقیص کے ہیں۔ اس مضمون کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱ - وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (المائدہ:٦٤)

''اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ہاتھ ان کے بندھ جائیں اور ان کی اس بات کے سبب سے ان پر لعنت ہو بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔''

۲ - وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ (المائدہ:١٨)

''یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اس کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔''

۳ - وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ (التوبہ:٣٠)

''اور یہود عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔''

۴ - مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا (آل عمران:٦٧)

''ابرہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھا اور نہ نصرانی۔''

۵ - قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦﴾ (الجمعہ:٦)

''ان سے کہو: اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو اگر تمہیں یہ گھمنڈ ہے کہ باقی سب لوگوں کو چھوڑ کر بس تم ہی اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو۔'' (دیکھیے: الادیان فی القرآن: ١٣٥۔ الیھودیۃ: ١٠)

میرے نزدیک یہی آخری رائے زیادہ صحیح ہے اور یہ لفظ ''ھود'' سے ماخوذ نہیں ہے کیوں کہ انھیں اگر توبہ کرنے ہی کی وجہ سے یہودی کہا گیا تو پھر قرآن کریم میں ذم و تنقیص کے مواقع ہی پر اس لفظ کا ذکر کیوں کیا گیا؟ اور یہودیوں نے بابل کی اسیری سے ماقبل لکھی گئی مقدس کتابوں میں اپنے لیے اس لفظ کا استعمال کیوں نہیں کیا جب کہ یہ لفظ مدح و ستائش کا مفہوم لیے ہوئے تھا۔ نیز قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی بنو اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں بنی اسرائیل

ہی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یہود کے نہیں۔ یہود کے لفظ سے مذہب یہود کے پیروکاروں کو خطاب کیا گیا ہے جن میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی دونوں شامل ہیں۔ ظاہر ہے گوسالہ پرستی سے توبہ صرف اسرائیلیوں ہی نے کی تھی غیر اسرائیلیوں نے نہیں۔ نیز اس وقت تک غیر اسرائیلی قومیں یہودیت میں داخل بھی نہیں ہوئی تھیں۔

یہودیت کی تاریخ

بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ کا لقب اسرائیل تھا جس کے معنی ہیں "بندۂ خدا"۔ آپ کے لقب کی جانب نسبت کر کے آپ کی نسل کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ فلسطین میں آپ مصر کی طرف ہجرت سے پہلے خالص بدویانہ اور مویشیوں کے گلوں کے ساتھ خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ١ٞ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا١ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ

(یوسف:۱۰۰)

"اور یوسف علیہ السلام نے کہا اے میرے والد! یہ میرے پچھلے خواب کی تاویل ہے جسے میرے رب نے سچ کر دکھایا اور میرے ساتھ اس نے عمدہ سلوک کیا کہ مجھے جیل سے باہر نکال لایا اور آپ لوگوں کو دیہات سے شہر لایا۔"

ابن جریج "من البدو" کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کا پورا خاندان بدویانہ زندگی گزار رہا تھا اور ان کی معاشی زندگی کی بنیاد مویشی پالنا تھی۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۴۱)

مصر میں یعقوب (علیہ السلام) کی سکونت

مصر میں جب یوسف علیہ السلام کو اقتدار حاصل ہو گیا تو آپ کے والد یعقوب علیہ السلام اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر میں جا کر آباد ہو گئے۔ (دیکھیے: کتاب پیدائش باب: ۲۱/۱، ۲۹، ۴۱) بنی اسرائیل کو وہاں آباد ہونے میں کسی خاص دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیوں کہ اس وقت مصر میں عرب چرواہوں (Hyksos) کی حکومت تھی جنھیں تاریخ میں "عمالقہ" کے نام

سے جانا جاتا ہے اور جو قحط و خشک سالی کے سبب فلسطین اور سوریا سے دو ہزار سال قبل مسیح وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ (موکب الشمس ج ۴ ص ۲۹۸)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو جرسان کے علاقہ میں آباد کیا جو قاہرہ اور دمیاط کے درمیان واقع ہے اور جو نہایت زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔

(دیکھیے: کتاب پیدائش ۴۷/۲۷)

قبطیوں کے ہاتھوں عمالقہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد بنو اسرائیل کی حب الوطنی مشکوک قرار پائی، اس لیے ان کے زور کو توڑنے کی پوری کوشش کی گئی۔ توریت میں ہے:

''تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا دیکھو بنی اسرائیل ہم سے زیادہ قوی ہو گئے ہیں، سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں''۔ (خروج: ۱-۱۵)

بنی اسرائیل پر تشدد کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ملک کے اہم مناصب پر قبضہ کر لیا ہو گا اور مصر کی معاشیات پر ان کا پورا کنٹرول ہو گیا ہو۔ بہر حال سبب جو بھی رہا ہو بنی اسرائیل کئی صدیوں تک مصر میں انتہائی ذلت و نکبت کی زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ان کو مصر کی غلامی سے نجات ملی۔ (الیھودیۃ والمسیحیۃ ۵۹)

موسیٰ علیہ السلام کا ظہور

موسیٰ علیہ السلام منصۂ شہود پر اس وقت ظاہر ہوئے جب آپ کی پوری قوم قبطیوں کے قومی عصبیت کا شکار تھی اور ذلت و نکبت کی زندگی گزار رہی تھی۔ (دیکھیے: کتاب خروج: باب ۲: ۱-۳)

یہودی تاریخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سب سے مقدس سمجھی جاتی ہے کیوں کہ آپ نے ان کو ایک تفصیلی شریعت دے کر اور خدا تعالیٰ سے من حیث القوم ایک عہد میں باندھ کر ان میں اتحاد کا ایسا احساس پیدا کر دیا اور یکجہتی کی ایسی بنیاد فراہم کر دی، جس نے ان کو ہمیشہ کے لیے ایک مستقل قوم بنا دیا۔ اپنے اس کارنامہ کے ساتھ یہودی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی سے نجات دلانے والے اور ارض موعود

(فلسطین) کی طرف ان کی رہنمائی کرنے والے تھے۔ (دنیا کے بڑے مذہب: ۲۴۰)

موسیٰ مصری لفظ ہے جس کے معنی لڑکے کے آتے ہیں۔ (الیھودیة والمسیحیة: ۶۲)

آپ مصر میں فرعون رعمیس ثانی کے عہد میں (۱۳۰۱۔۱۲۳۴ ق م) پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ نے فرعون کے خوف سے آپ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا، جس کو فرعون کی بیوی نے اٹھالیا۔ اس طرح آپ کی پرورش و پرداخت فرعون کے محل میں ہوئی۔

جوانی میں غلطی سے آپ سے ایک قبطی کے قتل کا جو صدور ہوا اس کی وجہ سے مدین کی جانب روانہ ہوئے جہاں دس سال تک قیام کیا۔ دس سال کے بعد مصر واپسی کے دوران کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کی آڑ سے اپنا جلوہ دکھایا۔ (خروج باب: ۳:۳۔۵) اور آپ کو نبوت کے عظیم منصب سے سرفراز کر کے فرعون اور قوم فرعون کی ہدایت کے لیے بھیجا۔

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج

فرعون منفتاح کے عہد (۱۲۱۳ ق م) میں موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کے ساتھ نکلے۔ مصر سے بنی اسرائیل کے خروج کا واقعہ عہد نامہ قدیم کے سفر خروج میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ بعض اہل تحقیق اس بات کو خرافات کی قبیل سے مانتے ہیں حالانکہ یہ ایک محقق تاریخی واقعہ ہے۔ اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ اس قصہ کا اصل ماخذ توریت ہے جو آٹھ صدیوں کے بعد مدون کی گئی۔ اس لیے یہ قصہ بگڑی ہوئی اس شکل میں ہم تک پہنچا جو معین و خاص مقاصد کے لیے لکھا گیا تھا۔ اسی لیے بعض مورخین اسے خیالی قصہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (العرب والیھود فی التاریخ ۲۷۸)

قرآن نے بھی واقعہ خروج کی جانب ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ (الشعراء: ۵۲-۵۶)

"ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ، تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ اس پر فرعون نے (فوجیں جمع کرنے کے لیے) شہروں میں نقیب بھیج

دیے اور (کہلا بھیجا) کہ یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں اور انھوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے
اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ چوکنا رہنا ہے"۔

موسیٰ علیہ السلام باذن الٰہی بنی اسرائیل کے ساتھ نکل پڑے۔ چونکہ اس زمانہ میں نہر سویز موجود نہ تھی۔ بحر احمر سے بحر روم تک پورا علاقہ کھلا ہوا تھا مگر اس علاقہ کے تمام راستوں پر فوجی چھاؤنیاں تھیں جن سے بخیریت نہیں گزرا جا سکتا تھا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا۔ غالباً ان کا یہ خیال تھا کہ سمندر کے کنارے چل کر جزیرہ نمائے سینا کی طرف نکل جائیں لیکن ادھر سے فرعون لشکر عظیم لے کر تعاقب کرتا ہوا ٹھیک اس مقام پر آ پہنچا جب کہ یہ قافلہ ابھی سمندر کے ساحل ہی پر تھا۔ سورۂ شعراء میں بیان ہوا ہے کہ: مہاجرین کا قافلہ لشکر فرعون اور سمندر کے درمیان بالکل گھر چکا تھا عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ" اپنا عصا سمندر پر مار۔ "فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ" فوراً سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے ٹیلے کی طرح کھڑا ہو گیا۔" اور بیچ میں صرف یہی نہیں کہ قافلے کے گزرنے کا راستہ نکل گیا بلکہ بیچ کا یہ حصہ قرآنی اشارات کے مطابق خشک ہو کر سوکھی سڑک کی طرح بن گیا۔ (یہودیت اور نصرانیت: ۴۵)

اس سڑک سے بنو اسرائیل باذن الٰہی صحیح سالم گزر گئے۔ فرعون اور اس کے لشکر اُسی راستے سے ان کے پیچھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دریا میں ڈبو دیا۔

یہودی روایت کے مطابق بنو اسرائیل کی مصر میں قیام کی مدت ۴۳۰ سال تھی (خروج: ۱۲۔ ۴۰) اور مصر میں داخلے کے وقت ان کی تعداد ستر اور خروج کے وقت قابل جنگ مردوں کی تعداد بنو لاوی کو چھوڑ کر ۶۰۳۵۵۰ تھی۔ (گنتی: ۱۔ ۴) اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت، مرد بچے سب ملا کر کم از کم ۲۰ لاکھ ہوں گے۔ یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں اور پوتوں سمیت مصر میں داخل ہوئے تھے۔ آپ کے پوتے "فقاھت بن لاوی" کی عمر اس وقت ۷ سال تھی۔ پھر مصر سے خروج تک صرف دو نسلیں پیدا ہوئیں۔ نسل عمران جو موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں اور نسل موسیٰ و ہارون۔

یہ بات کسی حساب سے قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ ساڑھے چار سو سال میں ستر آدمیوں کی اولاد تعداد کے لحاظ سے اس حد تک پہنچ جائے، اسی لیے عہد نامہ قدیم کے ریسرچ

اسکالرز اس کو بنیاد بنا کر توریت پر شدید نقد کرتے ہیں، خود "دائرہ معارف برطانیہ" کے کاتب نے اعتراف کیا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں رہی ہوگی۔ (الیھودیۃ والمسیحیۃ: ۷۲)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بنواسرائیل کے قدم مصر میں عہد یوسفی میں خوب جم گئے تھے اور پھر آپ کے بعد چار پانچ صدیوں تک ملک میں اقتدار انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہا، اس دوران یقیناً انھوں نے مصر میں اسلام کی خوب تبلیغ کی ہوگی۔ اہل مصر میں سے جو لوگ اسلام لائے ہوں گے ان کا مذہب ہی نہیں ان کا تمدن اور پورا طریق زندگی غیر مسلموں سے الگ اور بنی اسرائیل سے ہم رنگ ہو گیا ہوگا۔ مصریوں نے ان سب کو اسی طرح اجنبی ٹھہرایا ہوگا جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں نے ہندوستانی مسلمان کو ٹھہرایا۔ ان کے اوپر اسرائیل کا لفظ اسی طرح چسپاں کر دیا ہوگا جس طرح غیر عرب میں مسلمانوں پر محمڈن کا لفظ چسپاں کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر پرستی کا طوفان اٹھا تو مظالم صرف بنی اسرائیل ہی پر نہیں ہوئے بلکہ مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ یکساں لپیٹ لیے گئے۔ جب بنی اسرائیل نے ملک چھوڑا تو مصری مسلمان ان کے ساتھ نکلے اور ان سب کا شمار اسرائیلیوں ہی میں ہونے لگا۔ مزید لکھتے ہیں: "ہمارے اس قیاس کی تائید بائبل کے متعدد اشارات سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر "خروج" میں اس کا تذکرہ ہے کہ اسرائیلیوں کے ساتھ ایک ملی جلی گروہ بھی گئی (۱۲/ ۲۸)۔ اسی طرح گنتی میں ہے "جو ملی جلی بھیڑ ان لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کے حرص کرنے لگی"۔ (۱۱/ ۴) (تفہیم القرآن ج ۳، مریم، حاشیہ ۱۷)

لیکن مولانا محترم کے اس جواب پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ:

[۱] اللہ تعالیٰ نے مصر سے خروج کے وقت ان کی تعداد کے سلسلے میں فرعون کے قول کی حکایت ان الفاظ میں کی ہے: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ (الشعراء: ۵۴) "یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں"۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں جو لوگ ہوں ان کے لیے یہ جملہ کسی طرح موزوں و مناسب نہیں ہو سکتا۔ قرآن کے اس قول کی تائید اخبار الایام الاول کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ "یاد کرو وہ وقت جب تم تعداد کے اعتبار سے بہت ہی کم اور مصر میں پردیسی کی زندگی گزار رہے تھے"۔ (باب: ۱۶/ ۱۹)

[۲] کیا یہ ممکن ہے کہ بیس لاکھ افراد جن میں بچے، بوڑھے، عورتیں سب شامل ہوں

ایک ہی رات میں حرکت کرسکیں جب کہ قرآن صراحۃً بیان کرتا ہے کہ ان کا مصر سے خروج راتوں رات ہوا تھا۔ (دیکھیے: الشعراء: ۵۲)

قرآن کریم اور یہودیوں کی مقدس کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بنی اسرائیل کی اکثریت موسیٰ علیہ السلام پر حقیقی ایمان نہیں لائی تھی، بلکہ ایک قائد اور لیڈر کی حیثیت سے وہ ان کا اتباع کر رہے تھے اس امید میں کہ شاید ان کی قیادت میں مصریوں کی غلامی سے نجات مل سکے۔ آلِ فرعون کی غرقابی جیسی عظیم خدائی نشانی کے فوراً بعد گئو سالہ پرستی اور کنعانیوں سے جہاد سے انکار کس امر کی دلیل ہے۔ چنانچہ خود توریت کے سفر خروج میں یہ بات درج ہے کہ صحراء سینا میں پہنچنے کے بعد انھوں نے موسیٰ علیہ السلام پر یہ اتہام لگایا کہ وہ انھیں اس صحرا میں ضائع کرنا چاہ رہے ہیں۔ (باب ۱۶/ ۳۔۴)

قرآن کریم میں ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ (البقرہ: ۵۵)

"اور یاد کرو اس وقت کو جب تم لوگوں نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم آپ کی باتوں کی تصدیق اس وقت تک نہ کریں گے جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو علانیہ نہ دیکھ لیں تو تم لوگوں کو ایک کڑک نے آگھیرا در آنحالیکہ تم لوگ دیکھ رہے تھے۔"

بنو اسرائیل کے کنعانیوں سے جہاد کرنے سے انکار اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اس رائے فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ (المائدہ: ۲۴) "جاؤ تم اور تمہارا رب، پس تم دونوں آپس میں جنگ کرو۔ یقیناً ہم یہیں بیٹھے انتظار کریں گے۔" کی تجویز کے بعد بنی اسرائیل پر چالیس سال کے لیے ارضِ موعود میں داخلہ جرم قرار دے دیا گیا۔ ان چالیس سالوں میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور آپ کے عہد کی پوری نسل سوائے یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا کے فوت ہوگئی۔

بنو اسرائیل کا فلسطین میں دخول

موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد یوشع بن نون نے بنو اسرائیل کی قیادت کی زمام

سنبھالی۔ آپ کی قیادت میں بنو اسرائیل فلسطین میں نہر اردن کی جانب سے داخل ہوئے اور سب سے پہلے ''عای'' کا شہر قبضہ میں آیا۔ (یشوع باب: ۸/۲۸۔ ۲۹) اور سات سال کے کم عرصے میں انھوں نے اس علاقہ میں چھوٹے چھوٹے تقریباً ۳۱ بادشاہوں کا خاتمہ کیا۔ البتہ غزہ اور یافا کے حصے پر مستحکم و مضبوط قلعوں اور فلسطینیوں کے جدید آلات حرب سے مسلح ہونے کی وجہ سے آپ نے حملہ نہیں کیا۔ ایک سو دس سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ تخم ملکہ میں دفن کیے گئے۔ (دیکھیے: قضاۃ، باب ۲/۸۔۹)

فلسطینی عہد

عموماً مؤرخین یہودیوں کے فلسطینی عہد کو تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) قاضیوں کا دور (۲) دور تفریق (۳) دور محکومی

(۱) قاضیوں کا دور

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے فلسطین کی فتح کے بعد اس کے مفتوحہ علاقوں کو بنی اسرائیل کے تمام ہی قبائل میں تقسیم کر کے ہر قبیلہ کا ایک سردار بنا دیا تھا۔ یہ قبائل بوقت ضرورت تمام قبائل کا عمومی ذمہ دار بناتے جس کی ذمہ داری ان کی قبائلی قوانین کی بنا پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوب صورتی سے رفع کرنا اور بیرونی حملوں کے دفاع کے لیے بحیثیت سپہ سالار کے عسکری فرائض انجام دینا تھا۔ اس قسم کے لیڈروں کو بنی اسرائیل قاضی کہہ کر پکارتے تھے۔

(عیسائیت کیا ہے؟ ۷۹)

عہد نامہ قدیم کی کتاب ''قضاۃ'' (JUDGE) انہی رہنماؤں کے کارناموں کی داستان ہے اور اس زمانے کو اسی مناسبت سے ''قاضیوں کا زمانہ'' کہتے ہیں۔

یہ عہد حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد سے شروع ہو کر سموئیل نبی کے عہد پر ختم ہوتا ہے، اس دور میں درج ذیل قضاۃ ہوئے:

عتنیل، اہود، شمجر، دبورۃ و باراق، جدعون، ابیملک، تولع بائیر، مفتاح، ابصان، ایلون، عبدون، شمشون، علی الکاہن اور سموئیل نبی۔

اعمال الرسل کے مطابق یہ عہد ساڑھے چار سو سال پر مشتمل ہے (باب: ۲۰/۱۳) لیکن یہ بیان درست نہیں ہے کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے ۱۲۱۰ ق م میں نکلے تھے اور یوشع بن نون کی وفات ۱۱۳۰ ق م میں ہوئی ہے اور آپ کی وفات کے بعد سے ہی قاضیوں کا دور شروع ہوتا ہے جو ۱۰۲۰ ق م تک جاری رہتا ہے۔ اس لحاظ سے قاضیوں کے زمانے کی مدت ۱۵۰ سال سے زائد نہیں ہوسکتی۔ عہد نامہ قدیم کی اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ سفر ''قضاۃ'' کے مؤلف نے ہر قاضی کا دور چالیس سال شمار کیا ہے جو تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔
(دیکھیے: دائرۃ المعارف البریطانیہ)

قاضیوں کے دور میں بنی اسرائیل کی مذہبی حالت

اس پورے عہد میں یہودی قوم بار بار خدا سے کیے اپنے عہد سے پھر جاتی تھی اور ان میں مختلف برائیاں رواج پا گئیں تھیں حتی کہ بسا اوقات وہ اپنے خدا ''یہواہ'' کو چھوڑ کر دوسری ہمسایہ اقوام کے معبودوں کی پرستش بھی کرنے لگتے تھے۔ (دیکھیے: قضاۃ: باب ۲: ۱۱۔ ۱۳) لیکن اس نافرمانی کے باوجود بھی ان پر اس میثاق کا گہرا اثر تھا جسے انھوں نے اپنے خدا ''یہواہ'' سے موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کے کہنے سے باندھا تھا اور جس کا مفہوم یہ تھا کہ ان کے فضل و بخشش کے کسی قسم کے استحقاق سے پیشتر ہی خداوند یہواہ نے تمام بنی نوع انسان میں ان کا انتخاب کرلیا، انھیں غلامی سے نجات دلائی اور ایک زرخیز اور سرسبز ملک ان کو مہیا کیا اور مستقبل میں ایک ایسے دور کی بشارت دی جو ان کے ساتھ اللہ کے فضل و انعام کا مظہر ہوگا اور اس کے نتیجے میں ان کو عالم گیر قوت حاصل ہوگی اور چونکہ اس فضل و بخشش میں وہ اپنے آباء و اجداد کے ساتھ برابر کے شریک ہیں لہٰذا انھیں خدا کا شکر گزار رہتے ہوئے اسی کی عبادت اور تابع داری کرنی چاہیے جس کے بدلے میں خداوند یہواہ ان کی حفاظت اور رہنمائی کرے گا۔ اس میثاقی رشتے کے باعث بنی اسرائیل کی مذہبی زندگی اپنی ہمسایہ اقوام سے اس طور سے متمیز ہوگئی کہ ان میں انفرادی اور سماجی ذمہ داری کا شدید احساس پیدا ہوگیا۔ نیز اس سے ایک نمایاں تاریخی شعور بھی ظہور پذیر ہوا جو اسرائیلی مذہب کے تصورات و رجحانات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس تاریخی شعور اور درخشاں مستقبل کے تصورات کے باعث انبیاء بنی اسرائیل اپنے اپنے زمانے کے ماحول اور

بدلتے ہوئے حالات میں اس میثاق خداوندی کی نئی نئی تعبیریں پیش کرتے اور لوگوں کو اس میثاق کی رو سے پیدا ہونے والی ذمہ داریاں یاد دلاتے رہے۔ (فلسفۂ مذہب:۱۷، ۱۸)

عہد قضاۃ کے تمدنی جلوے

قاضیوں کے دور سے پہلے بنی اسرائیل کی زندگی قبائلی انداز کی تھی۔ اس دور میں انھوں نے خانہ بدوشی کی زندگی چھوڑ کر ایک جگہ رک کر کھیتی باڑی کا کام شروع کیا، جس کے نتیجے میں متعدد نئے شہر اور گاؤں آباد ہوئے۔ اردن کے مشرق و مغرب میں بہت سے جنگلات کاٹ کر صاف کر دیے گئے اور ان میں زیتون اور انگور کی کاشت خوب زوروں سے کی جانے لگی۔ کنعانی دور کی تجارت بھی بحال ہوگئی، عرب نے مسالے اور دیگر اشیاء فلسطین کے بازاروں میں کثرت سے آنے لگیں، بحیرہ روم کی تجارت بھی ترقی پر تھی اور تجارتی جہازوں کی آمد و رفت میں بھی بے حد ترقی ہوگئی۔ (اسلام اور مذاہب عالم: ۷۸)

صنعت و حرفت میں بھی انھوں نے کافی ترقی کی خصوصاً لوہار اور بڑھئی کے پیشے میں ان کی پیش رفت زیادہ تھی، لیکن پھر بھی اس دور میں تہذیب و تمدن اور فن تعمیر میں ان کی ترقی ابتدائی مرحلہ میں تھی اور یہ حالت عہد سلیمان علیہ السلام تک برقرار رہی، اس پورے عہد میں یہ لوگ باہر سے معماروں اور مختلف ہنر مند کاریگروں کو لانے کے لیے مجبور تھے۔

(دیکھیے: الیھود فی تاریخ الحضارات الاولیٰ: ۱۵)

ملوکیت

قاضیوں کے دور میں جب بنی اسرائیل کی معاشی حالت کافی بہتر ہوگئی تو بیرونی حملوں سے منظم اور کامیاب دفاع کے لیے انھوں نے اپنے آخری قاضی سموئیل نبی سے یہ درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کر دیں کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرما دے۔ ان کی اس درخواست پر اللہ رب العزت نے ان پر "ساؤل" کو بادشاہ منتخب کیا، (دیکھیے: سموئیل باب ا: ۲۰-۲۱) جن کا قرآنی نام "طالوت" ہے۔

آپ نے انتخاب کے بعد فلسطینیوں کا مقابلہ کیا۔ آپ کے لشکر میں آپ کے داماد "داؤد علیہ السلام" بھی شریک تھے، جنھوں نے فلسطینیوں کے سردار "جالوت" کو قتل کر کے

بنی اسرائیل میں اتنی ہر دلعزیزی حاصل کر لی کہ ''ساؤل'' کے انتقال کے بعد آپ بادشاہ ہو گئے۔
(عیسائیت کیا ہے؟:۸۸)

آپ کے عہد (۱۰۰۳-۹۷۱ ق م) میں بنی اسرائیل نے کافی ترقی کی اور ان کی حکومت اکثر فلسطینی شہروں پر قائم ہوگئی اور آپ کی فتوحات کا دائرہ پڑوس کی مملکتوں تک پھیل گیا۔ آپ بنی اسرائیل کے وہ پہلے فرماں روا ہیں جنھوں نے یروشلم کو فتح کر کے اسے اپنا پایہ تخت بنایا اور اپنے معبود ''یہواہ'' کی ہیکل مقدس کی تعمیر کا آغاز کیا۔ آپ کے انتقال کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے جانشین ہوئے۔(۹۷۱-۹۳۱ ق م) آپ نے بنی اسرائیل کی حکومت کو اس کے اقبال کے عروج تک پہنچا دیا۔ آپ کا دور حکومت معاشی خوش حالی اور تہذیبی ترقی کے اعتبار سے ممتاز تھا، آپ نے کئی شہر اور گاؤں آباد کیے۔ فن تعمیر، ادب اور موسیقی میں بڑی زبردست ترقی ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کرائی ہوئی عمارتوں میں سے ہیکل اور ان کے محل کی تعمیر کی تفصیل کتاب سلاطین میں موجود ہے۔ ان کی محرابوں پر تعمیری آرٹ کا پورا کمال صرف کر دیا گیا تھا اور ان پر نہایت خوب صورت پھولوں کے نقش ابھارے گئے تھے۔
(دیکھیے: قرآن کریم، سبا آیت ۱۳ کی تفسیر وتشریح)

سفر الملوک الاول سلیمان علیہ السلام کی عظمت وفخامت اور مجد وشرف کے بیان سے لبریز ہے جسے بعض محققین شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ویلزم لکھتے ہیں:

> ''یہ بات ذہن نشین رہے کہ سلیمان علیہ السلام کے متعلق عروج واقبال کی کہانیاں تمام تر خاندانی عظمت وبرتری کے احساس کا نتیجہ ہیں کیوں کہ وہ اپنے عروج کے دور میں بھی ایک معمولی بادشاہ تھے اور ان کی حکومت بھی زیادہ مستحکم نہیں تھی۔ اسی لیے ان کی وفات کے بعد بہت جلد ہی انتشار وانحلال کا شکار ہوگئی اور فرعون شیشق نے یروشلم پر یورش کر کے ہیکل سلیمانی میں موجود خزانوں پر قبضہ جمالیا۔ انہی وجوہات کی بنا پر بیشتر محققین سلیمان علیہ السلام کی مملکت کی اس عظمت کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کی تصویر کشی سفر اسلاطین نے کی ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ ان اسفار کے لکھنے والوں کے نزدیک قومی عظمت کے شعور نے قصہ سلیمان علیہ السلام میں مبالغہ آرائی پر مجبور کیا ہے۔'' (مقارنۃ الأدیان:۷۹)

لیکن ہم مسلمان نہ تو سلیمان علیہ السلام کی عظمت کے بیان میں مبالغہ سے کام لیں گے اور نہ ہی ان کی تنقیص کریں گے۔ ہمارا یقین ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو متعدد ایسی خصوصیات سے نوازا تھا جو دوسرے بادشاہوں کو نہیں عطا کی گئی تھیں۔ان میں سے ایک ان کے لیے جن و انس کی تسخیر ہے۔ارشاد باری ہے:

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ (سبا:۱۲)

''اور ایسے جن اس کے تابع کر دیے جو اپنے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے۔ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا اس کو ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھاتے۔''

ہوائیں بھی آپ کے لیے مسخر کردی گئی تھیں۔ارشاد ربانی ہے:

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ (الانبیاء:۸۱)

''اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہم نے تیز ہوا کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ہم ہر چیز کا علم رکھنے والے تھے۔''

البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی مملکت آپ کے آخری عہد میں صرف اردن کے مغربی حصے تک سمٹ کر رہ گئی تھی۔ (الموسوعۃ المیسرۃ فی الأدیان والفرق والمذاہب المعاصرۃ:۵۶۶)

(۲) دور تفریق

سلیمان علیہ السلام کے ۹۰۳ق م میں انتقال کے بعد آپ کے فرزند ''رحبعام'' حکمراں ہوئے لیکن ان کی نا اہلیت سے نہ صرف دینی فضا کو نقصان پہنچا بلکہ سیاسی استحکام کو بھی تزلزل لاحق ہوا۔چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک خادم ''یربعام'' نے بغاوت کر کے اسرائیل کے نام سے (۹۲۲ق م) ایک سلطنت قائم کر لی اور اس طرح یہود سیاسی اعتبار سے دو دھڑوں میں بٹ گئے۔جنوب میں یہودیہ ''جوڈیا'' کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا اور شمال

میں اسرائیلی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت نابلس تھا۔ اس مملکت کے باشندے "سامرین" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ درحقیقت اس مملکت میں موجود "شامر" پہاڑ کی جانب نسبت ہے جسے "عمری" بادشاہ نے خریدا تھا اور جس کے مالک "سامر" کے نام پر اس پورے علاقہ کو منطقہ سامرہ کہا جانے لگا۔ (دیکھیے: سلاطین اول: ۱۶/ ۲۳۔۲۵)

یربعام کی مذکورہ بغاوت میں بنی اسرائیل کے دس قبائل نے بھی ساتھ دیا تھا کیوں کہ انھیں حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ شکایت تھی کہ انھوں نے غیر اقوام میں شادیاں کیوں کیں، جس سے ان کے تمدنی اثرات کو پھیلنے کی راہیں وا ہوئیں۔ ان کو ایک شکایت یہ بھی تھی کہ انھوں نے اپنے دربار کی شان وشوکت اور عالی شان تعمیرات کے لیے جس میں ممتاز ترین یروشلم کا مرکزی عبادت خانہ تھا عوام پر ٹیکسوں اور بیگار کا اتنا بوجھ لاد دیا تھا جو ناقابل برداشت تھا اور جس کی وجہ سے لوگ اپنی زندگی ہی سے بیزار ہوگئے تھے۔ (دیکھیے: سلاطین اول: باب۔۱۰ آخری آیات)

مملکت اسرائیل کی تباہی اور اس کے اسباب

مملکت اسرائیل کی تاسیس کے دن سے ہی اس کے باشندے بیرونی حملوں کے خطرات اور اندیشوں سے مامون ہونے کی وجہ سے کافی خوش حالی اور کامرانی کی زندگی گزار رہے تھے، جس کے نتیجے میں ان کے اعلیٰ طبقہ میں مختلف طرح کی وہ برائیاں درآئی تھیں جو اقتدار و دولت کا خاصہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ بہت جلد ہمسایہ اقوام کے مشرکانہ عقائد اور اخلاقی فساد سے متاثر ہوگئے اور ان کے یہاں اپنے معبود "یھواہ" کی پرستش کے ساتھ ساتھ مملکت ٹائر کے معبود "بعل" کی بھی پرستش رواج پا گئی۔ ان کے اکثر معبدوں میں حرام کاری کو مذہبی تقدس حاصل ہوگیا نیز "یھواہ" کے نام پر وہ سب کچھ کیا جانے لگا جو "بعل"[1] کے پرستار کیا کرتے تھے۔ یہ اخلاقی فساد اس وقت اپنی انتہا کو جا پہنچا جب فرماں روا "أخي أب" نے صیدا کی مشرک شہزادی "ایزبل" سے شادی کر لی کہ اس کے بعد حکومت کی طاقت اور کس بل پر شرک اور بداخلاقیاں اپنا دائرہ وسیع کرنے لگیں۔ اور اسرائیلیوں کی زندگی مختلف بداعمالیوں اور گناہوں کا نشیمن بن گئی۔ حضرت الیاس، حضرت الیسع اور عاموس نبی نے لوگوں کو ان کے اعمال کے خطرناک نتائج سے خبردار کیا، (جس کا کتاب عموس میں تفصیلی ذکر ہے) اور بداعمالیوں کے اس سیلاب کو روکنے کی

انتہائی کوششیں کیں مگر یہ قوم جس تنزل کی طرف جا رہی تھی اس سے باز نہ آئی بالآخر قانون فطرت کے مطابق غضب الٰہی ان پر آشوریوں کی شکل میں آ ٹوٹا اور ۷۲۳ ق م کے آس پاس نینوا کے اسیرین بادشاہوں (شالمانیر پنجم اور سارگون) نے اسرائیلی مملکت کا خاتمہ کر دیا۔ ہزار ہا اسرائیلی تہ تیغ کر دیے گئے اور باقی ماندہ آبادی آشوری سلطنت کے مشرقی اضلاع میں اوراقِ پریشاں کی صورت میں بکھر کر تتر بتر ہو گئی۔ یہیں سے بنی اسرائیل میں دس گمشدہ قبائل کا تصور پیدا ہوا۔

مملکت یہودا

مملکت یہودا تقریباً ۳۶۲ سال تک قائم رہی۔ (دیکھیے: کتاب تاریخ بنی اسرائیل من اسفارہم ص ۶۷۸)۔ اسیرین حملوں سے محفوظ رہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان حملوں کے درمیان اس مملکت نے اسیرین بادشاہوں سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ (دنیا کے بڑے مذہب: ۲۴۴)

یہ مملکت بھی جلد ہی دوسری قوموں کی تہذیب و تمدن سے اس قدر متاثر ہو گئی کہ یہودیوں کی مرکزی عبادت گاہ یروشلم کے معبد تک میں اسیرین دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہونے لگی۔ حضرت یسعیاہ اور حضرت یرمیاہ نبی نے یہودیوں کو بداخلاقیوں سے باز رہنے اور بت پرستی سے روکنے کی حتی المقدور کوششیں کیں، لیکن یہودیوں کی بداعمالیوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تا آنکہ فرعونی حکومت نے ۶۰۳ ق م میں اس مملکت کو اپنا باج گزار بنا لیا جس سے انھیں اس وقت نجات ملی جب بخت نصر نے فلسطین پر حملہ کر کے انھیں وہاں سے بے دخل کر دیا، لیکن یہودیوں نے ان تمام تنبیہات کے باوجود اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح و درستگی پر کوئی توجہ نہیں دی، بلکہ اس کے برعکس بابل کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر کے اپنی تقدیر سنوارنے کی تدبیر کرنے لگے۔ آخر بخت نصر نے تین ماہ کے طویل محاصرہ کے بعد ۵۸۶ ق م میں اس حکومت کو تخت و تاراج کر ڈالا اور یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی حتی کہ مرکزی معبد کو ڈھا کر زمین بوس کر دیا اور یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو قید کر کے بابل بھیج دیا۔ یہ واقعہ تاریخ میں ''بابل کی اسیری'' کے نام سے معروف ہے۔ اسیری کے زمانے میں بھی یہ قوم اپنی شناخت، رواج اور مذہب کے ساتھ چمٹی رہی، اس کی قیادت ایک پیغمبر اور پادری حزقی ایل نے کی۔

(۱) کنعان اور فینیشیا میں ایک بڑے دیوتا کا نام، اسے طوفان کے دیوتا (Hadad) کا ایک نام کہا جاتا ہے۔

یہودی تہذیب وتمدن پر بابل کی اسیری کے اثرات

بابل کی اسیری سے یہودی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے اور یہودیوں پر اس کے درج ذیل اثرات مرتب ہوئے۔

(۱) قومی اتحاد کا وجود

بابل کی اسیری سے پہلے اسرائیل اور یروشلم کی ریاستوں کے درمیان جو باہمی رقابت تھی وہ یروشلم کی تباہی کے بعد ختم ہوگئی کیوں کہ دونوں مملکتوں کا سیاسی موقف اب تقریباً یکساں تھا۔ آزادی کے حصول کے لیے قومی اتحاد کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس مقصد کے لیے یہودی مصلحین نے صرف یروشلم کو یہودیوں کی واحد قومی عبادت گاہ قرار دینے میں کامیابی حاصل کرلی۔ اس طرح وہ باہمی رقابت جو دونوں مملکتوں کے درمیان پائی جاتی تھی ختم ہوگئی۔

(دیکھیے: مذاہب عالم اور اسلام:۸۹)

(۲) قومی تشخص کے شعور کی پختگی

یہودیوں نے بابل کے دوران قیام بابلی تمدن سے کافی استفادہ کیا۔ ان کے قومی تشخص کے احساس وشعور میں زندگی وبیداری آئی۔ چنانچہ اپنی مٹتی ہوئی روایات کو زندہ کرنے کی انھیں فکر دامن گیر ہوئی جس کے نتیجے میں گمشدہ توریت کی دوبارہ تدوین اور تلمود کی شکل میں اس کی مکمل تفسیر سامنے آئی۔ (دیکھیے: دنیا کے بڑے مذہب:۲۴۵)

(۳) قیامت اور جزاوسزا کا واضح تصور

عہد اسیری ہی میں یہودیوں کا سابقہ زرتشتی مذہب سے پڑا، جس کا یہودیت پر بہت وسیع اثرات پڑے۔ چنانچہ زرتشتی مذہب کے اثر سے قیامت اور آخرت کی جزاوسزا کا واضح تصور پیدا ہوا جسے کتاب واعظ میں دیکھا جاسکتا ہے اور جو خمیس موسیٰ علیہ السلام میں بالکل نہ پایا جاتا تھا۔

عہد اسیری میں انبیاء بنی اسرائیل کے کارنامے

انبیاء بنی اسرائیل نے بابل کی جلاوطنی کے مایوس کن حالات میں بھی امید کی شمعیں روشن کیے رکھیں۔ یہ انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سچے جانشین اور زبردست روحانیت کے

مالک تھے۔ ان کی تمام کوششوں کا محور وہی میثاق تھا جو "یہواہ" اور بنی اسرائیل میں ہوا تھا۔ ان مصلحین کی اصلاحی کوششوں کی تفصیلات عہد نامہ قدیم کے درج ذیل صحیفوں میں دیکھی جاسکتی ہیں:

عاموس، ہوسیع، یسعیاہ، یرمیاہ، حزقی ایل سلاطین اور تواریخ کے کچھ حصے۔ انبیائے بنی اسرائیل کے شاندار اصلاحی وتجدیدی کارناموں کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

[۱] مذہبی تصورات اور اخلاقی نصب العین نے گروہی اور نسلی حدود سے نکل کر آفاقیت کی شکل اختیار کرلی۔

عہد اسیری سے قبل یہودیوں کے یہاں "یہواہ" کے علاوہ دیگر دیوتاؤں کا بھی تصور موجود تھا لیکن عہد اسیری میں انبیاء نے یروشلم کی تباہی کو خدا کی تنبیہ قرار دیا اور ان تنبیہات میں "یہواہ" کا بالکل نیا تصور پیش کیا یعنی وہ اب نہ صرف بنی اسرائیل کا بلکہ سب قوموں کا خدا تھا اور اس کی بخششیں وعنایات اس دنیا کے تمام انسانوں پر یکساں تھی۔ اس تصور کو یسعیاہ نے نہایت حسین انداز میں یوں پیش کیا:

"ساری زمین اس کے جلال سے معمور ہے"۔(۳۰۶)

[۲] رسوم کی پابندی سے ہٹ کر اخلاقی اور سماجی فلاح و بہبود کا تصور ابھر آیا۔ عہد اسیری میں انبیاء بنی اسرائیل نے نئے حالات کے تحت لوگوں کی توجہ محض رسوم کی پابندی سے ہٹا کر میثاق کی اخلاقی اور سماجی تقاضوں کی طرف منعطف کرائی کہ یہواہ سے محبت اور وفاداری کے بعد میثاقی رشتے سے جو اخلاقی ذمہ داری بنی اسرائیل پر عائد ہوتی ہے اس کا بہترین اظہار ہمسائے سے محبت، سب کے ساتھ عدل وانصاف اور محتاجوں سے ہمدردی ومروت ہے۔ یہ نظریہ میکاہ نبی کے صحیفے میں بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

"میں کیا لے کر خداوند کے حضور آؤں اور۔۔۔۔۔ کو کیوں کر سجدہ کروں۔ کیا سوختنی قربانیوں اور یک سالہ بچھڑوں کو لے کر اس کے حضور آؤں؟ کیا خداوند ہزاروں مینڈوں سے، تیل کی دس ہزار نہروں سے خوش ہوگا؟ کیا میں اپنے پہلوٹھے کو اپنے گناہوں کے عوض میں اور اپنی اولاد کو اپنی جان کی خطا کے بدلے میں دے دوں؟"

"اے انسان! اس نے تجھ پر نیکی ظاہر کردی ہے۔ خداوند تجھ سے اس کے سوا کیا چاہتا ہے کہ تو انصاف کرلے اور رحم دلی کو عزیز رکھے اور اپنے خدا کے حضور فروتنی سے چلے"۔

(۶۰۶_۸) صحیفہ عاموس میں ہے: بدی کے نہیں بلکہ نیکی کے طالب ہوتا کہ زندہ رہو اور خداوند رب الافواج تمہارے ساتھ رہے گا جیسا کہ تم کہتے ہو۔ بدی سے عداوت اور نیکی سے محبت رکھو اور پھاٹک میں عدالت کو قائم رکھو۔ (عاموس ۵: ۱۴-۱۵)

[۳] ظاہر پرستی کی جگہ باطنی اصلاح کی اہمیت کا احساس پیدا ہوگیا۔ یروشلم کی فتح کے بعد ان کی مرکزی عبادت گاہ تباہ ہوگئی اور اس طرح ان تمام مذہبی رسوم کی ادائیگی جو صرف اسی عمارت سے وابستہ تھی ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ ایک غیر ملک میں غلامی کی زندگی بسر کرتے ہوئے وہ اپنی شریعت کے بہت سے احکام کو پورا کرنے سے عاجز تھے۔ اب اگر وہ اپنے دین کی پیروی کرنا چاہتے تھے تو حالات کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ ان رسوم کو تو الوداع کہیں لیکن ان کی داخلی روح کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں۔ اس طرح حالات کے زیر اثر اسرائیلی مذہب شریعت کی ظاہری پیروی کے بجائے ایک داخلی جذبے اور روحانی تجربے کی حیثیت اختیار کرتا چلا گیا۔ انسان کی اخلاقی اور روحانی ذمہ داری کا اظہار اب کسی رسم کی ادائیگی کے بجائے خلوص نیت، پاکیزگی کا خیال، رحم اور الفت کے ذریعہ کیا جانے لگا۔

زبور کا صحیفہ جو جلاوطنی کے بعد کی پیداوار ہے اس تبدیلی کا بہترین آئینہ ہے۔ اس میں عمدہ اور شاندار تشبیہ کے ذریعے مذہب کے اس روحانی تصور کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔
(دیکھیے: فلسفۂ مذہب: ۲۱، ۲۹)

(۳) دور محکومی

یہ دور اسرائیلی مملکت کے زوال اور یہودا کے سقوط سے لے کر دوسری عام تباہی تک کے واقعات و حادثات پر مشتمل ہے۔ اس دور میں یہود یکے بعد دیگرے درج ذیل اقوام کے ماتحت باج گزار بن کر رہے۔

[۱] بابلی (۵۸۶ ق م ۔ ۵۳۸ ق م)

[۲] ایرانی (۵۳۸ ق م ۔ ۳۳۲ ق م) ۵۳۸ ق م میں ایرانیوں نے کورش اعظم(۱) کی قیادت میں بابل کے مقبوضہ علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کرلیا اور پہلی ایرانی سلطنت کی طرح ڈالی۔ (دیکھیے: دنیا کے بڑے مذہب: ۲۴۵) اس دور میں یہودیوں کو واپس آجانے کی اجازت

مل گئی ۔ یروشلم پہنچنے کے بعد دارا اول کی اجازت سے ۵۲۳ ق م میں حجی نبی، زکریا نبی اور سردار کاہن یشوع کی نگرانی میں ہیکل سلیمانی نئے سرے سے تعمیر کیا گیا۔ (تفہیم القرآن ج ۳:۵۵۰)

اس کے بعد شاہ ایران نے یہودیوں کو دی جانے والی اپنی مراعات میں مزید اضافہ کر دیا اور عزیر (۴۸۲ ق م) کو شریعت موسویہ کے نفاذ پر مامور کیا اور فرمایا کہ ''تو اپنے خدا کی اس دانش کے مطابق جو تجھ کو عنایت ہوئی حاکموں اور قاضیوں کو مقرر کرا تا کہ دریا پار کے سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو مانتے ہیں انصاف کریں اور تم اس کو جو نہ جانتا ہو سکھاؤ اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے اس کو بلا توقف قانونی سزا دی جائے خواہ موت ہو یا جلاوطنی یا مال کی ضبطی ہو یا قید''۔ (باب ۸: آیت ۲۵ ۔ ۲۶)

شاہی فرمان سے راہ پا کر حضرت عزیر توریت کی حفاظت کی غرض سے اس کی تدوین کی جانب متوجہ ہوئے، پھر اسی کے ساتھ ساتھ اصلاحی سرگرمیوں اور کوششوں کا بھی آغاز کیا۔ سب سے پہلے انھوں نے یہودیوں کی دینی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا تا کہ ان کی اعتقادی و اخلاقی حالت کی اصلاح ہو سکے، پھر قوانین شریعت کا نفاذ کر کے ان کی معاشرتی و اجتماعی زندگی کو ان مفاسد سے پاک کیا جو غیر موزوں طور سے ان میں در آئی تھیں۔ اس ضمن میں ان تمام مشرک عورتوں کو طلاق دلوائی گئی جن سے یہودیوں نے بابل کی اسیری کے بعد شادیاں کر لی تھیں۔ ایرانی حکومت کے تحت یہودی قوم کا یہ دور (بعض مختصر ادوار کو چھوڑ کر) بڑے ہی سکون و اطمینان کے ساتھ گزرا۔

[۳] یونانی (۳۳۲ ق م ۔ ۱۷۵ ق م) ۳۳۲ ق م میں ایرانی حکومت پر سکندر یونانی کے غلبہ و تمکن کے بعد یہودی ایرانیوں کے بجائے یونانیوں کی ماتحتی میں آ گئے ۔ اس دور میں یہودیوں پر کافی ظلم و ستم ڈھائے گئے ۔ بیت المقدس کے ہیکل میں زبردستی بت رکھوائے گئے اور یہودیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ان کو سجدہ کریں۔ سبت کے احکام پر عمل کرنے اور بچوں کے ختنہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی لیکن یہودی اس جبر سے مغلوب نہ ہوئے اور ان کے اندر ایک زبردست تحریک اٹھی جو تاریخ میں ''مکابی بغاوت'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بغاوت حضرت عزیر کی پھونکی ہوئی مذہبی روح و بیداری کی بنا پر کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور انھیں ایک مستحکم اور

---

(۱) کورش ۲۹ ۵ ق م، ا[illegible]ن کا بادشاہ جس نے ہمامنش خاندان کی عظمت کو روشن کیا اور اس پر ایرانی آج تک فخر کرتے ہیں۔

آزاد ریاست قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ یہ یہودی ریاست ۶۷ ق م تک باقی و برقرار رہی۔

[۴] رومی ۶۳ ق م-۱۳۵ م: مکابیوں کی تحریک جس اخلاقی و دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی وہ بتدریج ختم ہوتی چلی گئی، جس کے نتیجے میں ان کے درمیان شدید اختلافات رونما ہوئے حتی کہ ان کے ہی بعض گروہوں نے رومی جنرل پومپی آئی کو فلسطین آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ پومپی آئی نے ۶۳ ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے ان کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔

رومی دور حکومت میں یہودیوں کی مذہبی حالت

اس دور میں عام یہودیوں اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی حالت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ان تنقیدوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، جو مسیح علیہ السلام نے اپنے خطبوں میں ان پر کی ہیں۔ یہ سب خطبے اناجیل اربعہ میں موجود ہیں۔ پھر اس کا اندازہ کرنے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ اس قوم کی آنکھوں کے سامنے یحییٰ علیہ السلام جیسے پاکیزہ انسان کا سر قلم کیا گیا مگر ایک آواز بھی اس ظلم عظیم کے خلاف نہ اٹھی اور پوری قوم کے مذہبی پیشواؤں نے مسیح علیہ السلام کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا مگر تھوڑے سے راست باز انسانوں کے سوا کوئی نہ تھا جو اس بدبختی پر ماتم کرتا۔ حد یہ ہے کہ جب پونتس پیلاطس نے ان شامت زدہ لوگوں سے پوچھا کہ آج تمہاری عید کا دن ہے اور قاعدے کے مطابق میں سزائے موت کے مستحق مجرموں میں سے ایک کو چھوڑ دینے کا مجاز ہوں۔ بتاؤ یسوع کو چھوڑوں یا برابا ڈاکو کو؟ تو ان کے پورے مجمع نے بیک آواز ہو کر کہا برابا ڈاکو کو چھوڑ دے۔ (تفہیم القرآن ج ۳: ۶۰۱)

[۵] عہد مہاجرت: رومیوں نے فلسطین پر قبضہ کے بعد کچھ عرصہ تک یہودیوں کے مذہبی امور میں مداخلت نہ کی لیکن جلد ہی نسلی برتری اور اپنی تہذیب و تمدن کی فوقیت کے احساس سے مغلوب ہو کر انھوں نے فلسطین میں مظالم شروع کر دیے اور ایسے قواعد نافذ کیے جو یہودیوں کی شریعت اور طرز معاشرت کے سرتا سر منافی تھے۔ یہودی تو ہمیشہ اپنی خود مختاری کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ اس صورت حال سے مزید اضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ اپنے مذہب و معاشرت میں اس دخل اندازی کے خلاف یہودیوں کے پرجوش طبقہ نے ۶۶ ق م میں ایک تحریک آزادی شروع کی لیکن رومی جنرل ٹیٹیس کی قیادت نے اسے ۷۰ ق م میں ناکام بنا دیا اور یروشلم پر قبضہ کر کے قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کیا کہ خود مرکزی معبد ہیکل بھی لوٹ لیا گیا اور

اس کی عمارت کو مسمار کر کے پیوند خاک کر دیا گیا۔ اس تباہی کے بعد سے آج تک یہ معبد دوبارہ تعمیر نہ ہوسکا۔

اس کے بعد یہودی کچھ عرصہ مغلوب ہو کر بے نوائی کی زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ قیصر ہیڈریان کے دور حکومت میں اس کے بعض احکامات نے ان کو بہت تنگی میں ڈال دیا جیسے ختنہ کی ممانعت اور ہیکل سلیمانی کے مقام پر دیوتا ''جیوپیٹرا'' کے مندر کی تعمیر وغیرہ۔ ان احکامات سے تنگ آ کر یہودیوں نے آخری بار آزادی کی کوشش کی لیکن انھیں زبردست شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ قیصر ہیڈریان نے یروشلم میں موجود تمام ہی یہودی آثار ایک ایک کر کے مٹا دیے اور اس مقدس شہر میں یہودیوں کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی۔ کسی بھی یہودی کو یروشلم کے قریب پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی ورنہ فوری قتل کی سزا اس کا مقدر تھی۔

سال میں صرف ایک دن ہیکل سلیمانی کے مغربی حصہ کی بچی ہوئی ایک دیوار ''الحائط المبکی'' (دیوار گریہ) کی زیارت کی انھیں اجازت تھی۔ (ابحاث فی الفکر الیھودی: ۳۶-۳۸) ۱۳۵ م میں یروشلم کی اس تباہی کے بعد یہودی مہاجرت کا دور شروع ہوتا ہے جو اٹھارہویں صدی تک محیط ہے۔ اس پورے عرصہ میں یہودیوں کو کہیں ایک جگہ مستقل طور پر جم کر رہنے کا موقع نہ مل سکا۔ پوری یہودی قوم ٹولیوں میں بٹ کر زمین کے مختلف حصوں میں منتشر ہوگئی اور اس تفریق و انتشار کی وجہ سے انھیں ہر جگہ سخت مظالم برداشت کرنے پڑے۔ یہودی قوم کی اس صورت حال کی بڑی ہی حسین تصویر قرآن کریم میں یوں پیش کی گئی ہے:

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا

فِيْهِ ۭ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(الاعراف:۱۶۷۔۱۶۹)

''اور یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ: ''وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے۔یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں زبردست ہے اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے کام لینے والا ہے۔'' اور ہم نے ان کو زمین میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سی قوموں میں تقسیم کر دیا۔کچھ لوگ ان میں نیک تھے اور کچھ اس سے مختلف۔اور ہم ان کو اچھے برے حالات سے آزمائش میں مبتلا کرتے رہے کہ شاید یہ پلٹ آئیں۔پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہو کر اسی دنیائے دنی کے فائدے سمیٹتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ توقع ہے ہمیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہی متاع دنیا سامنے آتی ہے تو پھر لپک کر اسے لے لیتے ہیں۔کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے نام پر وہی بات کہیں جو حق ہو اور یہ خود پڑھ چکے ہیں جو کتاب میں لکھا ہے۔آخرت کی قیام گاہ تو خدا ترس لوگوں کے لیے ہی بہتر ہے۔کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے؟''

موجودہ یہودی تحریک اور اسرائیل کا قیام

اسرائیل کے قیام کا تاریخی پس منظر

عہد مہاجرت میں اسرائیل کے قیام کا سب سے پہلے تصور اس وقت پیدا ہوا جب نپولین بونا پارٹ(1) نے ۱۷۹۹ء میں مصر پر حملہ کے دوران بیت المقدس کی تعمیر جدید کا وعدہ کر کے، افریقہ اور ایشیا کے یہودیوں کو اپنی فوج میں شامل کیا، لیکن اس کی شکست سے یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ (التاریخ الیھودی العام:۱۹۶)

ان کے بعد موسیٰ ہیس نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''روم سے بیت المقدس تک'' لکھ کر فلسطین میں اسرائیلی مملکت کے قیام کا واضح تصور پیش کیا۔ ہیس کی اس تصنیف کے بعد ویانا کے ایک اخبار نویس تھیوڈ ہرتزل نے ۱۸۹۶ء میں ''یہودی مملکت'' نامی ایک کتاب لکھ کر اس تصور کو مزید اجاگر کیا۔ ہرتزل نے یہ کتاب اس وقت لکھی تھی جب ۱۸۹۴ء میں فرانسیسی فوج کے ایک یہودی کپتان کے مقدمہ میں محض یہودی ہونے کی بنیاد پر ظلم و بے انصافی کی گئی تھی۔ چنانچہ وہ عدالت سے یہ کہتے ہوئے باہر نکلا کہ جسے انصاف مطلوب ہو وہ نصرانیت اختیار کر لے۔ اس واقعہ سے وہ بے حد متاثر ہوا اور اس نے اپنی پوری زندگی ایک آزاد یہودی ریاست کے قیام کے لیے وقف کر دی تا کہ یہودی قوم کو اقوام عالم کے مظالم سے بچایا جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر بال کے ایک ہوٹل میں اس نے یہودی دانشوروں کی ایک اعلیٰ کانفرنس بلائی، اسی کانفرنس میں یہودیوں کی عالمی تنظیم ''صہیونیت''(۲) کی بنیاد ڈالی گئی، جس

---

(۱) فرانس کا مشہور فوجی کمانڈر (۲) یروشلم کے شہر صہیون کی جانب نسبت، یہ خالصتاً یہودی تحریک ہے۔

کا مقصد بڑی سیاسی طاقتوں کی بوقت ضرورت مداخلت اور پشت پناہی حاصل کرنا، نیز امیر وکبیر یہودیوں کے تعاون سے ایک اسرائیلی ریاست کا قیام عمل میں لانا تھا۔ (دیکھیے: المسألۃ الیہودیۃ: ۱۹۸)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صہیونیت کی تاسیس میں روس و جرمن میں یہودیوں پر ہونے والے فسادات سے کہیں زیادہ فرانس میں ان کے ساتھ حکومت وعوام کے متعصبانہ رویہ کا دخل تھا۔ (دنیا کے بڑے مذہب: ۲۶۰) انھوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے برطانیہ سے ساز باز کی اور ۱۹۱۷م میں برطانوی وزیر اعظم آرتھر جیمس[1] سے وہ مشہور وعدہ لے لیا جسے وعدہ بلفور کے نام سے جانا جاتا ہے جس کی رو سے فلسطین کو یہودیوں کا وطن تسلیم کیا گیا تھا۔ برطانیہ سے وعدہ بلفور کے حصول کے تین ماہ بعد ہی فرانس نے بھی فلسطین میں یہودیوں کے اس حق کو تسلیم کرلیا۔

فلسطین کے انتخاب کے اسباب

سرزمین فلسطین کے حساس علاقہ کی وجہ سے بڑی طاقتوں (خصوصاً برطانیہ) کی جانب سے یہودیوں کے سامنے اوغنڈا، صحراء، سینا، محمیات شرق افریقہ، جو اس نجشو کے علاقے اسرائیلی ریاست کے قیام کے لیے پیش کیے گئے لیکن یہ رائے قبول عام حاصل نہ کرسکی اور بالاتفاق انھوں نے سرزمین فلسطین کا انتخاب کیا جس کے پیش نظر دو اہم سبب تھے۔

[ا] دینی: فلسطین میں یہودیوں کے آباء واجداد رہ چکے ہیں۔ ان کا مرکزی معبد ہیکل سلیمانی وہیں جبل صہیون پر واقع تھا اور ان کی تاریخ کے سب سے سنہرے دور عہد داؤدی اور عہد سلیمانی کی راجدھانی یہی شہر رہا ہے۔ کتاب مقدس میں ان سے اسی علاقہ کا وعدہ کیا گیا تھا۔ انھی دینی وجوہ کی بنا پر فلسطین میں ہجرت کے لیے عام یہودی تو بآسانی تیار ہوسکتے تھے لیکن یورپ وامریکہ کے ترقی یافتہ شہروں کو چھوڑ کر بلا کسی دینی سبب کے وہ کسی دوسرے مقام پر ہرگز نہ آتے۔ اسی لیے برطانیہ کے وزیر اعظم نے جب یہودیوں کے سامنے فلسطین کے علاوہ کسی دوسری جگہ کے انتخاب کی بات رکھی تو مشہور یہودی ویزامن نے کہا: اگر موسیٰ علیہ السلام بذات خود آکر فلسطین کے علاوہ کسی اور سرزمین میں آباد ہونے کی دعوت دیں تو بھی کوئی ان کی اتباع

---

(۱) Arther Balfour (۲۵ جولائی ۱۸۴۸ - ۱۹ مارچ ۱۹۳۰) اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا اور برطانیہ کا مشہور سیاسی لیڈر، جو وعدہ بلفور کے لیے مشہور ہے

کرنے والانہیں ملے گا۔ (حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ فی فلسطین: ۱۷، ۱۸)

[۲] سیاسی و عسکری: ملحد و بے دین یہودیوں کے نزدیک کتاب مقدس کے وعدے کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن انھوں نے اس کے باوجود بھی فلسطین کا انتخاب کیا کیوں کہ فلسطین یورپ، ایشیا اور افریقہ کے برّی و بحری راستوں کے بیچوں بیچ واقع ہے نیز یہ علاقہ حقیقتاً دنیا کی تمام طاقتوں کے حقیقی ارتکاز کی جگہ اور پورے عالم پر غلبہ و تسلط قائم کرنے کا سب سے عمدہ مرکز ہے۔
(دیکھیے: کنڈا مونٹریال میں پیش کیا گیا ناحوم جولڈمان کا مقالہ)

برطانیہ کی پشت پناہی کے اثرات

برطانیہ و فرانس کی پشت پناہی کے بعد یہودی مہاجرین کا زبردست سیلاب فلسطین میں امنڈ پڑا۔ حکومت برطانیہ ان مہاجرین کی ہر طرح کی اعانت و پشت پناہی کرتی رہی نیز مسلم حملوں سے انھیں بچاتی رہی اور عسکری و فوجی تربیت دیتی رہی۔ پھر جب اسرائیلی حکومت کے قیام میں وہ اپنے آپ کو کمزور محسوس کرنے لگی تو اس نے یہ معاملہ اقوام متحدہ کے سپرد کر دیا جس کی قیادت امریکہ کے ہاتھوں میں تھی۔ اقوام متحدہ نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد بڑی طاقتوں کے ایماء و اشارے پر فلسطین کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس تقسیم کا اعلان ۲۹ / ۱۱ / ۱۹۴۷ء کو کیا گیا۔

جب برطانیہ نے یہ دیکھا کہ یہود اب زمام حکومت سنبھالیں گے تو اس نے فلسطین کی آزادی کا اعلان کر دیا اور برطانوی مندوب مسلمانوں کو پراگندہ و منتشر چھوڑ کر مئی ۱۹۴۸ء میں حیفا کے راستے سے انگلینڈ روانہ ہو گیا۔ اسی دن تل ابیب میں یہودیوں کی ایک اعلیٰ کانفرنس بلائی گئی، جس نے مملکت اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا۔ اسرائیل کے قیام کے گیارہ منٹ بعد ہی امریکہ نے اس کا اعتراف کر لیا اور اس کے بعد بقیہ تمام ہی بڑی طاقتوں نے اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کر لیا۔ فلسطین میں اسرائیلی مملکت کے قیام کے لیے یورپ کی جدوجہد کے پیش نظر دو عظیم مقصد تھے۔

[۱] اپنے وطن و مملکت کو یہودیوں کی شرانگیزیوں، ریشہ دوانیوں اور ملک کے اموال پر مکر و فریب کے ذریعہ ان کے قبضہ و تصرف سے بچانا کیوں کہ یہودی قوم کی یہ فطرت ثانیہ بن

چکی ہے کہ کسی بھی علاقہ میں سکونت اختیار کرنے کے فوراً بعد ہی وہ وہاں کے آمدنی کے ذرائع پر قبضہ جمالیتے ہیں۔

[۲] ملت اسلامیہ کے قلب میں ایک حلیف مملکت کا قیام تاکہ اس مملکت کے ذریعہ عوام اور حکومتوں کے درمیان اختلاف وانتشار کی ہوا بھڑکائی جاسکے اور یہ امت مغربی تہذیب و تمدن سے آنکھیں چار کرنے کے قابل نہ ہو سکے، کیوں کہ وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ عالم اسلام کے پاس خام مال، معدنیات کے ذخائر، پٹرول وگیس کی فراوانی اور عالمی فضائی و بحری راستوں کی کمی نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ کبھی یہ امت اپنے دین وایمان کی جانب پلٹ گئی اور جدید علوم وفنون کی جانب مائل ہوگئی تو پھر اس کی تہذیب وتمدن کا مقابلہ کرنا مغربی تہذیب کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ایک اعلیٰ کانفرنس میں یہ فیصلہ کیا کہ امت اسلامیہ کے قلب میں ایک اجنبی قوم کو بسا کر اختلاف وانتشار کی آگ کو برابر بھڑکایا جاتا رہے تاکہ یہ ترقی کی راہ پر کبھی گامزن نہ ہوسکیں۔ اور مغربی تہذیب (جو وقت کے چیلنج کے سامنے مضمحل کھڑی ہے) اسلامی تہذیب کے سامنے ماند نہ پڑ سکے۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی اس سکونت سے حضور اکرم ﷺ کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہوتی ہے کہ:

لا تقوم الساعة حتى تقاتلوا اليهود حتى يقول الحجر وراءه يهودي يا مسلم: هٰذا يهودي ورائي فاقتله

(صحیح بخاری، کتاب الجهاد حدیث رقم: ۲۹۲۶۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن: ۸۲۔۲۹۲۲)

"قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم لوگ یہودیوں سے وہ جنگ نہ کرلو جس میں وہ پتھر بھی جس کی آڑ میں کوئی یہودی چھپا ہوگا مسلمانوں سے یوں گویا ہوگا کہ اے مسلم! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے اسے قتل کردے۔"

ایک دوسری روایت ہے:

تقاتلكم اليهود فتسلطون عليهم حتى يقول الحجر: يا مسلم هٰذا يهودي ورائي فاقتله۔ (صحیح بخاری، کتاب المناقب حدیث رقم: ۳۵۹۳)

"یہودی تم سے جنگ کریں گے تو تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہوگا یہاں تک کہ پتھر بھی

کہے گا کہ اے مسلم! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے اسے قتل کر دے۔"

یہ پیشین گوئی برحق ہے جس کا وقوع یقینی ہے۔ ایسی قوم کبھی فلاح و کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی جو اللہ کے نزدیک مغضوب و لعنت زدہ ہو۔ ممکن ہے فلسطین میں یہودیوں کا یہ اجتماع ان کی ناپاک و بدطینت نسل کے کلی استیصال کا پیش خیمہ ہو۔

کیا فلسطین میں یہودیوں کو سکونت کا تاریخی حق ہے؟

یہودیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ قدیم زمانے سے فلسطین میں آباد رہے ہیں۔ صدیوں بعد رومی سلطنت نے انھیں وہاں سے نکلنے پر ظلماً و عدواناً مجبور کیا تھا۔ لہٰذا انھیں وہاں سکونت اختیار کرنے کا تاریخی حق ہے۔

یہود کا یہ دعویٰ صداقت سے کتنا ہم آہنگ ہے اس کو جاننے کے لیے اس علاقہ کی قدیم تاریخ پر ایک نظر ڈالنی ہوگی۔

یہود فلسطین میں یوشع بن نون کی قیادت میں ۱۱۲۵ ق م میں داخل ہوئے تھے۔ فلسطین میں ان کے دخول کے وقت تین قبائل آباد تھے۔

[۱] فینیقی قوم(۱): یہ لوگ فلسطین میں ۳۰۰۰ ق م میں آئے اور اس کے شمالی حصہ میں بحر ابیض متوسط کے کنارے آباد ہو گئے۔

[۲] کنعانی(۲): یہ لوگ فلسطین میں ۲۵۰۰ ق م میں داخل ہوئے اور اس کے منطقہ وسطیٰ کو انھوں نے اپنی رہائش گاہ بنایا۔

یہ دونوں قبائل جزیرہ عرب سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ۱۲۰۰ ق م میں جزیرہ تکریت سے فلسطینی نامی ایک قبیلہ وہاں پہنچا اور اس نے موجودہ غزہ اور شہر یافا کے درمیان سکونت اختیار کی۔ کنعانیوں نے انھیں فلسطینی کے نام سے پکارا اور پھر اس نام کا اطلاق اس پورے علاقہ پر ہونے لگا۔ (دیکھیے: الیھودیۃ: ۴۱)

اس علاقہ کی تاریخ اور خود یہودیوں نے اس علاقہ کے تعلق سے اپنی کتابوں میں جو

---

(۱) فینیشیا کا رہنے والا، یہ لوگ سیریا کے ساحل پر بحیرہ روم کے ساتھ ساتھ آباد تھے وہی علاقہ آج کل لبنان کہلاتا ہے۔

(۲) کنعان کی جانب منسوب، کنعان فلسطین کا قدیم نام تھا۔

تفصیلات درج کی ہیں اس کی رو سے یہ قبائل اس علاقہ میں مستقل آباد رہے اوران کے درمیان اور بنی اسرائیل کے درمیان یہود کے اس علاقہ میں سکونت کی پوری مدت کے دوران متعدد خوں ریز جنگیں ہوتی رہیں۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس علاقہ میں سکونت پہلے یہودیوں نے اختیار نہیں کی۔فینیقی، کنعانی اور فلسطینیوں کے بعد ہی یہود اس علاقہ میں داخل ہوئے اور بعض مختصر ادوار کو چھوڑ کر اپنے پورے دور حکومت میں فلسطین کے تمام علاقوں پر نہیں بلکہ بعض پر ان کا قبضہ رہا۔نیز ۷۰م میں ان کو وہاں سے جلاوطن کر دیا گیا تھا جب کہ مذکورہ بالا تینوں قبائل اب تک وہاں آباد چلے آرہے ہیں اور مذہبی اعتبار سے انھوں نے پہلے عیسائیت اور ظہور اسلام کے بعد اسلام کو قبول کرلیا۔اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ یہودیوں کے فلسطین میں سکونت کا تاریخی دعویٰ حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

یہودی عقائد

دو عقیدے یہودیت کی اساس و بنیاد ہیں۔ ایک توحید، دوسرا بنی اسرائیل کی فضیلت و برتری (تمام اقوام عالم میں ان کی اللہ کے نزدیک برگزیدگی و بزرگی)۔

(ا) توحید

توریت میں ہے: ”سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے اپنے خدا سے محبت رکھ۔“

(استثنا باب ۶/ ۴-۵)

تمام الہامی مذاہب میں خدا کی وحدانیت کا تصور موجود ہے البتہ بعد کے اضافوں اور ترمیموں سے اکثر مذاہب میں یہ عقیدہ کمزور اور دھندلا ہوگیا ہے۔ چنانچہ اسلام کو چھوڑ کر ان مذاہب میں کوئی بھی توحید خالص کا علم بردار نہ رہا۔ یہ سچ ہے کہ یہودیت کی تعلیمات میں توحید کے کچھ عناصر پائے جاتے ہیں لیکن اس میں بعض ایسے عقائد بھی دخیل ہوگئے جو توحید خالص سے اس کے رشتہ کو استوار نہ رکھ سکے۔

اسفار خمسہ میں خدا کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اس میں تجسیم وتشبیہ کا پہلو غالب ہے۔ چنانچہ توریت کے اکثر مقامات خدا کو انسانی صفات اور جسمانی خصوصیات کا حامل قرار دیتے ہیں جن کا احاطہ درج ذیل نکات میں کیا جاسکتا ہے۔

[ا] زمین پر چلنا: توریت نے اکثر مقامات پر خدا کو ایک مجسم روپ میں پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے سلسلے میں کتاب خروج کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

’’اور خداوند ان کو دن کو راستہ دکھانے کے لیے بادل کے ستون میں اور رات کو روشنی دینے کے لیے آگ کے ستون میں ہو کر ان کے آگے آگے چلا کرتا تھا تاکہ وہ دن اور رات دونوں میں چل سکیں۔ وہ بادل کا ستون دن کو اور آگ کا ستون رات کو ان لوگوں کے آگے سے ہٹتا نہ تھا۔(باب ۱۳، ۲۱، ۲۲)

[۲] تھکان: توریت کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تخلیق عالم سے تھک کر ساتویں دن آرام کیا۔ کتاب پیدائش میں ہے: ’’اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں تخلیق عالم کے کام سے فارغ ہو کر ساتویں دن آرام فرمایا اور یہ سنیچر کا دن تھا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو فضیلت و برکت بخشی اور اس میں کام کاج کو حرام ٹھہرایا۔‘‘(باب ۱/۲۔۲)

غور کیجئے کیا اس ذات باری کو بھی راحت و آرام کی ضرورت ہے جس کے ایک اشارہ ’’کن فیکون‘‘ سے پورا عالم وجود میں آگیا۔ قرآن نے کتنی مبنی برصداقت بات کہی ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ (قٓ:۳۸)

’’اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تکان لاحق نہیں ہوئی۔‘‘

[۳] ندامت: مزعومہ توریت میں ذات باری کی جانب ندامت جیسی انسانی صفت بھی منسوب کی گئی ہے۔ کتاب خروج میں ہے:

فندم الرب علی الشر الذی قال انه یفعله بشعبه۔

’’چنانچہ خالق کائنات نے اس برائی پر ندامت و شرمندگی کا اظہار کیا، جس کو اس نے اپنی چہیتی قوم (بنی اسرائیل) کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔‘‘

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ (الانبیاء:۲۳)

’’وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے باب میں کسی کے آگے مسئول نہیں اور یہ سارے مسئول ہیں۔‘‘

اس سلسلہ میں وارد ایک دوسری آیت ملاحظہ ہو:

مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ (الفرقان:۷۷)

''کہہ دو کہ میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہے اگر تمہیں دعوت دینا مدنظر نہ ہوتا۔''

[۴] رویت باری: یہود کا گمان ہے کہ ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر افراد دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے اور خدا کے ساتھ انہوں نے کھایا پیا بھی۔(خروج:۲۴)

بنی اسرائیل کے بزرگوں کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ وہ دیدار الٰہی سے نوازے جائیں۔ پھر یہ خواہش اتنی شدید ہوئی کہ انھوں نے اپنے ایمان کو اس دیدار سے مشروط کر دیا جس پر قانون عقاب کے تحت ان کی سخت گرفت ہوئی۔ارشاد باری ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ (البقرہ:۵۵)

''اور یاد کرو جب کہ تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم تمہارا یقین کرنے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں تو تم کو کڑک نے آدبوچا اور تم دیکھتے رہ گئے۔''

یہ خواہش اس عقاب کے بعد فرو ہوگئی،لیکن تدوین توریت کے وقت اس میں انھوں نے اپنی اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کا ذکر کر دیا۔

(۲) بنی اسرائیل کی برگزیدگی

یہودیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ خدا کے منتخب اور چہیتے بندے ہیں اور خدا سے ان کا تعلق خصوصی نوعیت رکھتا ہے۔کتاب مقدس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ابتدا سے ہی اپنے آپ کو خصوصی طور پر ان سے منسلک کر لیا تھا مثلاً حضرت ابراہیمؑ سے متعلق کتاب پیدائش کا یہ بیان:

''اور جب ابرام ننانوے برس کا ہوا تو خدا تعالیٰ ابرام کو نظر آیا اور اس سے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور چل اور کامل ہو اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تیری نسل کو بہت بڑھاؤں گا تب ابرام نہ کہلایا جائے گا بلکہ تیرا نام ابراہیم ہوگا کیوں کہ میں نے تجھے بہت سی قوموں کا باپ بنایا ہے۔میں تجھے بہت نیک بخت کرتا ہوں اور تجھ سے بہت سی قومیں پیدا ہوں گی اور تیری نسل سے بادشاہ

ہوں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کی پشت در پشت کے لیے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے کرتا ہوں کہ میں تیرے اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے ہمیشہ کی ملکیت کے لیے دیتا ہوں اور میں ان کا خدا ہوں گا۔"

(باب ۱۷:۸-۱)

اسی باب کی ایک دوسری آیت ملاحظہ ہو:

"میں تجھے برکت پر برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کی مانند کر دوں گا اور تیری اولاد دشمنوں کے پھاٹک کی مالک ہوگی۔" (باب ۲۲-۱۷)

پھر موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد جب خدا نے بنی اسرائیل سے براہ راست اپنا عہد باندھا تو اس میں ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیے گئے عہد کی تجدید شامل تھی۔ اس سلسلہ میں کتاب مقدس کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

"اور بنی اسرائیل کو جس دن ملک مصر سے نکلے تین مہینہ ہوئے اسی دن وہ سینا کے بیاباں میں آئے اور جب وہ رفیدیم سے روانہ ہو کر سینا کے بیاباں میں آئے تو بیاباں ہی میں ڈیرے لگا لیے۔ سو وہیں پہاڑ کے سامنے اسرائیلیوں کے ڈیرے لگے اور موسیٰ اس (پہاڑی) پر چڑھ کر خدا کے پاس گئے اور خداوند نے اس پہاڑ پر سے پکار کر کہا کہ تو یعقوب کے خاندان سے یوں کہہ اور بنی اسرائیل کو یہ سنا دے کہ تم نے دیکھا کہ میں نے مصریوں سے کیا کیا اور تم کو گویا عقاب کے پروں پر بیٹھا کر اپنے پاس لے آیا سو اب اگر تم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں سے تم ہی میری خاص ملکیت ٹھہرو گے کیوں کہ ساری زمین میری ہے اور تم میرے لیے کاہنوں کی ایک مملکت اور ایک مقدس قوم ہو گے۔ ان ہی باتوں کو تو بنی اسرائیل کو سنا دینا۔" (باب ۱۹:۱-۶)

کتاب مقدس کے ان بیانات کی تصدیق قرآن کریم نے بھی کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِىَ ٱلَّتِىٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّى فَضَّلْتُكُمْ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ۝ (البقرہ:۱۲۲)

"اے بنی اسرائیل ذرا میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی تھیں اور (اس بات کو کہ) میں نے تمہیں پوری دنیا پر فضیلت بخشی تھی۔"

اس فضیلت کا سبب کوئی نسلی امتیاز نہ تھا بلکہ خدا نے بنی اسرائیل کو اپنے دین کی دعوت ساری دنیا تک پہنچانے کے فریضے پر مامور کیا تھا لیکن جب انھوں نے اس فریضے سے روگردانی کی تو ان کو اس مسند فضیلت سے اتار دیا گیا۔

یہودیوں کا یہی وہ عقیدہ ہے جس کے تناظر میں انھوں نے اپنی قومی کامرانیوں کو خدا کی براہ راست سرپرستی اور اپنی تباہیوں کو اس کی ناراضگی جانا اور اسی عقیدہ نے ان کی طویل تاریخ کے تاریک ترین ادوار میں بھی انھیں مکمل طور پر تباہ ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔

یہ دونوں عقیدے یہودیت کے اہم ترین عقائد میں شامل ہیں۔ایک یہودی فلسفی موسیٰ بن میمون نے ان عقائد کو ذرا تفصیل سے اس طرح بیان کیا ہے:

[۱] وجود خداوندی پر ایمان [۲] اس کی وحدت پر ایمان [۳] اس کے دائم ہونے پر ایمان [۴] اس کے غیر مادی ہونے کا تصور [۵] اس پر ایمان کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے [۶] پیغمبر پر ایمان [۷] اس پر ایمان کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے پیغمبر تھے [۸] اس پر ایمان کی تورات (زبانی وتحریری دونوں) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ سینا پر عطا کی گئیں [۹] یہ ایمان کہ وہ ناقابل تغیر ہے [۱۰] اس پر ایمان کہ خدا علیم وخبیر ہے [۱۱] یوم آخرت کی جزا وسزا اور حیات بعد موت پر ایمان [۱۲] مسیح کے آنے پر ایمان [۱۳] مردوں کو جلائے جانے پر ایمان۔ (دیکھیے: مذاہب عالم ایک تقابلی مطالعہ: ۶۰)

مذکورہ بالا نکات میں اکثر امور تو خدا کی وحدانیت اور رسالت سے تعلق رکھتے ہیں جن کی تشریح وتوضیح کی ضرورت نہیں ہے۔البتہ مسیح موعود پر ایمان قابل تشریح ہے۔

مسیح موعود

یہ لفظ عبرانی کے "مشح" سے ماخوذ ہے جو عربی "مسح" کی طرح چھونا، ملنا، ہاتھ پھیرنا وغیرہ کے معنی رکھتا ہے۔مسیح کے معنی ہیں جس پر خدا نے برکت کا ہاتھ پھیر دیا ہو، یعنی خدا تعالیٰ کا

مخصوص فرستادہ اوراس کی عنایت کردہ خصوصی قوتوں کا مالک اوراس کا آلہ کار۔

عہد ملوکیت میں مسیح کا یہ تصور مملکت اسرائیل کے فرماں روا کے لیے استعمال ہوتا تھا البتہ عہد محکومی میں یہ لفظ مستقبل میں آنے والے ایک زبردست بادشاہ کے لیے مخصوص ہوگیا جو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی شان وشوکت کو واپس لائے گا۔عہد محکومی میں یہ تصور بتدریج قوت اختیار کرتا چلا گیا چنانچہ ایرانی اور یونانی غلبہ کے دوران مرتب شدہ مقدس کتابوں مثلاً کتاب دانیال نبی اور کتاب حزقی ایل نبی میں اس آئندہ آنے والے ''مسیح'' اوراس کے ہاتھوں بدکرداروں اور یہودیوں کے دشمنوں کی شکست اور حکومت الہیہ کے قیام کا نقشہ پرزور الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

(میں ہی ہوں) جو سائرس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور میری مرضی کو بالکل پوری کرے گا۔یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ'' وہ تعمیر کیا جائے گا'' اور ہیکل کی بابت کہ'' اس کی بنیاد ڈالی جائے گی۔'' (یسعیاہ ۴۴/۲۸)

عہد مہاجرت کے پورے تاریک ترین دور میں جو تقریباً اٹھارہ صدیوں پر محیط ہے ان کے اپنے مخصوص تشخص اور مذہبی روایات کو زندہ رکھنے اور ایک قوم کی حیثیت سے باقی رہ جانے میں ایک بڑا ہاتھ اسی ''مسیح'' کے تصور کا تھا۔(دنیا کے بڑے مذہب:۲۵۸)

اٹھارہویں صدی میں یورپ جدید علوم وفنون میں معراج کمال کو پہنچ گیا تو اس کے اثرات یہودی نوجوانوں پر بھی پڑے۔پھر یہودیوں کے ایک ذہین طبقہ نے ملّی انتشار، بے بسی اور تعصب کے خلاف اپنے روایتی سہارے یعنی ''مسیح'' کے تصور کو چھوڑ کر یہودی قومیت اور یہودی ریاست کے تصور کو فروغ دیا۔ان میں قابل ذکر زوی کالسچر (۱۸۷۴۔۱۷۹۵م) اور موسیٰ ہیس (۷۵۔۱۸۱۳م) ہیں۔

یہودیت کے مصادر

یہودیت کے مصادر تین ہیں: ۱۔ توریت اور اس کے ملحقات (عہد نامہ قدیم) ۲۔ تلمود ۳۔ پروٹوکولات۔

(۱) توریت

توریت عبرانی لفظ ہے۔ اس کی اصل ''تورا'' ہے، جس کے معنی قانون شریعت اور تعلیم کے آتے ہیں۔ (دائرۃ معارف القرآن ۲/ ۲۰۷، القاموس الاسلامی ۱/ ۵۰۸)

توریت کی اصطلاحی تعریف

یہودیوں کے نزدیک توریت سے مراد وہ اسفار خمسہ ہیں جنھیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔

مسلمانوں کے نزدیک توریت کی تعریف

وہ کتاب جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل فرمایا تھا اور جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔

توریت کے قرآنی اسماء

قرآن مجید میں توریت کا ۱۸ مقامات پر تذکرہ آیا ہے۔ دس مقامات پر مفرد اور آٹھ مقامات پر انجیل کے ساتھ آیا ہے۔ بعض آیات میں توریت کے بعض اسماء کا بھی تذکرہ آیا ہے:

(۱) نور

(۲) ہدیٰ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (المائدہ: ۴۴)

''ہم نے نازل کیا توریت کو۔اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔''

یعنی وصول الی اللہ کے طالبین کے لیے ہدایت کا اور شبہات ومشکلات کی ظلمت میں پھنس جانے والوں کے لیے روشنی کا کام دیتی ہے۔

(۳)ضیاء(روشنی)

(۴)فرقان

(۵)ذکر(یاددہانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ (الانبیاء:۴۸)

''اورہم نے موسیٰ وہارون کوقضیہ چکانے والی کتاب اورروشنی اورڈرنے والوں کے لیےنصیحت والی کتاب عطافرمائی۔''

یعنی توریت حق وباطل،ہدایت وضلالت،حلال وحرام،خیروشر،سعادت وبدبختی کے قضیے چکانے والی اورجہل وغفلت،فسق وطغیان کے اندھیرے میں روشنی پہنچانے والی اورخدا سے ڈرنے والوں کونصیحت سنانے والی کتاب تھی۔

اسفارخمسہ کا تعارف

اسفارخمسہ میں درج ذیل پانچ صحائف آتے ہیں:

(۱) پیدائش

(۲) خروج

(۳) لاویین

(۴) اعداد

(۵) تثنیہ

[۱] سفرپیدائش(Genesis):اس میں زمانہ قبل موسیٰ سے مجملاً بحث کی گئی ہے۔یہ پچاس ابواب پرمشتمل ہے۔اس میں کائنات کی تخلیق،آدم علیہ السلام اورحوا کا قصہ،نوح علیہ السلام اورطوفان نوح،سام،حام اوریافث کے احوال،ابرہیم علیہ السلام اورآپ کی ذریت اورخصوصاً یعقوب علیہ السلام اورآل یعقوب کا تفصیلی تذکرہ ہے۔آل یعقوب کا مصرمیں دخول اورپھرآخرش

یہ صحیفہ یوسف علیہ السلام کی وفات پر ختم ہوتا ہے۔ اس سفر کو "سفر الخلیفہ" بھی کہا جاتا ہے۔

[۲] **سفر خروج (Exodus):** خروج کے لغوی معنی نکلنے کے آتے ہیں۔ چونکہ اس سفر میں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے اس لیے اسے خروج کہا جاتا ہے۔ یہ چالیس ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ صحیفہ مصر میں بنی اسرائیل کے مختلف ادوار، قصہ موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی دعوت کے مختلف مراحل، بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے اور بحر قلزم میں فرعون کے غرق کیے جانے، بنی اسرائیل کے صحراء سینا میں داخل ہونے، وہاں بچھڑے کی عبادت کرنے، مقدس سرزمین میں دخول سے انکار اور اس کے نتیجے میں صحراء سینا میں چالیس سال تک بھٹکنے کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ اس سفر میں عبادت، معاملات اور عقوبات کے بعض شرعی احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔

[۳] **سفر اللاویین (Eviticus):** اسے سفر احبار بھی کہتے ہیں۔ اس میں ۲۷ ابواب ہیں۔ لاویون، لاوی یا لیفی کی جانب نسبت ہے جو یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے اور انہی کی نسل سے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام تھے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے لاویون کو ہی ہیکل، وہاں پیش کی جانے والی قربانیوں کے رسوم کی ادائیگی اور یہودی شریعت کی دیکھ بھال کا ذمہ دار بنایا تھا اس لیے یہ سفر انہی کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔

اس سفر میں عبادات جیسے قربانی، چڑھاوے کے احکام، حرام جانوروں اور حرام چڑیوں کا تفصیلی تذکرہ ہے اور دینی و مذہبی رسوم کی ادائیگی کا طریقہ نیز ان کی ادائیگی میں بنو لاوی کے اہم رول کا ذکر کیا گیا ہے۔

[۴] **سفر عدد (Number):** اسے عدد اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے زیادہ تر ابواب میں صحراء سینا میں پہنچنے کے بعد بنی اسرائیل کے قبائل، ان کی فوجوں اور اموال نیز دیگر قابل شمار اشیاء کی جو گنتی و مردم شماری کی گئی تھی وہ درج ہے۔ یہ ۳۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں خروج کے بعد کا تاریخی تبصرہ ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل نے صحراء سینا سے نکل کر اردن اور ورائے اردن کا علاقہ فتح کیا۔ اس کے ساتھ ہی جستہ جستہ عبادات و معاملات سے متعلق احکام بھی مندرج ہیں۔

[۵] **سفر تثنیہ (Deuteronomy):** تثنیہ کے لغوی معنی شریعت کی تکرار اور اوامر د

نواہی کے اعادہ کرنے کے آتے ہیں، یہ ۳۴ ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ سفر یہودی شریعت کے ان احکام کے بیان پر مشتمل ہے جو جنگ و سیاست، اقتصاد و معاملات، سزاؤں اور عبادات سے متعلق ہیں۔ یہ صحیفہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر ختم ہوتا ہے۔

توریت سے ملحق صحائف

توریت سے ملحق صحائف کی تین قسمیں ہیں:

[۱] تاریخی صحائف

[۲] ادبی کتابیں

[۳] انبیاء کے صحیفے

(۱) تاریخی صحیفے

یہ صحیفے کنعانیوں کے زمین پر بنی اسرائیل کے قبضے کے بعد کی تاریخ پر مشتمل ہیں۔ ان میں کنعانیوں اور بنی اسرائیل کے درمیان ہوئی جنگوں، بنی اسرائیل کے قاضیوں، بادشاہوں اور اہم حادثات و وقائع کی تفصیلات ہیں۔ یہ کل ۱۲ صحیفے ہیں۔

[۱] یوشع بن نون کا صحیفہ

یہ صحیفہ یوشع بن نون کی جانب منسوب ہے جن کا اصلی نام ''ہوشع'' تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے آپ کا نام ''یسوع'' رکھ دیا۔ (سفر العدد ۱۳/ ۱۶) آپ موسیٰ علیہ السلام کے خادم تھے۔ آپ کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے انھیں اپنا جانشین منتخب کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ نے فوجیوں کی قیادت سنبھالی اور فلسطین میں داخل ہوئے۔ اس صحیفے میں ان جنگوں کی تفصیلات جا بجا مذکور ہیں۔ ان جنگوں کے دوران آپ کے ہاتھوں بعض عظیم معجزات بھی ظاہر ہوئے، جیسے سورج کا ٹھہر جانا۔ اس معجزے کی تصدیق احادیث نبویہ سے بھی ہوتی ہے۔ (دیکھیے: فیض القدیر ۱۵: ۴۴)

فلسطینی علاقوں کی فتح کے بعد آپ نے اسرائیلی قبائل کو الگ الگ علاقے عطا فرمائے۔ آپ کا مدفن جبل افرائیم ہے۔

بعض محققین کے نزدیک اس صحیفے کے کاتب آپ ہی ہیں سوائے آخری ان پانچ یات کے جو آپ کی وفات اور تدفین سے متعلق ہیں۔ جب کہ بعض دیگر مسیحی علماء اس صحیفے کا کاتب ''الیعازار بن ہارون'' کو مانتے ہیں لیکن یہ رائے بھی درست نہیں ہے کیوں کہ آپ کی وفات کا تذکرہ بھی آخری آیت میں موجود ہے۔ (یشوع، ۲۴/ ۳۳)

[۲] قضاۃ

یوشع بن نون سے سموئیل نبی تک کے بنی اسرائیل کے شیوخ ''قضاۃ'' کہلاتے ہیں۔ یہ سفر انہی قاضیوں کے احوال پر مشتمل ہے۔ ہر قاضی کی مدت، حکم اور فیصلے میں ان کی رشوت خوری وغیرہ کا بھی تذکرہ ہے۔

یہودی علماء کے نزدیک اس صحیفے کے کاتب سموئیل نبی ہیں۔ قاضیوں کی مدت پر بھی یہود کا اتفاق نہیں ہے۔ سفر القضاۃ میں ان کی مدت تقریباً ساڑھے چار سو سال بتائی گئی ہے درآنحالیکہ تاریخی لحاظ سے ان کا زمانہ ۱۱۳۰ ق م سے لے کر ۱۰۲۰ ق م تک ہے۔ یہ صحیفہ عہد ملوکیت میں تحریر کیا گیا ہے۔

اس صحیفے میں سب سے اہم بات یہ درج ہے کہ بنی اسرائیل اللہ کی شریعت سے دور ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور پھر بنی اسرائیل کی مخلصانہ توبہ اور گریہ وزاری کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان قاضیوں کے ذریعہ ان کے دشمنوں سے نجات دلائی۔

[۳] راعوت کا صحیفہ

راعوت موآبی لفظ ہے جس کے معنی خوب صورت کے آتے ہیں۔ یہ ایک موآبی عورت تھی جس نے اپنے والدین اور علاقہ کو چھوڑ کر فلسطین کی جانب ہجرت کی اور یہیں آباد ہو گئی اور پھر قبیلۂ یہودا کے ایک فرد ''بوعز'' سے شادی کر لی۔ ان ہی کے نسب سے داؤد علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس صحیفے کے کاتب کے بارے میں محققین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اس کا کاتب سموئیل کو، بعض حزقیال علیہ السلام اور بعض عزیر علیہ السلام کو مانتے ہیں۔

[۴-۵] سموئیل کے صحیفے، ۶-۷-سلاطین اوّل وثانی

سموئیل عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ''اسم الٰہی'' کے آتے ہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے

بعد عبرانیوں کے پہلے نبی اور بنی اسرائیل کے آخری قاضی تھے۔ یہودی ادب میں آپ کا ذکر انتہائی بلند ہے کیوں کہ آپ ہی نے فلسطینیوں سے یہودیوں کو نجات دلائی اور تابوت کو واپس لے لیا۔ آخری عمر میں بنی اسرائیل کے مطالبے پر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرمایا۔ (جسے سموئیل کے صحیفے میں ''شاول'' کہا گیا ہے) طالوت اور فلسطینیوں کے سردار جالوت کے درمیان وہ خوں ریز معرکہ ہوا جس میں داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا اور اس طرح یروشلم پر پہلی بار بنی اسرائیل کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔ طالوت کے انتقال کے بعد آپ کے داماد داؤد علیہ السلام بادشاہ مقرر ہوئے۔ آپ کے بعد سلیمان علیہ السلام اور آپ کے انتقال کے بعد یہودی مملکت دو حصوں میں بٹ گئی، جس کی وجہ سے مشہور فرعونی بادشاہ ''شیشنق اول'' نے یروشلم پر حملہ کر کے اس کے جملہ خزانے لوٹ لیے۔

ان صحیفوں میں سلیمان علیہ السلام کے فیصلوں، آپ کی حسن سیاست، حسن تدبیر اور آپ کے محلات وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہے جو مبالغہ سے پر ہے۔ اسی لیے بعض مغربی مفکرین نے ان پر سخت تنقید کی ہے۔

سموئیل کا صحیفہ پہلے ایک ہی صحیفہ تھا جیسا کہ عبرانی مخطوطہ سے واضح ہے، پھر یونانی ترجمہ سبعینیہ کی طباعت جب بندقیہ میں ۱۵۱۶-۱۵۱۷ء میں ہوئی تو اس کے دو حصے کر دیے گئے۔ سلاطین اول وثانی میں پہلے بادشاہ سے مراد شاول اور دوسرے سے داؤد علیہ السلام ہیں۔

[۸-۹] تواریخ اوّل، تواریخ ثانی

یہ دونوں سفر سموئیل کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ ان میں درج ذیل چار امور پر بحث کی گئی ہے:

[۱] آدم علیہ السلام اور آپ کی ذریت

[۲] شاول کا انتقال اور داؤد علیہ السلام کی حکمرانی

[۳] عہد سلیمان

[۴] سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد مملکت بنی اسرائیل کی تقسیم

[۱۰] سفر عزرا

عزرا عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ''مدد'' کے آتے ہیں۔ عزرا بابلی قید کے ایام میں

ایرانی شہنشاہ کے مشیر خاص تھے۔آپ نے فلسطین میں یہودیوں کی دوبارہ واپسی اور ہیکل کی ازسرِ نوتعمیر کی اجازت حاصل کر کے یہ دونوں کام ۴۵۸ ق م اور ۳۹۸ ق م کے درمیان انجام دیے،جس کی بنا پر بنی اسرائیل کے یہاں آپ کو انتہائی بلند مقام حاصل ہے حتیٰ کہ بعض یہودوی آپ کو''خدا کے بیٹے'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

[۱۱] نحمیا

آپ ابن غربوق کے لڑکے تھے۔آپ عزرا کے معاون ومددگار تھے۔یہ صحیفہ پہلے عزرا کا ایک جزوتھا۔

[۱۲] استیر کا صحیفہ

استیر ایک خوب صورت یہودی عورت تھی جسے ایرانی شہنشاہ نے اپنے حرم میں داخل کرلیا تھا۔ان ایام میں ایرانی مملکت میں''ہامان'' وزیر تھا جس کے تعلقات استیر کے چچازاد بھائی''مردخای'' سے خراب ہوگئے تو اس نے یہودیوں کے خاتمہ کا فیصلہ کرلیا اور آزار کے مہینے کے تیرہویں دن اس نے ایرانی شہنشاہ سے یہودیوں کو برباد کرنے کا فیصلہ بھی صادر کرالیا۔

ان نازک حالات میں استیر نے بادشاہ کے کان بھرے اور جھوٹے دلائل سے بادشاہ کو یہ باور کرایا کہ آپ کا وزیر آپ کو قتل کر کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے،جس پر باشاہ نے ہامان اور اس کے ہمدردوں کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔چنانچہ ہامان سمیت ستر ہزار ایرانی قتل کیے گئے اور اتفاق سے یہ کارروائی اس دن اختتام کو پہنچی جو یہودیوں کی بربادی کے لیے متعین تھا۔اسی خوشی میں یہودی آزار کے چودہویں دن عید مناتے ہیں۔

(۲) ادبی صحیفے

توریت سے ملحق صحیفوں کی دوسری ادبی صحیفے ہیں اور یہ صحائف پندونصائح پر مشتمل ہیں جو شعری قالب میں پیش کیے گئے ہیں۔ان کی تعداد پانچ ہے:

[۱] ایوب کا صحیفہ

ایوب علیہ السلام ان انبیاء میں سے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔آپ کا صبرواستقامت ضرب المثل ہے۔آپ عوص کے علاقہ کے رہنے والے تھے،یہ دمشق اور روم کے

درمیان واقع ہے۔آپ کے پاس سات لڑکے، تین لڑکیاں، سات ہزار بکریاں، تین ہزار اونٹ، پانچ سوگائیں، پانچ سوگدھے اور بے شمار خادم تھے۔اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا تو یہ تمام اموال ہلاک ہو گئے جب آپ نے صبر کی روش اپنائی اور قضا وقدر کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا تو اللہ تعالیٰ نے نتیجہ میں پہلے سے بھی زیادہ اموال سے آپ کو نوازا۔البتہ اس صحیفے میں جابجا آپ کے جزع فزع اور آزمائش کے دوران خدا سے شکایت کرنے کا تذکرہ ہے، جب کہ قرآن کریم اس آزمائش میں مکمل صبر اور استقامت کی راہ اپنانے کا تذکرہ کرتا ہے۔(دیکھیے :الانعام:۸۳-۸۶)

[۲] زبور مزامیر داؤد

اس سے مراد وہ دینی ترانے اور حمدیں ہیں جنہیں یہودی تہواروں اور جشن کے مواقع پر موسیقی کے آلات کے ساتھ گاتے ہیں۔یہ کل ۱۵۰ ترانے ہیں۔ ۷۳ داؤد علیہ السلام کی جانب منسوب ہیں۔رقم ۹۰ موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور بقیہ ترانوں اور نغموں کے مؤلفین درج ذیل ہیں۔

۱۲۔ ۵۰، ۷۳ تا ۸۳ اساف کے ہیں

۱۱۔ ۴۲، ۴۴، تا ۴۹، ۸۴، ۸۵، ۸۷، ۸۸ قروح کے ہیں۔۲ نغمے ۷۲ اور ۱۲۷ سلیمان علیہ السلام کے ہیں۔زبور میں بعض ایسے نغمے بھی ہیں جن کے مؤلف غیر معروف ہیں۔

یہ نغمے زیادہ تر بابلی اسیری کے درمیان لکھے گئے ہیں۔خود بعض نغموں کی اندرونی شہادتیں اس پر دلالت کرتی ہیں، جیسے ''اے ہمارے رب جنوب کی ندیوں کی طرح ہمارے اسیروں کو واپس لا''۔(۱۲۶ : ۴) اور جیسے یہ نغمہ ''خداوند یروشلم کو تعمیر کرتا ہے۔وہ اسرائیل کے جلاوطنوں کو جمع کرتا ہے۔وہ شکستہ دلوں کو شفا دیتا ہے اور ان کے زخم باندھتا ہے۔''(۱۴۷۔۴)

یہ فقرات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ترانے بابلی اسیری کے دوران لکھے گئے ہیں۔لہٰذا ان کی نسبت داؤد علیہ السلام کی جانب کرنا درست نہیں کیوں کہ آپ کے عہد اور بابلی اسیری کے درمیان چار صدیوں کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

(۳، ۴، ۵) اخبار سلیمان (امثال، جامعہ، ترانے)

یہ تینوں صحیفے سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب ہیں۔یہ قومی آداب ومواعظ پر مشتمل ہیں۔بعض ایسے نغمے بھی ہیں جنھیں یہودی ''عبور دریا'' کے تہوار کے موقعہ پر گاتے ہیں۔

(۳) انبیاء کے صحیفے

توریت سے ملحق صحیفوں کی تیسری قسم انبیاء کے صحیفے پر مشتمل ہے اوران کی کل تعداد ۱۷ ہے۔ان صحیفوں میں بنی اسرائیل کے چھوٹے انبیاء کے مواعظ اورنصائح درج ہیں۔ان صحیفوں میں بنی اسرائیل کوان کے اخلاقی بگاڑ اور روحانی زوال پر سخت تنبیہ کی گئی ہے۔یہ صحیفے درج ذیل ہیں۔

[۱] اشعیاء کاصحیفہ

اشعیاء کے معنی ہیں خداوند چھٹکارادلاتا ہے۔آپ آٹھویں صدی قبل مسیح کے ہیں۔یہ عہدنامہ قدیم کےسب سے عظیم نبی ہیں۔اس صحیفے اوراس کے بعد کےصحیفوں میں بنی اسرائیل پر شریعت موسوی سے دوری اورعبادت وسلوک میں ریا کا شکوہ اوراس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ اگررشوت اورظلم کا یہ سلسلہ جاری رہاتوان کی حکومت گرجائے گی۔

[۲] ارمیا

آپ کا پورا نام ارمیا بن حلقیاالکاہن ہے۔اس کے معنی آتے ہیں'' خداوند بنیاد رکھتاہے''۔آپ بنی اسرائیل کے ایک عظیم نبی گزرے ہیں۔بنی اسرائیل اورحاکموں کی جانب سے آپ کوسخت مزاحمتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرناپڑابالآخرآپ کوکامیابی ملی۔ساتویں صدی قبل مسیح کےاواخراورچھٹی کے اوائل میں یوشیاکےعہد میں آپ تقریباً ۱۸ سال تک منصب نبوت پرفائزرہے۔

[۳] ارمیاکانوحہ

یروشلم کی تباہی بربادی کے بعدآپ نے جونوحہ کیاتھااورحصار کےوقت بنی اسرائیل جن تکلیف دہ مراحل سے گزرے تھےان کے بیان پر یہ صحیفہ مشتمل ہے۔یہ صحیفہ غالباً ۵۸۶ ق م میں یروشلم کےسقوط کے بعدلکھاگیاہے۔

[۴] حزقیال

عبرانی لفظ ہےجس کے معنی ہیں'' اللہ طاقت ورہے''۔آپ کاپورانام حزقیال ابن بوزی ہے۔فلسطین میں پیداہوئے،وہیں پروان چڑھے،سقوط یروشلم کے بعدبابل لے جائے گئے۔

بابل میں نہر خابور کے مقام پر سکونت اختیار کی اور وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے نوازا۔آپ اس لیے بھیجے گئے تھے تاکہ بنی اسرائیل کو متنبہ کردیں کہ جس ذلت ورسوائی سے وہ دوچار ہیں وہ ان کی خطاؤں کا نتیجہ ہے۔آخر یہودیوں کے ہاتھوں قتل کردیے گئے۔

[۵] دانیال

آپ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک ہیں۔بابل کی اسیری کے ایام میں بابل لے جائے گئے جہاں آپ نے آشوری زبان اور بابلی حکمت میں مہارت حاصل کرلی۔آپ کی حکمت اور ذہانت اس وقت منظر عام پر آئی جب ایک خوب صورت عورت ''سوسنہ'' کے معاملہ میں آپ نے دوبارہ گواہوں کو طلب کرنے اور ازسرنو فیصلہ کرنے کی مانگ کی۔سوسنہ ایک خوب صورت عورت تھی جو ایک یہودی کے عقد میں تھی۔دو بوڑھے یہودیوں نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی لیکن جب اس نے انکار کیا اور لوگوں کو مدد کے لیے پکارا تو دونوں نے اسی پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ ایک نوجوان کے ساتھ معانقہ کر رہی تھی۔عدالت نے ان دونوں کی گواہی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے قتل کا فیصلہ صادر فرمایا۔اس پر دانیال نے اعتراض کیا اور دونوں گواہوں کو طلب کیا اور دونوں کو علیحدہ رکھ کر پہلے ایک سے جرح کی کہ آپ نے اس عورت کو نوجوان سے معانقہ کرتے ہوئے کس مقام پر دیکھا تھا۔اس نے باغ میں ایک جگہ کی تعیین کی۔جب دوسرے سے پوچھا گیا تو اس نے دوسری جگہ بتائی جس سے دونوں کے جھوٹ کا پردہ فاش ہوگیا۔اس پر قاضیوں نے دونوں گواہوں کے قتل اور عورت کی رہائی کا فیصلہ فرمایا۔(تاریخ الاقباط ۸:۱۳۸-۱۳۹)

اس واقعہ کے بعد آپ کی ذہانت اور حکمت کا بابل میں عام چرچا ہوگیا اور بابلی حاکم نے اپنے خواب کی تعبیر کے لیے آپ کو طلب فرمایا۔آپ نے بڑی عمدہ تاویل کی۔چنانچہ بادشاہ نے آپ کو اپنے درباری نجومیوں میں شامل کرلیا اور بابل کا والی بنا دیا۔آشوریوں کے زوال کے بعد ایرانی غلبہ کے دور میں بھی آپ کا یہ مقام باقی رہا۔قورش کے عہد میں انتقال ہوا اور بابل میں دفن ہوئے۔

[۶] ہوشع

اس کے معنی ''چھٹکارے'' کے آتے ہیں۔آپ کا پورا نام ہوشع ابن بیری ہے۔بنی اسرائیل کے چھوٹے انبیاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔آپ کا عہد ۷۲۲ ق م کے قریب ہے۔

[۷] یوئیل

اس کے معنی ہیں "یہواہ ہی اللہ ہے"۔اس صحیفے کا کاتب غیر معروف ہے اور تاریخ تدوین بھی مجہول ہے۔

[۸] عاموس

اس کے معنی حمل کے آتے ہیں۔آپ کا عہد آٹھویں قبل مسیح کے قریب ہے۔آپ نے یہودیوں کو توبہ وانابت کی دعوت دی اور انھیں خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ جلاوطنی وقتی ہے۔ داؤد علیہ السلام کے گھر کے پاس واپسی یقینی ہے۔

[۹] عوبدیا

اس کے معنی "یہواہ کا غلام" کے ہیں۔داؤد علیہ السلام کی ذریت سے ہیں۔یروشلم کی تباہی کے بعد کے ہیں۔

[۱۰] یونان

اس کے معنی "کبوتر" کے آتے ہیں،آپ کا پورا نام یونان ابن امتائی ہے۔توریت کے مطابق آپ عراق کے قدیم شہر موصل کے علاقہ میں اہل نینوا کی جانب بھیجے گئے تھے،لیکن اذن الٰہی کے بغیر ہی آپ وہاں سے یافا چلے آئے اور وہاں سے "ترتیسوس" (قرطاجنہ) کے لیے ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے شدید طوفانی ہواؤں کو بھیجا جس سے کشتی ڈگمگانے لگی اور ڈوبنے کا خطرہ بڑھتا گیا۔ملاح خوف زدہ ہو گئے۔انھوں نے اپنے سامانوں کو سمندر میں پھینک دیا اور اپنے معبودوں سے گریہ وزاری کرنے لگے۔رہے یونان تو وہ کشتی کی نچلی سطح پر جا کر گہری نیند میں سو گئے۔ملاحوں کے سردار نے انھیں جگا کر خدا سے فریاد کرنے کا حکم دیا۔بعض لوگوں نے کہا آیئے قرعہ اندازی کی جائے کہ کس کے سبب یہ عظیم مصیبت ہم پر آپڑی ہے۔قرعہ ڈالا گیا تو یونان کا نام نکلا۔لوگوں نے آپ سے اس مصیبت کا سبب پوچھا۔آپ نے فرمایا میں اس خدا سے خوف کھا کر بھاگا ہوں جس نے بر و بحر کو پیدا فرمایا ہے اور جو آسمان کا بھی مالک ہے۔ اس پر باہمی مشورے اور رضا مندی سے آپ کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔ایک مچھلی نے آپ کو نگل لیا تین دن آپ مچھلی کے پیٹ میں باقی رہے۔توبہ وانابت کی بنا پر اس کے پیٹ سے باہر آئے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ اہل نینوا کے پاس بھیجا اور آپ کی قوم چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ پر ایمان لائی۔یونان کا یہ قصہ یونس بن متیؑ کے قصے سے مشابہ ہے۔

[۱۱] میخا

آپ اشعیاء نبی کے معاصر تھے۔آپ نے سامرہ و یروشلم کی بربادی اور یہودیوں کی اسیری کی پیشین گوئی کردی تھی۔

[۱۲] ناحوم

آپ ان قیدیوں میں شامل تھے جنھیں بابل لے جایا گیا۔

[۱۳] حبقوم

ہیکل کے مغنیوں میں سے تھے۔بنو لاوی کی نسل و ذریت سے ہیں۔

[۱۴] صفینا

اس کے معنی آتے ہیں ''یہواہ ستر پوشی کرتا ہے''۔آپ کوش بن جدلیا بن امریا بن حزقیال کے فرزند تھے۔یوشیا کے عہد میں آپ یروشلم میں ادبی اشعار گاتے تھے۔

[۱۵] حجی

اس کے معنی ''عید'' کے آتے ہیں۔آپ عید ہی کے دن پید ہوئے تھے۔بابل کی اسیری کے بعد کے عہد کے ہیں۔ہیکل کی تعمیر جو ۱۵ سال کے لیے رک گئی تھی اس کی تکمیل کے لیے آپ بنی اسرائیل کو آمادہ کرتے تھے۔

[۱۶] زکریا

برخیا بن عدو کے بیٹے اور بنولاوی کی نسل سے ہیں۔کہانت کے منصب پر فائز تھے۔

[۱۷] ملاخی

اس کے معنی ''میرے رسول'' کے آتے ہیں۔نحمیا کے ہم عصر تھے۔عہد نامہ قدیم کا یہ آخری صحیفہ ہے۔

تورىت کے کتاب الٰہی ہونے کے دلائل

تورىت وہ آسمانی کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لیے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ یہودیوں نے اگرچہ اس میں لفظی و معنوی تبدیلی کر دی ہے لیکن پھر بھی بلاشبہ اس میں علم الٰہی کے شرارے موجود ہیں۔ اس میں وحی کے موجود ہونے کی دو بڑی شہادتیں ہیں:

[۱] تورىت کی بعض آیات کا جدید سائنسی تحقیقات کے عین مطابق ہونا۔

[۲] قرآن مجید کا اس کے وحی اور منزل من اللہ ہونے کی شہادت دینا اور اس امر کا اعتراف کرنا کہ آج بھی اس میں وحی الٰہی کے بعض اجزاء موجود ہیں۔

(۱) تورىت کی بعض آیات کا جدید سائنسی تحقیقات کے عین مطابق ہونا

چین کے نوجوان طلبہ کی ایک جماعت جو حکومت کے زیر اہتمام کیلی فورنیا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہی تھی ان میں سے تقریباً بارہ افراد نے برکلے کے گرجا گھر میں جا کر پادری سے کہا کہ وہ ان کے لیے اتوار کی ایک کلاس کا انتظام کرے۔ چینی نوجوانوں نے نہایت صفائی سے کہا کہ انھیں ذاتی طور پر عیسائیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ وہ خود عیسائی بننا چاہتے البتہ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس مذہب نے امریکی تمدن پر کتنے اثرات ڈالے ہیں۔ پادری نے اس جماعت کی ہفتہ وار تعلیم کے لیے ریاضیات اور فلکیات کے ایک عالم Peter.W. Stoner کو مقرر کیا۔ اس واقفیت کے چار مہینے بعد تمام نوجوانوں نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس غیر معمولی تبدیلی کی وجہ کیا تھی اس کو خود معلم کی زبان سے سنیے۔

میرے سامنے سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ اس طرح کے لوگوں کے سامنے مذہب کی کون سی بات رکھی جائے کیوں کہ یہ نوجوان بائبل پر سرے سے ایمان ہی نہیں رکھتے تھے۔ بائبل کی محض رواجی تعلیم بے فائدہ معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے اپنی تعلیم کے زمانے میں بائبل کے پہلے باب (کتاب پیدائش) اور سائنس میں بہت قریبی مناسبت پائی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس جماعت کے سامنے یہی بات پیش کروں گا۔

میں اور طلبہ قدرتی طور پر اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ کائنات کی پیدائش کے متعلق یہ

مواد زمین وآسمان کے بارے میں سائنس کی موجودہ معلومات حاصل ہونے سے ہزاروں سال پہلے لکھا گیا ہے۔ہمیں یہ بھی احساس تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کائنات کے متعلق لوگوں کے جو خیالات تھے اس کو موجودہ زمانے کی معلومات کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ نہایت لغو معلوم ہوں گی۔

ہم نے پورا موسم سرما کتاب پیدائش کے پہلے باب میں گزار دیا۔طلبہ کام لے کر یونیورسٹی کی لائبریری میں چلے جاتے اور بڑی محنت کے ساتھ جوابات تیار کر کے لاتے۔موسم سرما کے خاتمے پر پادری نے مجھے بتایا کہ طلبہ کی پوری جماعت اس کے پاس یہ کہنے کے لیے آئی تھی کہ ہم عیسائی بننا چاہتے ہیں۔انھوں نے اقرار کیا کہ ان کے اوپر یہ ثابت ہوگیا ہے کہ بائبل خدا کی الہامی کتاب ہے۔(The Evidence Of God- P.P. 137-138)

مثال کے طور پر زمین کی ابتدا کے بارے میں کتاب پیدائش کا فقرہ ہے" خدا نے ابتدا میں زمین وآسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران وسنسان تھی اور گہرائیوں پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔"

(باب ۱/۱۔۲)

یہ موجودہ معلومات کے مطابق اس وقت کی بہترین تصویر ہے جب زمین ابھی گرم تھی۔اس کی گرمی سے پانی بخارات بن کر اڑ گیا تھا۔اس وقت ہمارے تمام سمندر کثیف بادلوں کی شکل میں فضا میں معلق تھے اور اس کی وجہ سے روشنی زمین کی سطح تک نہیں پہنچ پاتی تھی۔

(علم جدید کا چیلنج ۱۶۴۔۱۶۵)

(۲) قرآنی شہادت

قرآن کریم کی متعدد آیات توریت کے کتاب الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔متعدد آیات میں توریت کی درج ذیل صفات کا تذکرہ آیا ہے:

(۱) توریت وحی الٰہی پر مشتمل ہے۔(۲) توریت روشنی وہدایت کی کتاب ہے۔

(۳) یہ مومنین کے لیے یاد دہانی ہے۔(۴) یہ حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔

(۵) یہ مومنوں کے لیے باعث رحمت ہے۔(۶) توریت میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِیۡهَا هُدًى وَّ نُوۡرٌ ۚ (المائدہ:۴۴)

''یقیناً ہم نے توریت نازل کیا جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔''

(۲) ثُمَّ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِىۡۤ اَحۡسَنَ وَتَفۡصِيۡلًا لِّـكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ (الانعام:۱۵۴)

''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی جو مکمل اور ہر چیز کے بیان پر مشتمل ہے اور مومنین کے لیے باعثِ رحمت ہے، شاید وہ اپنے رب سے ملاقات پر یقین رکھیں۔''

(۳) وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكۡرًا لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ (الانبیاء:۴۸، ۴۹)

''ہم نے موسیٰ اور ہارون کو ایسی کتاب عطا فرمائی جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی، غیب میں رہتے ہوئے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے روشنی اور یاددہانی ہے۔''

(۴) وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡهُدٰى وَاَوۡرَثۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۴﴾ (المومن:۵۳، ۵۴)

''اور ہم نے موسیٰ کو کتابِ ہدایت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا جو عقل مندوں کے لیے ہدایت اور یاددہانی کرانے والی ہے۔''

یہودیوں کے نزدیک توریت کا مقام و مرتبہ

یہودی توریت کو اپنا دستورِ حیات مانتے ہیں۔ مشہور صہیونی رہنما کلاتزکین کہتا ہے:

''توریت ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ یہی کتاب انھیں متحد رکھ سکتی ہے، ان کے تعلقات کو باہم مضبوط کر سکتی ہے۔ ان کی غیر واضح شخصیت کے وجود کی تنظیم توریت ہی کر سکتی ہے اور اسی نظام کے پیچھے یہودی حکومت کی تشکیل ہو سکتی ہے۔'' (الیہود:۱۲۱)

یہود توریت کے احکام کو ابدی و ازلی مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کتاب تا قیامت ان کی رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اس کے احکام کبھی منسوخ نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ یعقوب علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میری روح جو تجھ

پر ہے اور میری باتیں جو میں نے تیرے منہ میں ڈالی ہیں تیرے منہ سے اور تیری نسل کے منہ سے اور تیری نسل کی نسل کے منہ سے اب سے لے کر ابد تک جاتی رہے گی۔ خداوند کا یہی ارشاد ہے۔'' (یسعیاہ باب ۵۹/۲۰۔۲۱)

یہودی اسے قانون وشریعت کی کتاب مانتے ہیں جن پر عمل کرنا ہر اسرائیلی پر فرض ہے۔ سفر تثنیہ میں ہے: اور اے اسرائیلیو! جو آئین اور احکام میں تم کو سکھاتا ہوں تم ان پر عمل کرنے کے لیے ان کو سن لو تا کہ تم زندہ رہو اور اس ملک میں جسے خداوند تمہارے باپ دادا کا خدا تم کو دیتا ہے۔ داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لو، جس بات کا میں تم کو حکم دیتا ہوں اس میں نہ تو کچھ بڑھانا اور نہ کچھ گھٹانا تا کہ تم خداوندا اپنے خدا کے احکام کو جو میں تم کو بتاتا ہوں مان سکو''۔ (باب ۴/۱۔۳)

ہر یہودی اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ توریت کے احکام کو بجالائے اور اس کی ہر تعلیم پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی برکتوں ورحمتوں کے دروازے کھول دے گا اور انھیں ارض کنعاں (ارض فلسطین) کو بطور انعام سکونت کے لیے عطا فرمائے گا۔ سفر تثنیہ میں ہے: میری ان باتوں کو تم اپنے دل اور اپنی جان میں محفوظ رکھنا اور نشان کے طور پر ان کو اپنے ہاتھوں پر باندھنا اور وہ تمہاری پیشانی پر ٹیکوں کی مانند ہوں اور تم ان کو اپنے لڑکوں کو سکھانا اور تو گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور لیٹتے وقت ان ہی کا ذکر کیا کرنا اور تو ان کو اپنے گھر کی چوکھٹوں پر، اپنے پھاٹکوں پر لکھا کرنا تا کہ جب تک زمین پر آسمان کا سایہ ہے تمہاری اور تمہاری اولاد کی عمر اس ملک میں دراز ہو جس کو خداوند نے تمہارے باپ دادا کو دینے کی قسم کھائی تھی۔ (باب ۱۱/۱۸۔۲۲)

توریت کی تاریخ تدوین

توریت کے سفر الخروج کے مطابق توریت کے بعض احکام وحی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے اور بعض احکام کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے شفوی وحی کو اپنے ہاتھوں سے لکھ کر عہد کے صندوق میں رکھ دیا تا کہ یہ اوراق والواح ضائع نہ ہوں۔ (دیکھیے: خروج ۲۴/۳۔۸۔ اصحاح ۳۱/۱۸)

موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ کے خلیفہ یوشع بن نون نے اس کا ایک نسخہ پتھروں کی تختیوں پر تیار کیا۔ (سفر یشوع ۸/۳۰۔۳۵) یہاں تک توریت کی تاریخ متصل ہے۔

یہودی تاریخ کے مطابق، بنی اسرائیل اس تابوت کو اپنے ہمراہ ایک معرکہ میں لے گئے تا کہ اس کی موجودگی ان کے اندر صبر وثبات اور حوصلہ پیدا کرے اور وہ فتح یاب ہوں، لیکن اس معرکے میں فلسطینیوں کو فتح اور بنی اسرائیل کو شکست ہوئی اور دشمن وہ تابوت اٹھا لے گئے۔ (دیکھیے سموئیل اول ۴/۱۔۱۱)

یہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس کیسے واپس آیا اس سلسلے میں قرآن یوں روشنی ڈالتا ہے:

"اس کے ساتھ ان کے نبی نے ان کو یہ بھی بتایا کہ خدا کی طرف سے اس کے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے عہد میں وہ صندوق تمہیں واپس مل جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے سکون قلب کا سامان ہے جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں اور جس کو فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں۔ (البقرہ:۲۴۸)

بائبل کے بیان کے مطابق اس صندوق کو فلسطینی مشرکین کے جس شہر اور جس بستی میں رکھا گیا وہاں وبائیں پھوٹ پڑیں۔ آخرکار انھوں نے خوف کے مارے اسے ایک بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی ہانک دی۔ غالبًا اسی معاملہ کی طرف قرآن ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے کہ اس وقت وہ صندوق فرشتوں کی حفاظت میں تھا کیوں کہ وہ بیل گاڑی بغیر کسی گاڑی بان کے ہانک دی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فرشتوں ہی کا کام تھا کہ وہ اسے چلا کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئیں۔ (تلخیص تفہیم القرآن:۸۱)

سلیمان علیہ السلام نے اپنے عہد میں جب اس صندوق کو کھولا تو دو تختیوں کے علاوہ اس میں کوئی چیز نہ تھی۔[1]

سلیمان علیہ السلام کے بعد رحبعام کے عہد میں "شیسنق" نے جب مصر پر ۹۴۵ ق م میں حملہ کیا تو وہ ہیکل کا پورا خزانہ اٹھا لے گیا۔

اخبار الایام الاول میں ہے: "اور رحبعام بادشاہ کے پانچویں برس میں شاہ مصر شیسنق نے یروشلم پر چڑھائی کی اور اس نے خداوند کے گھر کے خزانوں اور شاہی محل کے خزانوں کو لے لیا بلکہ اس نے سب کچھ لے لیا۔" (۱۲/۲۵۔۲۶)

---

(۱) سلاطین اول میں ہے: "اور اس صندوق میں کچھ نہ تھا سوا پتھر کی ان دو لوحوں کے جن کو وہاں موسیٰ علیہ السلام نے حورب میں رکھ دیا تھا۔" (باب ۸/۱۰)

یہودی تاریخ کے مطابق، بنی اسرائیل اس تابوت کو اپنے ہمراہ ایک معرکہ میں لے گئے تاکہ اس کی موجودگی ان کے اندر صبر وثبات اور حوصلہ پیدا کرے اور وہ فتح یاب ہوں، لیکن اس معرکے میں فلسطینیوں کو فتح اور بنی اسرائیل کو شکست ہوئی اور دشمن وہ تابوت اٹھا لے گئے۔ (دیکھیے سموئیل اول ۴/۱۔۱۱)

یہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس کیسے واپس آیا اس سلسلے میں قرآن یوں روشنی ڈالتا ہے:

''اس کے ساتھ ان کے نبی نے ان کو یہ بھی بتایا کہ خدا کی طرف سے اس کے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے عہد میں وہ صندوق تمہیں واپس مل جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے سکون قلب کا سامان ہے جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں اور جس کو فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں۔ (البقرہ:۲۴۸)

بائبل کے بیان کے مطابق اس صندوق کو فلسطینی مشرکین کے جس شہر اور جس بستی میں رکھا گیا وہاں وبائیں پھوٹ پڑیں۔ آخر کار انھوں نے خوف کے مارے اسے ایک بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی ہانک دی۔ غالباً اسی معاملہ کی طرف قرآن ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے کہ اس وقت وہ صندوق فرشتوں کی حفاظت میں تھا کیوں کہ وہ بیل گاڑی بغیر کسی گاڑی بان کے ہانک دی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فرشتوں ہی کا کام تھا کہ وہ اسے چلا کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئیں۔ (تلخیص تفہیم القرآن:۸۱)

سلیمان علیہ السلام نے اپنے عہد میں جب اس صندوق کو کھولا تو دو تختیوں کے علاوہ اس میں کوئی چیز نہ تھی۔(۱)

سلیمان علیہ السلام کے بعد رحبعام کے عہد میں ''شیسنق'' نے جب مصر پر ۹۴۵ ق م میں حملہ کیا تو وہ ہیکل کا پورا خزانہ اٹھا لے گیا۔

اخبار الایام الاول میں ہے:'' اور رحبعام بادشاہ کے پانچویں برس میں شاہ مصر شیسنق نے یروشلم پر چڑھائی کی اور اس نے خداوند کے گھر کے خزانوں اور شاہی محل کے خزانوں کو لے لیا بلکہ اس نے سب کچھ لے لیا۔'' (۱۴/۱۲۵۔۲۶)

(۱) سلاطین اول میں ہے:'' اور اس صندوق میں کچھ نہ تھا سوا پتھر کی ان دو لوحوں کے جن کو وہاں موسیٰ علیہ السلام نے حورب میں رکھ دیا تھا۔'' (باب ۸/۱۰)

سلیمان علیہ السلام کے بعد توریت کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ تقریباً تین صدیوں تک توریت گم رہی۔ یہاں تک کہ ۶۲۲ ق م میں ''ملک یوشیا'' کے عہد میں حلقیا کاہن نے دعویٰ کیا کہ اس نے توریت کا نسخہ ہیکل میں پایا ہے۔ سلاطین ثانی میں ہے:

''اور سردار کاہن حلقیا نے شافان کاتب سے کہا کہ مجھے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب ملی ہے اور حلقیا نے وہ کتاب شافان کو دی اور اس نے اس کو پڑھا اور شافان باشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کو خبر دی کہ تیرے خادموں نے وہ نقدی جو ہیکل میں ملی لے کر ان کارگزاروں کے ہاتھ میں سپرد کی جو خداوند کے گھر کی نگرانی رکھتے ہیں اور شافان منشی نے بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ حلقیا کاہن نے ایک کتاب میرے حوالے کی ہے اور شافان نے اسے بادشاہ کے حضور پڑھا۔ جب باشاہ نے توریت کی کتاب کی باتیں سنیں تو اپنے کپڑے پھاڑے۔'' (باب ۲۲/ ۸۔۱۱)

اکثر و بیشتر محققین حلقیا کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔ غور کیجئے ہیکل میں خادموں اور کاہنوں کی ایک بڑی تعداد تھی اور ہر زمانے میں ہیکل کے متولی بدلتے رہے تو آخر حلقیا کے علاوہ کسی اور کی نگاہ اس نسخہ پر کیوں نہ پڑی۔ پھر جو نسخہ حلقیا کو ملا آیا وہ موسیٰ علیہ السلام کا لکھا ہوا تھا یا یسوع والا نسخہ تھا اس کی کوئی صراحت حلقیا نے نہیں کی ہے اور پھر خود یہ نسخہ یوشیا کے زمانے میں اس کی حکومت کے اٹھارہویں سال میں ملا تو آخر اس مدت میں حلقیا کاہن کہاں تھے۔ ان کی نگاہ آخر شریعت کے اس نسخہ پر اس دوران کیوں نہیں پڑی؟ پھر کیا ثبوت ہے کہ حلقیا کو جو نسخہ ملا وہ حقیقتاً موسیٰ علیہ السلام کا تحریر کردہ تھا۔ ہوسکتا ہے بنی اسرائیل کے دشمنوں میں سے کسی نے اسے لکھ کر رکھ دیا ہو۔ پھر خود سفر الملوک کے مطابق حلقیا کے آباء و اجداد شریعت کے جملہ احکام سے ناواقف تھے تو حلقیا کاہن کو آخر یہ کہاں سے معلوم ہوگیا کہ یہی شریعت توریت کا اصلی نسخہ ہے۔ اسی لیے بیشتر محققین کا خیال ہے کہ جب حلقیا نے ''یوشیا'' کی دین کی جانب رغبت دیکھی تو اس نے شفوی روایات کی مدد سے توریت کا ایک نسخہ خود تیار کیا ہوگا اور اس کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی جانب کردی ہوگی۔

۵۸۶ق م کا حادثہ اور توریت کا ضائع ہونا

۵۸۶ق م میں بخت نصر نے جب یروشلم پر حملہ کیا تو توریت ایک بار پھر ضائع ہوگئی۔ یہاں تک کہ "عزرا" (۴۲۸ق م) نے بابل کی اسیری سے واپسی کے بعد اسے دوبارہ مدون کیا۔ یہودیوں کا خیال ہے کہ عزیر نے الہام کی روشنی میں توریت کو دوبارہ مدون کیا۔ مسیحی محققین کی اس سلسلے میں دورائیں ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ انھوں نے اس وقت تک شریعت پر لکھی گئی جملہ کتابوں اور مشہور نبی "نحمیا" کی مدد سے اس کی تالیف کی اور بعض کا خیال ہے کہ آپ نے اپنے حفظ کی مدد سے اسے مدون کیا۔

عزیر علیہ السلام نے چاہے جس طرح اور جن ذرائع کو استعمال کر کے توریت لکھا ہو اتنی بات تو بالکل واضح ہے کہ توریت کا یہ نسخہ حلقیا کے نسخہ سے کئی گنا بڑا تھا۔ کیوں کہ حلقیا نے جو نسخہ پایا تھا اس کو انھوں نے بادشاہ کے سامنے ایک دن یا ایک مجلس میں پڑھ کر سنایا تھا جس پر تمام سامعین رو پڑے تھے جب کہ عزیر علیہ السلام کو اسے سنانے میں ایک ہفتہ لگ گیا۔ (دیکھیے نحمیا ۸/۱۳-۱۸)

تہذیب وتمدن کے ماہرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ موجودہ توریت عہد بابلی میں لکھی گئی۔

(الاسفار المقدسہ قبل الاسلام: ۶۸-۶۹)

پھر توریت کا یہ نسخہ بھی ۱۷۰ق م میں ضائع ہوگیا جب انطاکیہ کے بادشاہ نے یروشلم پر حملہ کیا اور جملہ مذہبی کتابوں کو جلا دیا۔ مشہور محقق مولانا رحمت اللہ کیرانوی "سفر المکابیین" سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وہ ہر اس شخص کو قتل کر رہا تھا جس کے پاس عہد نامہ قدیم کا کوئی نسخہ ہوتا یا جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جاتا کہ وہ شریعت کے کسی فریضہ کو انجام رہا ہے اور پھر اس نسخہ کو ضائع کر دیتا۔" (اظہار الحق: ج۱، ص۳۳۷)

چوتھی بار توریت کا ضیاع ۷۰م میں ہوا جب ٹیٹس رومی نے یروشلم کو تہس نہس کیا اور ہیکل کو گرا دیا اور جملہ یہودی آثار کو مٹا دیا۔ اس حادثہ میں عہد نامہ قدیم کی جملہ کتابیں جنھیں عزیر علیہ السلام نے لکھا تھا ضائع کر دی گئیں اور ان کتابوں سے بنی اسرائیل کا تعلق منقطع ہوگیا۔

زیادہ تر عیسائی محققین کا خیال ہے کہ موجودہ توریت مختلف زبانوں میں مختلف افراد

کے نصوص سے مدون کی گئی ہے۔اس کے بعض نصوص کی تاریخ ۱۲۰۰ ق م تک لوٹتی ہے اور بعض کی آخری تاریخ ۷۰ ق م تک۔ موجودہ شکل میں یہ کتاب پہلی صدی مسیح میں لکھی گئی اور لوگوں کے درمیان متداول نسخہ اس کے اس عبرانی نسخہ سے ماخوذ ہے جسے ''نسخہ ماسوریہ'' کہا جاتا ہے۔ (ماسوراء کے معنی وہ چیز جسے تسلیم کیا جائے۔ یہ لفظ ان مذاکرات اور نقاش کی جانب اشارہ کرتا ہے جو اس کی جمع وتدوین کے دوران پیش آئے تھے) یہ نسخہ علماء یہود کی ایک جماعت نے طبریہ میں چھٹی صدی مسیح سے لے کر بارہویں صدی تک تیار کیا تھا۔ (الیہودیۃ والمسیحیۃ: ۱۷۰)

عبرانی میں اس کی پہلی طباعت دوقیہ میں ۱۴۸۸م میں ہوئی اور دوسری طباعت ۱۴۹۴م اور پھر اسی نسخہ سے جرمنی اور بقیہ زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔

توریت ابتدا میں ایک جزو تھی، جب علماء یہود نے اس کا ترجمہ ۲۸۴ ق م میں یونانی زبان میں کیا تو اس کو پانچ اجزاء میں تقسیم کردیا۔ ۱۲۴۰ء میں کارڈینال نے ابواب قائم کیے جنہیں اصحاحات کہا جاتا ہے۔ نیز ایسے ہی توریت غیر مشکل تھی اس پر حرکات ونقاط بہت بعد میں لگائے گئے ہیں۔ سب سے پہلے اس سمت میں کوشش اُکیبا کاہن کی قیادت میں ہوئی جن کا انتقال ۱۳۵م میں ہوا ہے۔ یہ علماء جو توریت کی تشکیل وتہذیب میں لگے ہوئے تھے انہیں ''ماسوراتیین'' کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے آٹھویں صدی مسیح کے اوائل میں ایک مکمل نسخہ تیار کیا۔ اس نسخہ کے ظہور سے چار سو سال پہلے عبرانی سے ''اریئوس'' نے جولاطینی زبان میں ترجمہ کیا تھا اس میں اور اس ماسوری نسخہ میں متعدد اختلافات پائے جاتے ہیں البتہ اس ماسوری نسخہ کے بعد علماء یہود نے توریت کے تمام قدیم عبرانی نسخوں کو ضائع کردیا تھا جو حرکات ونقاط لگانے سے پہلے تیار کیے گئے تھے۔ توریت کے شارح حبیب سعید اپنی کتاب ''المدخل الی الکتاب المقدس'' میں لکھتے ہیں کہ ''ماسوری علماء نے اس نئے ماسوری نسخہ کے علاوہ بقیہ تمام نسخوں کو ضائع کرنے میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اس اسوہ کی اقتدا کی جو آپ نے تدوین قرآن کے بعد رسم عثمانی کے علاوہ دیگر رسم الخط میں لکھے ہوئے قرآن کے نسخوں کو جلا کر قائم کیا تھا۔'' (ص ۳۳)

بہرحال توریت کا حالیہ نسخہ درحقیقت ابن اشیر اور آپ کے ساتھیوں نے فلسطین میں نویں صدی مسیح میں ماسوری مدرسہ کے قواعد کی روشنی میں تیار کیا تھا۔ اور انہی ایام میں بابل میں ابن نفتالی نے بھی ایک نسخہ تیار کیا تھا۔ یہ دونوں نسخے آج موجود نہیں ہیں لیکن بعض محققین کا خیال ہے کہ ان

''اور انھوں نے اس کتاب یعنی خدا کی شریعت میں سے صاف آواز سے پڑھا اور پھر اس کے معنی بتائے اور ان کو عبارت سمجھا دی''۔(باب ۸/۸)

[۳] لاطینی ترجمہ

پہلی صدی مسیح کے بعد نسخہ سبعینیہ سے لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ کیا گیا کیوں کہ لاطینی زبان ہی شمالی افریقہ میں رائج تھی اور وہاں آباد یہودی و مسیحی لاطینی زبان ہی بولتے تھے۔

[۴] حبشی ترجمہ

مسیحیت کے حبشہ میں ۳۲۴م سے ۳۳۷م کے درمیانی فروغ پانے کے بعد چوتھی صدی کے اواخر میں ''سبعینیہ'' سے اس کا ترجمہ حبشی زبان میں کیا گیا۔

[۵] غوطی ترجمہ

۳۵۰م میں پادری اورلغیلاس نے عہد نامہ قدیم اور سلاطین اول وثانی کا ترجمہ کیا۔

[۶] ارمنی ترجمہ

اسحاق بطریق (۳۹۰-۴۲۸م) نے ارمنی میں سب سے پہلا ترجمہ کیا۔

[۷] عربی ترجمہ

سب سے پہلا عربی ترجمہ اشبیلیہ کے پادری یوحنا اسقف نے ۷۲۴م میں کیا۔ ان کے علاوہ حنین بن اسحاق نسطوری نے ۲۶۰ھ میں یونانی نسخہ سے عربی میں ایک ترجمہ کیا اور اسی طرح ابن کثیر (۹۳۴م) نے اور سعید بن یوسف الغیومی (۹۴۳م) نے بھی عربی میں ترجمے کیے اور پھر ہبۃ اللہ بن العسال نے ۱۲۵۰م میں قبطی سے عربی میں ترجمہ کیا۔

عصر حاضر میں متداول دو ترجمے ہیں۔ پہلا ترجمہ ''امریکن پروٹسٹنٹ ترجمہ'' کے نام سے معروف ہے جسے پانچ عالموں نے مل کر کیا ہے۔ دو امریکی اور تین لبنانی۔ عہد نامہ قدیم ۱۸۶۵م میں شائع ہوا ہے جو ۳۹ اسفار پر مشتمل ہے۔

دوسرا ترجمہ ۱۸۷۲م سے ۱۸۸۰م کے درمیان ہوا ہے جو بیروت سے ۱۸۸۰م میں شائع ہوا ہے۔ ایک تیسرا کیتھولک ترجمہ بیروت سے ۱۹۶۰م میں شائع ہوا ہے جو عہد نامہ قدیم کے صرف ۴۶ اسفار پر مشتمل ہے۔

توریت اور تحریف

موجودہ توریت کے متعلق یہود کا دعویٰ وعقیدہ ہے کہ یہی وہ توریت ہے جو انسانیت کی ہدایت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی جب کہ محققین کے نزدیک یہ توریت تحریف شدہ ہے۔ اس امر پر تمام مسلمانوں کا بھی اجماع ہے کیوں کہ معقول ومنقول دونوں اس کے تحریف شدہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴿۷۵﴾ (البقرہ:۷۵)

"کیا تم لوگ توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہاری بات مان لیں گے اور حال یہ ہے کہ ان میں سے ایک گروہ اللہ کے کلام کو سنتا ہے اور اس کو سمجھ چکنے کے بعد اس کی تحریف کرتا رہا ہے۔"

تحریف کے معنی بات یا کلام کو بدل دینے کے ہیں۔ اس بدل دینے کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک بات کی دیدہ ودانستہ ایسی تاویل کر دی جائے جو قائل کے منشا کے بالکل خلاف ہو۔ کسی لفظ کے طرزِ ادا اور قرأت میں ایسی تبدیلی کر دی جائے جو لفظ کو کچھ سے کچھ بنا دے۔ مثلاً یہود نے مروہ کو بگاڑ کر مورہ یا مریا وغیرہ کر دیا۔ کسی عبارت یا کلام میں ایسی کمی بیشی کر دی جائے جس سے اس کا اصل مدعا بالکل خبط ہو کر رہ جائے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہجرت کے واقعہ میں یہود نے اس طرح ردوبدل کر دیا کہ خانہ کعبہ سے ان کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے۔ کسی ذومعانی لفظ کا وہ ترجمہ کر دیا جائے جو سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہو۔ مثلاً عبرانی کے "ابن" کا ترجمہ "بیٹا" کر دیا گیا درآنحالیکہ اس کے معنی بندہ اور غلام کے بھی آتے ہیں۔ (تدبر قرآن ج اول ص ۲۰۸)

یہود تحریف کی ان تمام قسموں کے مرتکب ہوئے اور توریت ان تمام قسموں کی تحریفات سے بھری پڑی ہے۔

تحریف کے دلائل

توریت کے تحریف کی پانچ اہم دلیلیں ہیں: (۱) توریت کا اختلافات اور تضادات

سے پُر ہونا۔ (۲) توریت میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے امور و حادثات کا تذکرہ (۳) توریت کے تینوں نسخوں عبرانی، یونانی اور سامری میں اختلافات کے پایا جانا۔ (۴) توریت کا مشرق وسطیٰ خصوصاً فلسطین میں آباد قوموں کو قتل کرنے کا حکم دینا۔ (۵) کتاب مقدس میں بعض مقامات پر فحش آمیز کلام کا پایا جانا۔

تحریف کی پہلی دلیل

توریت کا اختلافات اور تضادات سے پر ہونا۔

قرآن مجید نے قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (النسآ:۸۲)

’’اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔‘‘

اس پہلو سے توریت پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو اس کے مضامین باہم دگر متصادم نظر آتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی مثال

توریت کے بیان کے مطابق دنیا میں رویت باری ممکن نہیں۔ کتاب خروج میں ہے:

’’اور یہ بھی کہا تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا کیوں کہ انسان مجھے نہیں دیکھ سکتا‘‘۔ (۳۳/۲۰)

جب کہ کتاب پیدائش میں ہے: ’’اور یعقوب نے اس جگہ کا نام فنی ایل رکھا اور کہا میں نے خدا کو روبرو دیکھا تو بھی میری جان بچی رہی۔‘‘ (۳۲/۳۱)

اور خروج میں ہے: ’’تب موسیٰ اور ہارون اور حذب اور ابیہود اور بنی اسرائیل کے ستر بزرگ اوپر گئے اور انہوں نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا‘‘۔ (خروج ۲۴/۹)

دوسری مثال

’’سفر یسعیاہ‘‘ میں ذات خداوندی سے تھکاوٹ اور عاجزی کی نفی کی گئی ہے۔ ’’کیا تو نے نہیں سنا کہ خداوند خدا ابدی و تمام زمین کا خالق تھکتا نہیں اور ماندہ نہیں ہوتا۔‘‘ (یسعیاہ ۴۰/۲۸)

جب کہ خروج میں خدا کے آرام کرنے اور تازہ دم ہونے کا تذکرہ ہے: ’’چھ دن میں

خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کر کے تازہ دم ہوا۔" (اصحاح ۳۱/۱۷)

تیسری مثال

توریت کے بیان کے مطابق خدا رحیم ہے۔

خروج میں ہے: "خداوند خدای رحیم اور مہربان قہر کرنے میں دھیما اور شفقت و وفا کرنے میں غنی، ہزاروں پر فضل کرنے والا، گناہ اور تقصیر اور خطا کا بخشنے والا۔" (۳۴/۶-۷)

جب کہ حزقی ایل میں خدا کی جانب شدت و درشتی کی نسبت کی گئی ہے:

"سو میں نے ان کو برے آئین اور ایسے احکام دیے جن سے وہ زندہ نہ رہیں۔"

(حزقی ایل ۲۰/۲۵)

چوتھی مثال

ساؤل کی بیٹی کے تعلق سے سموئیل کے بیانات متضاد ہیں۔ سموئیل باب ۶/۲۳ میں ہے: "سو ساؤل کی بیٹی میکل مرتے دن تک بے اولاد رہی۔" جب کہ سموئیل ہی میں آگے ہے:

"اور ساؤل کی بیٹی میکل کے پانچوں بیٹوں کو جو برزلی محلاتی کے بیٹے عدری ایل سے ہوئے تھے لے کر ان کو جبعونیوں کے حوالہ کیا۔" (باب ۲۱/۸-۹)

پانچویں مثال

واقعہ ذبح جس مقام پر پیش آیا تھا اس کا نام ابراہیم علیہ السلام نے "یہواہ یری" رکھا۔ پیدائش میں ہے:

"اور ابراہام نے اس مقام کا نام "یہواہ یری" رکھا۔ چنانچہ آج تک یہ کہاوت ہے کہ خداوند کے پہاڑ پر مہیا کیا جائے گا۔" (باب ۲۲/۱۴)

جب کہ خروج کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ نام "یہواہ" ابراہیم علیہ السلام جانتے ہی نہ تھے:

"پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ میں خداوند ہوں اور میں ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کو خدای قادر مطلق کے طور پر دکھائی دیا لیکن اپنا "یہواہ" نام سے ان پر ظاہر نہ ہوا۔"

(۶/۲-۳)

چھٹی مثال

یہودی شریعت میں پھوپھی سے شادی حرام ہے۔ سفر احبار میں ہے: ''اور اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیوں کہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے۔'' (۱۲/۱۸)

اور خروج میں عمران کے اپنی پھوپھی سے شادی کرنے کا تذکرہ موجود ہے:

''اور عمران نے اپنے باپ کی بہن ''یوکابد'' سے بیاہ کیا۔ اس عورت کے اس سے ہارون و موسیٰ پیدا ہوئے''۔ (۲۰/۶)

ساتویں مثال

بلعام خدا کے حکم سے موآبیوں کی جانب گیا تھا۔ گنتی میں ہے:

''اور خدا نے رات کو بلعام کے پاس آکر اس سے کہا۔ اگر یہ آدمی جو تجھے بلانے کو آئے ہوئے ہیں تو تو اٹھ کر ان کے ساتھ جا کر جو بات میں تجھ سے کہوں اسی پر عمل کرنا تو بلعام صبح کو اٹھا اور اپنی گدھی پر زین رکھ کر موآب کے امراء کے ہمراہ چلا''۔ (۲۲/۲۰-۲۱)

پھر اسی باب میں اسی سے متصل آیت میں ہے کہ موآبیوں کے ہمراہ جانے سے خدا بلعام سے سخت ناراض ہو گیا۔ ''اور اس کے جانے کے سبب خدا کا غضب بھڑکا۔'' (گنتی ۲۲/۲۲)

آٹھویں مثال

خدا علیم و حکیم ہے۔ نہ تو وہ اپنے فیصلوں پر نادم ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے ارادوں کو بدلتا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ گنتی میں ہے: ''خدا انسان نہیں کہ جھوٹ بولے اور نہ وہ آدم زاد ہے کہ اپنا ارادہ بدلے''۔ (۲۳-۱۹)

جب کہ پیدائش میں خدا کے نادم و شرمندہ ہونے کا تذکرہ ہے: ''تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا''۔ (باب ۶-۷)

اور سموئیل میں ہے: ''تب خداوند کا کلام سموئیل کو پہنچا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساؤل کو بادشاہ ہونے کے لیے مقرر کیا ہے کیوں کہ وہ میری پیروی سے پھر گیا ہے اور اس نے میرا حکم نہیں مانا ہے۔'' (سموئیل اول ۱۵/۱۰-۱۱)

نویں مثال

تورات کے مطابق خدا دلوں کے ارادوں اور نیتوں سے بھی واقف ہے۔ استثناء میں ہے: ''میں نے ان کے خیال کو جس میں وہ ہیں جانتا ہوں''۔ (۲۱/۲۲)
جب کہ تورات میں خدا کی جانب بعض ایسے اعمال کی نسبت کی گئی ہے جو اس کے علم کے ناقص وادھورے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً کتاب پیدائش کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:
''اور خداوند اس شہر اور برج کو جسے بنی آدم بنانے لگے دیکھنے کو اترا۔'' (باب ۱۱/ ۵)
اور پیدائش میں ہے: ''پھر خداوند نے فرمایا چونکہ سدوم اور عمورہ کا شور بڑھ گیا اور ان کا جرم نہایت سنگین ہو گیا اس لیے میں اب جا کر دیکھوں گا کہ انہوں نے سراسر ویسا ہی کیا ہے جیسا شور میرے کان تک پہنچا ہے۔ اور اگر نہیں کیا تو میں معلوم کرلوں گا۔'' (۱۸/ ۲۰۔۲۱)

دسویں مثال

تورات میں یہ عام قاعدہ بیان ہوا: ولا تزر وازرۃ وزر اخری کوئی گنہ گار دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا پائے گا۔''
استثناء میں ہے: ''بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں، نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں، ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب سے مارا جائے''۔ (باب ۲۴۔۱۶)
حزقی ایل میں ہے: ''بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔'' (۱۸۔۲۰)
جب کہ اس کے برعکس خروج میں یہ وارد ہے:
''کیوں کہ میں خداوند تیرا خدا غیور ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں۔'' (۲۰۔۵)

گیارہویں مثال

کتاب پیدائش باب الفقرہ رقم ۲۴ تا ۲۶ میں جانوروں اور چوپایوں کے بنائے جانے کے بعد انسان کی تخلیق کا تذکرہ ہے۔ جب کہ اسی کتاب کے دوسرے باب میں پہلے آدم علیہ السلام کی تخلیق اور پھر جانوروں اور پرندوں کی پیدائش کا تذکرہ وارد ہے۔ (۲/ ۱۹)

بارہویں مثال

تو ریت کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو احکام عشرہ پتھر کی تختیوں پر لکھ کر دیے گئے تھے۔ یہ احکام استثناء اور خروج دونوں جگہ مذکور ہیں، لیکن دونوں مقامات میں فرق ہے۔ آخر لکھی ہوئی چیز میں یہ اختلاف کیسے واقع ہو گیا۔ دو واضح اختلاف ملاحظہ ہو۔

[الف] استثناء میں ہے: "تا کہ تیرا غلام اور تیری لونڈی تیری طرح آرام کرے۔" (۵/ ۱۴) جب کہ خروج میں الفاظ یوں ہے: "اور ساتویں دن آرام کیا اس لیے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھرایا"۔ (۲۰/ ۱۱)

[ب]: پڑوسیوں کے تعلق سے جو وصیت کی گئی اس کی اصل عبارت استثناء میں یوں ہے: "تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اپنے پڑوسی کے گھر یا اس کے کھیت یا غلام یا لونڈی یا بیل یا گدھا یا اس کی کسی چیز کا خواہاں ہونا"۔ (۵/ ۲۱)

اور خروج میں "اس کے کھیت" کا تذکرہ نہیں ہے صرف غلام، باندی، بیل اور گدھے کا تذکرہ ہے۔ (۲۰/ ۱۷)

تحریف کی دوسری دلیل

تو ریت میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے امور وحادثات کا تذکرہ۔

پہلی مثال

کتاب پیدائش میں ہے: "اور اسرائیل آگے بڑھا اور عدر کے برج کی پرلی طرف اپنا ڈیرا لگایا۔" (۳۵/ ۲۲) اور یہ بات معروف ومسلم ہے کہ "مجدل عدر" بیت المقدس کے میناروں میں سے ایک منارہ کا نام ہے جسے اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے سات سو سال بعد بنایا تھا۔ (الیہودیۃ والمسیحیۃ: ۱۵۷)

دوسری مثال

سفر پیدائش میں ہے: "یہی وہ بادشاہ" ہیں جو ملک ادوم پر پیشتر اس سے کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ مسلط تھے۔" (۳۶/ ۳۲)

یہ فقرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کتاب پیدائش بنی اسرائیل کے متعدد حکمرانوں

کے گزر جانے کے بعد لکھی گئی۔

تیسری مثال

کتاب استثناء میں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ فقرے الحاقی ہیں کیوں کہ یہ بات مستبعد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام توریت میں اپنے انتقال اور تدفین کا ذکر کریں۔

''پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی۔اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور نہ تو اس کی آنکھ دھندلانے پائی اور نہ اس کی طبعی قوت کم ہوئی۔'' (باب ۳۴/۶-۷)

تحریف کی تیسری دلیل

توریت کے تینوں نسخوں، عبرانی، یونانی اور سامری میں اختلافات کا پایا جانا۔

یونانی، عبرانی کا ترجمہ ہے اور سامری یہودیوں کے مشہور فرقہ سامرہ کا نسخہ ہے۔ان تینوں کے بیانات جا بجا متعارض نظر آتے ہیں۔عبرانی اور سامری نسخہ میں چھ ہزار سے زائد مقامات پر اختلافات پائے جاتے ہیں۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال

عبرانی میں ہے:''موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ہارون اور موسیٰ علیہ السلام کو جنا۔''
جب کہ سامری اور یونانی نسخہ میں عبارت یوں ہے کہ
''پھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ہارون اور موسیٰ اور ان دونوں کی بہن مریم کو جنا۔''

دوسری مثال

توریت کے مذکورہ بالا تینوں نسخوں سے انبیاء کرام کی عمروں کا ایک جدول دیا جا رہا ہے جس میں بیان کی گئی انبیاء کرام کی عمروں میں پائے جانے والے تضادات توریت کے تحریف شدہ ہونے پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں:

نام	عبرانی	سامری	یونانی
آدم علیہ السلام	۱۳۰	۱۳۰	۲۳۰
شیث	۱۰۵	۱۰۵	۲۰۵
آنوش	۹۰	۹۰	۱۹۰
قینان	۷۰	۷۰	۱۷۰
بارد	۱۶۲	۶۲	۲۶۲
متوشالح	۱۸۷	۶۷	۱۸۷
لامک	۱۸۲	۵۳	۱۸۸
تخلیق آدم سے طوفان	۱۶۵۶	۱۳۰۷	۲۲۶۲

تیسری مثال

مشہور محقق عالم جے ڈبلو کولنزو (J.W. Colenso) نے واقعۂ ذبح کی جگہ کے تعلق سے عبرانی اور یونانی نسخہ (سبعینیہ) کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کا پردہ یوں چاک کیا ہے۔

وہ مقام جہاں توریت میں:

یہ نام آیا ہے	عبرانی	یونانی
پیدائش (۲/۲۳)	ملک مورہ	بلند زمین
پیدائش (۶/۱۳)	میدان مورہ	اونچے بلوط
استثناء (۳۰/۱۱)	میدان مورہ	اونچے بلوط کے قریب
قضاۃ (۱/۷)	جبل مورہ کے پاس	جبل مورہ کے پاس

(ذبیح کون ہے؟ علامہ حمید الدین فراہی: ۴۶)

تحریف کی چوتھی دلیل

توریت کا مشرق وسطیٰ اور خصوصاً فلسطین میں آباد قوموں کو قتل کرنے کا حکم دینا۔

استثناء میں ہے: ”جب خداوند تیرا خدا تجھ کو اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کے لیے تو جارہا ہے پہنچادے ---------- اور جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو

ان کو مارے تو تو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا۔" (باب ۷/۱-۲)

فقرہ رقم ۱۶ میں ہے: "اور تو ان سب قوموں کو جن کو خداوند تیرا خدا تیرے قابو میں کر دے گا نابود کر ڈالنا تو ان پر ترس نہ کھانا۔"

تحریف کی پانچویں دلیل

کتاب مقدس میں بعض مقامات پر فحش آمیز کلام کا پایا جانا۔

کتاب مقدس میں تحریف کی ایک بڑی دلیل جا بجا اس کے انداز بیان کا فحش آمیز و غیر مہذب ہونا ہے جو عقل و روح کو جلا دینے کے بجائے قوائے شہوانیہ و خیالات شیطانیہ کو ابھارنے میں مدد دیتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال

کتاب یسعیاہ میں ہے: "میں بہت مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہو رہا اور ضبط کرتا رہا پر اب میں دردزہ والی کی طرح چلاؤں گا، میں ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس لوں گا۔" (۴۲/۱۵)

دوسری مثال

"اور ستر برس کے بعد یوں ہوگا کہ خداوند صور کی خبر لے گا اور وہ اجرت پر جائے گی اور روئے زمین پر تمام مملکتوں سے بدکاری کرے گی، لیکن اس کی تجارت اور اس کی اجرت خداوند کے لیے مقدس ہوگی اور اس کا مال نہ ذخیرہ کیا جائے گا اور نہ جمع رہے گا بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لیے ہوگا جو خداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھا کر سیر ہوں اور نفیس پوشاک پہنیں۔"

(یسعیاہ ۲۳/۱۸)

غور کیجیے خدا کی بارگاہ میں فرشتے رہتے ہیں تو کیا وہ کھاتے پیتے ہیں۔ پھر کتنا مقدس و پاک مال انھیں کھلوایا اور کیسی پوشاک پہنوائی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی ملائکہ کی قدوسیت و طہارت باقی رہے گی۔

تیسری مثال

حزقی ایل میں ہے: "اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد دو عورتیں ایک ہی

ماں کی بیٹیاں تھیں انھوں نے مصر میں بدکاری کی۔وہ اپنی جوانی میں بنیں۔وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں اور وہیں ان کی دوشیزگی کے پستان مسلے گئے۔ (باب ۲۳/۳۔۱)

چوتھی مثال

"تو بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کرکے جب وہ مصر کی سرزمین میں بدکاری کرتی تھی بدکاری پر بدکاری کی۔سو وہ پھر اپنے ان یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا اس طرح تو نے اپنی جوانی کی شہوت پرستی کو جب کہ مصری تیری جوانی کی چھاتیوں کے سبب سے تیرے پستان ملتے تھے پھر یاد کیا۔"

(حزقی ایل ۲۰۳/۲۰۔۲۱)

پانچویں مثال

"اے میری پیاری، میری زوجہ تو نے میرا دل لوٹ لیا۔اپنی ایک نظر سے، اپنی گردن کے ایک طوق سے، تو نے میرا دل غارت کرلیا۔اے میری پیاری میری زوجہ تیرا عشق کیا خوب ہے تیری محبت مے سے زیادہ لذیذ ہے۔اور تیرے عطروں کی مہک ہر طرح کی خوشبو سے بڑھ کر ہے۔اے میری زوجہ تیرے ہونٹوں سے شہد ٹپکتا ہے شہد و شیر تیری زبان تلے ہیں۔تیری پوشاک کی خوشبو لبنان کی سی ہے۔" (باب ۴/۹۔۱۳)

چھٹی مثال

کہتے ہیں کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور وہ اس کے پاس سے جاکر کسی دوسرے مرد کی ہوجائے تو کیا وہ پہلا پھر اس کے پاس جائے گا کیا وہ زمین ناپاک نہ ہوگی لیکن تو نے بہت سے یاروں کے ساتھ بدکاری کی ہے۔(باب ۳/۱۔۲)

اگرچہ یہاں توحید سے نفور اور شرک کی مذمت کے ابھار کے لیے یہ تشبیہ دی گئی ہے، لیکن اس کے فحش ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ذات باری تعالیٰ اور توریت

توریت خدا کی وحدانیت کی قائل ہے۔احکام عشرہ میں صاف صاف بت پرستی اور مورتی پوجا سے منع کیا گیا ہے۔کتاب استثناء میں ہے:

"میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا، تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں"۔ (باب ۵/ ۷-۹)

توریت خدا کو علیم وخبیر مانتی ہے اور ان بہت ساری صفات سے متصف قرار دیتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے خود کو قرآن مجید میں متصف قرار دیا ہے۔

[۱] وہ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔ استثناء میں ہے۔ "میں ان کے خیال کو جس میں وہ ہیں جانتا ہوں"۔ باب ۳۱/ ۲۲)

[۲] فعّال لما یرید۔ "اپنے ارادوں کو کرگزرنے والا ہے۔"

[۳] عالم الغیب ہے۔ استثناء میں ہے: "غیب کا مالک تو خداوند ہمارا خدا ہی ہے"۔ (۲۹/۲۹)

[۴] خدا رحیم اور مہربان ہے۔ "خداوند خدای رحیم اور مہربان قہر کرنے میں دھیما اور شفقت اور وفا میں غنی ہزاروں پر فضل کرنے والا۔" (خروج ۳۴/ ۷)

[۵] خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے۔ "گناہ اور تقصیر اور خطا کا بخشنے والا"۔

[۶] خدا کی عظمت وجلال کا توریت میں یوں تذکرہ کیا گیا ہے۔ "معبودوں میں اے خداوند تیرے مانند کون ہے؟ کوئی ہے جو تیری مانند اپنے تقدس کے باعث جلالی اور اپنی مدح کے سبب سے رعب والا اور صاحب کرامات ہے۔ (خروج ۱۵/ ۱۲)

"اے یسورون خدا کی مانند اور کوئی نہیں جو تیری مدد کے لیے آسمان پر اور اپنے جاہ و جلال میں افلاک پر سوار ہے، ابدی خدا تیری سکونت گاہ ہے"۔ (استثناء ۳۳/ ۲۷)

[۷] "وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ استثناء میں ہے: "میں ہی مار ڈالتا اور میں ہی جلاتا ہوں، میں ہی زخمی کرتا اور میں ہی چنگا کرتا ہوں اور کوئی نہیں جو میرے ہاتھ سے چھڑائے"۔ باب ۳۲/ ۴۰)

توریت اور تجسیم

توریت میں بعض مقامات پر خدا کی جانب ایسے امور کی نسبت کی گئی ہے جس سے اس کا مجسم ہونا لازم آتا ہے۔

پہلی مثال

"اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا"۔(کتاب پیدائش باب ۱/۲۷)

دوسری مثال

علم وادراک میں آدم علیہ السلام کو خدا کے مانند قرار دیا گیا ہے۔کتاب پیدائش میں ہے:"اور خداوند نے کہا دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کے مانند ہو گیا، اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے"۔ (باب ۳/۲۳)

تیسری مثال

خروج، سموئیل اور سلاطین میں ہے:"خدا تعالیٰ بدلی میں اترا اور خیمہ کے دروازہ پر کھڑا رہا اور اس کے منہ سے آگ اور نتھنوں سے دھواں نکلا اور وہ ایک کروبی پر سوار ہو کر اڑا اور اسرائیل کے ستر لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے ساتھ خدا کو (کرسی پر بیٹھے) دیکھا اور کھایا پیا اور اس کا لباس برف سا سفید اور اس کے سر کے بال صاف ستھرے اون کی مانند تھے"۔

صفات نقص

توریت میں خدا کی بعض ایسی صفات بیان ہوئی ہیں جو اس کی ذات سے کمال کی نفی کرتی ہیں۔اس قبیل کی چند صفات ملاحظہ ہوں۔

[۱] تھکان

یہودیوں کا گمان ہے اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں تخلیق کائنات کی تکمیل کی اور ساتویں دن آرام کیا۔کتاب خروج میں ہے:

"چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کر کے تازہ دم ہوا"۔(باب ۳۱/۱۷)

قرآن مجید کی اس آیت میں اس عقیدہ کی تردید کی گئی ہے:۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ (ق:۳۸)

''ہم نے زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کسی بھی قسم کی کوئی تھکان لاحق نہ ہوئی۔''

[۲] جہالت

یہودیوں نے خدا کو جہالت سے متصف قرار دیا ہے۔ خروج کے وقت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ہدایت کی تھی کہ وہ قربانی کرکے اس کے خون کو اپنے دروازوں کی چوکھٹ اور اس کے دونوں بازوؤں پر لگائیں تاکہ جب میں مصریوں کو ہلاک کرنے کے لیے آؤں تو تمہارے گھروں کو لگا ہوا خون دیکھ کر پہچان سکوں۔ کتاب خروج میں ہے:

''خداوند اوپر کی چوکھٹ اور دروازہ کے دونوں بازوؤں پر خون دیکھے گا تو وہ اس دروازہ کو چھوڑ جائے گا اور ہلاک کرنے والے کو تم کو مارنے کے لیے گھر کے اندر آنے نہ دے گا۔'' (باب ۱۲/ ۲۳)

خدا عالم الغیب ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ ارشاد باری ہے:

عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سبا: ۳)

[۳] ندامت و شرمندگی

توریت کے بعض مقامات پر خدا کی جانب ندامت و شرمندگی کی نسبت کی گئی ہے۔
''تب خداوند نے اس برائی کے خیال کو چھوڑ دیا جو اس نے کہا تھا کہ اپنے لوگوں سے کرے گا''۔
(کتاب خروج ۳۲/ ۱۴)

قرآن مجید میں اس کی یوں نفی کی گئی ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۲۳)

''اس سے نہیں پوچھا جاتا اس چیز کے متعلق جو وہ کرتا ہے درآنحالیکہ ان انسانوں سے ان کے عمل کی بابت پوچھا جائے گا۔''

[۴] زمین پر خدا کا چلنا

یہودیوں کا گمان ہے کہ مصر سے نکلنے کے وقت خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے بادلوں کی اوٹ میں ان کے آگے آگے جا رہے تھے۔

"اور انہوں نے سکات سے کوچ کر کے بیاباں کے کنارے ایتام میں ڈیرا کیا اور خداوند ان کو دن کو راستہ دکھانے کے لیے بادل کے ستون میں اور رات کو روشنی دینے کے لیے آگ کے ستون میں ہو کر ان کے آگے آگے چلا کرتا تھا تا کہ وہ دن اور رات دونوں میں چل سکیں۔" (باب ۱۳/۲۲)

سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات اس نقص سے پاک ہے۔ وہ اپنے عرش پر جلوہ افروز ہے۔ کسی کی مدد و تائید اور رہنمائی کے لیے اس کا ایک اشارہ کافی ہے۔

[۵] خدا کا یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑنا

کتاب پیدائش میں ہے کہ یعقوب شام سے صبح صادق تک تمام رات خدا سے کشتی لڑتا رہا اور صبح کو جب جانا چاہا تو یعقوب نے بغیر برکت کے لیے جانے نہ دیا۔ (پیدائش باب ۳۲/۲۴) اور باب اول فصل سوم مفتاح الاسرار میں پادری فنڈر صاحب اس کشتی لڑنے والے کو خدا تعالیٰ کہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی، مقدمہ: ۱۸۳)

[۶] عاجزی و درماندگی

کتاب پیدائش میں ہے: "تب خداوند تعالیٰ زمین پر انسان پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دل گیر ہوا۔" (باب ۶/۵، ۶)

یہ فقرہ خدا تعالیٰ کے جاہل اور عاجز ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (**تعالیٰ اللہ عن ذلک عما یقولون**)

[۷] دنیا میں خدا کا دیدار

یہودیوں کا گمان ہے کہ یعقوب علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے علاوہ بنی اسرائیل کے ستر بزرگوں نے بھی خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

[۱] کتاب خروج کے باب ۲۴ اور کتاب اول سلاطین کے باب ۲۲ وغیرہ میں ہے: "اور اسرائیل کے ستر لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون کے ساتھ خدا کو (کرسی پر بیٹھے) دیکھا اور کھایا پیا اور اس کا لباس برف سا سفید اور اور اس کے سر کے بال صاف ستھرے اون کی مانند تھے"۔

[۲] کتاب پیدائش میں یعقوب علیہ السلام کی طرف منسوب یہ قول منقول ہے: "میں

نے خدا کو روبرو دیکھا تو بھی میری جان بچی رہی"۔ (باب ۳۲/۳۱)

[۳] خروج میں ہے: "خداوند روبرو ہو کر موسیٰ سے باتیں کرتا تھا"۔ (باب ۳۳/۱۱)

رویت باری اور دیدار الٰہی کا شوق یہودیوں کے متقدمین کے اندر بے حد پایا جاتا تھا۔ ان کی بڑی شدید خواہش تھی کہ کاش وہ خدا کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ قرآن مجید نے ان کی اس خواہش کا یوں تذکرہ کیا ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ (البقرہ:۵۵)

"اور یاد کرو جب تم لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ موسیٰ ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ کو روبرو نہ دیکھ لیں۔ پس تمہارے اس مطالبہ پر زوردار کڑک نے تمہیں گھیرا درآنحالیکہ تم دیکھ رہے تھے"۔

بعد میں یہودیوں نے جب دوبارہ توریت کی تدوین کی تو اس خواہش کو عملی روپ میں پیش کر دیا۔

[۸] خدا کی جانب نسیان کی نسبت

خروج میں ہے: "پھر خدا نے موسیٰ سے کہا۔ میں خداوند ہوں اور میں ابرہام اور اضحق اور یعقوب کو خدای قادر مطلق کے طور پر دکھائی دیا لیکن اپنا یہواہ نام سے ان پر ظاہر نہ ہوا اور میں نے ان کے ساتھ اپنا عہد بھی باندھا ہے کہ ملک کنعاں جوان کی مسافرت کا ملک تھا اور جس میں وہ پردیسی تھے ان کو دوں گا اور میں نے بنی اسرائیل کے کراہنے کو بھی سن کر جن کو مصریوں نے غلامی میں رکھ چھوڑا ہے اپنے اس عہد کو یاد کیا ہے"۔ (باب ۶/۲/۶)

ان باطل صفات سے خدا کو متصف قرار دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ فقرے الحاقی ہیں اور یہ کہ توریت میں ردوبدل ہوا ہے۔ غور کیجئے وہ کتاب جو الہامی ہو۔ خدا کی جانب سے نازل شدہ بعینہ انہی الفاظ میں موجود ہو، کیا اس میں ذات باری کی جانب صفات عیب کی نسبت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جملہ صفات عیب سے منزہ اور اس کی ذات صفات کمال سے متصف ہے۔

میرا یہ خیال ہے کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے بنی اسرائیل سے مخصوص تعلق اور بنی اسرائیل کو خدا

کا چہیتا نیز محبوب ثابت کرنے کے لیے ایسے امور کی نسبت ذات باری کی جانب کر دی جن سے ان کے ساتھ خدا کی خاص عنایت اور تعلق کا اثبات ہو۔ البتہ ان امور کی نسبت کے دوران خدا کی ذات پر آنے والے حرف کی جانب ان کی نگاہ نہ پڑی۔

جیسے بنی اسرائیل کی سرکشی پر خدا کی گرفت کے بعد خدا کی جانب ندامت کی نسبت بنی اسرائیل سے مخصوص تعلق کو ثابت کرنے کے لیے ہی کی گئی ہے اور یہی حال مذکورہ بالا تمام امور کا ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کا ایک خاص نام بھی دریافت کرلیا جو ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام بھی نہیں جانتے تھے۔ جس کا اظہار پہلی بار بنی اسرائیل کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کیا گیا۔ (دیکھیے خروج ۳/ ۱۵) تاکہ اس مخصوص نام ''یہواہ'' کے فیوض و برکات سے صرف بنی اسرائیل فائدہ اٹھائیں۔ اسی نظریے کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ (الجمعہ:۶،۷)

''کہہ دیجیے اے نبی! اے وہ لوگو جنہوں نے یہودیت اختیار کرلی ہے اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ دوسروں کے مقابلے صرف تم ہی لوگ اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو اور یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہیں کرسکتے اپنی بداعمالیوں کی بنا پر اور اللہ ظالموں سے خوب باخبر ہے۔''

توریت میں آخرت کا تصور

اسفار خمسہ قیامت، مناظر قیامت، جنت، دوزخ اور حشر ونشر کے تذکرہ سے خالی ہیں۔ یہ بات بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز ہے کہ یہودیوں کے بعض فرقے (فریسیین) یوم آخرت اور حشر ونشر پر یقین رکھتے ہیں جب کہ فرقہ صدوقیون حشر ونشر اور حساب وکتاب پر یقین نہیں رکھتا۔ توریت اور اس سے ملحق اسفار کے اس باب میں سکوت کی بنا پر ہی بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ بابل کی اسیری کے بعد دیگر مذاہب واقوام کے یہودی تہذیب وتمدن پر جو عالمگیر اثرات

پڑے ہیں ان میں سے ایک اہم اثر حشر ونشر پر ایمان بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس کی سب سے بڑی دلیل بابلی اسیری سے پہلے کے اسفار کا حشر ونشر کے عقیدہ سے خالی ہونا اور اسیری کے بعد کے بعض صحائف میں اس عقیدہ کا پایا جانا ہے۔ چنانچہ سفر دانیال جو عہد اسیری کا لکھا ہوا ہے اس میں اس بابت یہ الفاظ وارد ہیں:

"اور جو خاک میں سو رہے ہیں ان میں سے بہتیرے جاگ اٹھیں گے۔ بعض حیات ابدی کے لیے اور بعض رسوائی اور ذلت ابدی کے لیے۔" (۱۲/۳)

لیکن قرآن مجید کے بقول توریت بھی حساب وکتاب اور حشر ونشر کی اسی طرح قائل تھی، جس طرح دیگر آسمانی کتابیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ (طٰہٰ:۱۵)

"قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔ میں اُس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔"

موسیٰ علیہ السلام ذات باری سے مناجات کرتے ہوئے یوں پکارتے ہیں:

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ (الاعراف:۱۵۶)

"اور ہمارے لیے اِس دنیا کی بھلائی لکھ دیجیے اور آخرت کی بھی، ہم نے آپ کی طرف رجوع کرلیا۔"

طالوت علیہ السلام کے بعض نیک فوجی جالوت سے مقابلہ کے وقت بعض فوجیوں کے کترانے پر یوں ڈھارس بندھاتے ہیں:

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ (البقرہ:۲۴۹)

"جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اُنھیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے، اُنھوں نے کہا: بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔"

البتہ بعد میں یہودیوں نے اس عقیدہ سے انحراف کرلیا جسے قرآن نے یوں درج فرمایا ہے:

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ

عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
(البقرہ:۸۰)

"وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں اِلّا یہ کہ چند روز کی سزا مل جائے تو مل جائے۔ اُن سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کر سکتا؟ یا بات یہ ہے کہ تم اللہ کے ذمے ڈال کر ایسی باتیں کہہ دیتے ہو جن کے متعلق تمھیں علم نہیں ہے کہ اُس نے اُن کا ذمہ لیا ہے؟"

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (البقرۃ:۱۱۱)

"اُن کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو۔ یہ اُن کی تمنائیں ہیں۔ اُن سے کہو، اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔"

پھر یہ تصور بھی ماند پڑتا گیا چنانچہ یہودی اسفار کے کسی طالب علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ ایمان باللہ اور نیک اعمال کے عوض میں یہ اسفار دنیاوی نعمتوں کے حصول (جیسے دشمنوں پر غلبہ، خیرات و برکتوں کا نزول) کی جزا تجویز کرتے ہیں اور گناہوں پر ملنے والی سزا کی تعبیر یہ اسفار صرف دنیا میں حاصل ہونے والی مغلوبیت، قید و بند کی صعوبتیں، مویشیوں اور اموال کی ہلاکت سے کرتے ہیں۔ (دیکھیے بنو اسرائیل فی القرآن: ۱۴۱۔ ۱۴۳، الیہودیہ والیہود: ۴۹۔ ۵۰، الیہودیہ: ۱۹۵)

انبیاء کرام اور توریت

توریت میں کبار انبیاء کی جانب کبائر کی نسبت کی گئی ہے جو اس کے محرف ہونے اور یہودیوں کے شدید اخلاقی انحطاط و زوال کی واضح دلیل ہے۔ چند شواہد ملاحظہ ہوں:

[۱] نوح علیہ السلام پر شراب پینے کا الزام

کتاب پیدائش میں ہے: "اور نوح کاشت کاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔"
(باب ۹/۲۰۔۲۲)

قرآن مجید نے اس بہتان اور افتراء پردازی سے یوں پردہ اٹھایا ہے:

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝ (بنی اسرائیل:۳)

''تم ان لوگوں کی اولاد ہو جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا اور نوحؑ ایک شکرگزار بندہ تھا۔''

[۲] لوط علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں پر اپنے باپ کے ساتھ زنا کا اتہام

''اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگیں تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ تو انھوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ (اسی طرح دوسری بیٹی کے بھی دوسرے دن یہی عمل کرنے کا تذکرہ ہے۔) اور آخر میں ہے: ''سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔'' (باب ۱۹/۳۸-۳۲)

قرآن مجید نے اس بہتان تراشی سے آپ کو یوں نکالا ہے:

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۝ (الاعراف:۸۲)

''جب لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو لواطت کے قابل نفرت فعل پر سرزنش کی) تو اس قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے نکال باہر کرو یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں۔''

موجودہ بائبل کے جمع کرنے والوں کی شرم ناک جسارت پر ماتم کرنے کو دل چاہ رہا ہے کہ ایسے پاک باز اور معصوم پیغمبر کی نسبت جو دنیا کو بے حیائی اور گندگی سے پاک کرنے کے لیے آیا تھا ایسی سخت ناپاک حرکات منسوب کیں جن کے سننے سے حیادار آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

[۳] ہارون علیہ السلام پر زیور کا بت بنوا کر پوجا کروانے کی نسبت

کتاب خروج میں ہے: ” ہارون نے ان سے کہا۔ تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لاؤ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ان کو ہارون علیہ السلام کے پاس لے آئے اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا ہے۔ یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لیے عید ہوگی۔“ (باب ۶۔۳۲/۲)

یہ وہ ہارون علیہ السلام ہیں جنھوں نے بالمشافہ خدا کو دیکھا اور اس سے کلام کیا تھا اور ان کے لیے خدا تعالیٰ کے گھر کی کہانت مقرر ہوئی تھی اس پر یہ بت پرستی توبہ توبہ (مقدمہ تفسیر حقانی: ۱۸۴)

قرآن مجید نے اس دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے اس اتہام سے ہارون علیہ السلام کو ان لفظوں میں بری کیا ہے:

وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ (طٰہٰ: ۹۰)

” ہارون موسیٰ کے آنے سے پہلے ہی ان سے کہہ چکا تھا کہ لوگو! تم اس (سامری) کی وجہ سے فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب تو رحمٰن ہے پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔“

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

” بہت ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کے یہاں یہ غلط روایت اس وجہ سے مشہور ہوئی ہو کہ سامری کا نام بھی ہارون ہی ہو اور بعد کے لوگوں نے اس ہارون کو ہارون نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہو، لیکن آج عیسائی مشنریوں اور مغربی مستشرقوں کو اصرار ہے کہ قرآن یہاں بھی ضرور غلطی پر ہے۔ بچھڑے کو خدا ان کے مقدس نبی ہی نے بنایا تھا اور ان کے دامن سے اس داغ کو صاف کر کے قرآن نے ایک احسان نہیں بلکہ الٹا قصور کیا ہے۔ یہ ہے ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کا حال اور ان کو

نظر نہیں آتا کہ اسی باب میں چند سطر آگے چل کر خود بائبل اپنی غلط بیانی کا راز کس طرح فاش کر رہی ہے۔ اسی باب کی آخری دس آیتوں میں بائبل یہ بیان کرتی ہے حضرت موسیٰ نے اس کے بعد بنی لاوی کو جمع کیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ جن لوگوں نے شرک کا یہ گناہ عظیم کیا ہے انھیں قتل کیا جائے چنانچہ اس روز تین ہزار آدمی قتل کیے گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کیوں چھوڑ دیے گئے اگر وہی اس جرم کے بانی مبانی تھے تو انھیں اس قتل عام سے کس طرح معاف کیا جا سکتا تھا۔ آگے چل کر بیان کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خداوند کے پاس جا کر عرض کیا کہ رب بنی اسرائیل کا گناہ معاف کر دے ورنہ میرا نام اپنی کتاب سے مٹا دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اسی کا نام اپنی کتاب میں سے مٹاؤں گا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا نام نہ مٹایا گیا بلکہ اس کے برعکس ان کو ان کی اولاد کو بنی اسرائیل میں بزرگ ترین منصب یعنی بنی لاوی کی سرداری اور مقدس کی کہانت سے سرفراز کیا گیا۔ (گنتی باب ۱۸ آیت ۷-۱) کیا بائبل کی یہ اندرونی شہادت خود اس کے اپنے سابق بیان کی تردید اور قرآن کے بیان کی تصدیق نہیں کر رہی ہے؟'' (تلخیص تفہیم القرآن:۵۰۵)

[۵] یعقوب علیہ السلام کی سیرت کے چند قابلِ غور پہلو

سفر پیدائش میں یعقوب علیہ السلام کی جو سیرت مذکور ہے اس کا مختصر خلاصہ نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی ''عیسو'' کے پہلوٹھے کے حق کو دال کے عوض خرید لیا اور اپنے نابینا والد کو دھوکہ دے کر وہ برکت اور دعا حاصل کر لی جس کے حق دار پہلوٹھے ہونے کی بنا پر آپ کے بڑے بھائی عیسو تھے۔ آپ نے اپنے ماموں کے یہاں سات سال بکریاں چرائیں تاکہ ان کی چھوٹی بیٹی راحیل سے شادی کر لیں لیکن آپ کے ماموں نے دھوکہ سے ''لیا'' سے شادی کر دی۔ اور بالآخر راحیل سے شادی کی خاطر آپ نے سات سال مزید بکریاں چرائیں۔ جب نابلس کے امیر نے آپ کی بیٹی ''دینا'' کی عزت لوٹ لی تو آپ کے دونوں بیٹوں شمعون اور لیفی نے دھوکہ سے نابلس کے تمام مردوں کو قتل کر دیا اس واقعہ سے آپ کو بے حد صدمہ پہنچا۔ آپ نے اپنے پہلوٹھے بیٹے ''روبین'' کو اپنی منگیتر کے ہمراہ ہم بستر ہونے کی بنا پر انتہائی برا سلوک کیا۔ آپ کو سب سے زیادہ غم راحیل کی جدائی اور پھر یوسف علیہ السلام

کی گمشدگی سے ہوا البتہ یوسف علیہ السلام سے ملاقات کے بعد آپ بے حد مسرور ہوئے۔ اس خوشی میں آپ کی بصارت لوٹ آئی۔

پہلوٹھے کے حق کو غصب کرنے کی سیاست سفر پیدائش میں از اول تا آخر جاری دکھائی دیتی ہے۔ اور یعقوب علیہ السلام اس طرح کی تصویر پیش کرتے ہیں کہ دوسروں کے حق پر زیادتی کرنے کے وہ ہیرو ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے پوتے، یوسف علیہ کے بڑے لڑکے منسی کے پہلوٹھے کا حق یوسف علیہ السلام کے احتجاج کے باوجود بھی ان کے چھوٹے بیٹے "افرائیم" کو دے دیا۔ (دیکھیے باب ۱۹۔ ۴۸/۱۴)

یعقوب نے اپنے بڑے بیٹے کے پہلوٹھے کے حق سے بھی محروم کر کے اپنے چوتھے بیٹے یہوذاہ کو دے دیا کیوں کہ آپ کے بڑے بیٹے نے یعقوب علیہ السلام کی منگیتر بلہا سے ہم بستری کی تھی اور اس نے نفتالی کو بھی محروم کیا کیوں کہ وہ دوسرے سے افضل نہ تھا کیوں کہ اس نے بھی شامار کے ساتھ زنا کیا تھا جس سے وہ حاملہ ہوئی اور ایک بچہ جنا جو داؤد اور یسوع مسیح علیہ السلام کے جدامجد تھے۔

درحقیقت یہ دعویٰ کہ اس سفر کے کاتب نے یہ کلمات وحی والہام کی روشنی میں لکھے ہیں درست نہیں۔

سفر پیدائش کے مطابق یعقوب علیہ السلام نے بیک وقت دو بہنوں سے عقد کیا تھا درآنحالیکہ خود توریت میں یہ عمل حرام قرار دیا گیا ہے۔ سفر احبار میں ہے: "تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے۔" (باب ۱۸/۱۸)

مختصراً یہ کہ یوسف علیہ السلام اور بن یامین کے علاوہ یعقوب علیہ السلام کے بقیہ بیٹوں کی ایسی سوانح حیات درج کی گئی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ چرواہے، سنگ دل، جھوٹے، قاتل اور زانی تھے۔ گویا وہ کسی نبی کے خاندان کے فرد ہونے کے اہل نہ تھے۔

یہوذا کے تعلق سے سفر پیدائش باب ۳۸ میں ایک کسبی عورت کے ساتھ مباشرت کرنے کا تذکرہ ہے۔ اگر واقعتاً انھوں نے زنا کیا تھا تو پھر یعقوب علیہ السلام کو ان کو برکت عطا کرنا اس واقعہ سے متناقض ہے۔

[٦] یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں پر لوٹ مار کا الزام

کتاب پیدائش کے باب نمبر ۳۴ میں مذکور ہے کہ حمور کے بیٹے سکم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی دینہ سے زنا کیا اور یعقوب کے بیٹوں نے اس سے یہ مکر کیا کہ تو اور تیری تمام قوم اگر ختنہ کرے تو دینہ کی شادی تجھ سے کر دیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور ان بنی زادوں نے ایسا موقع پا کر اس کو اور اس کی تمام بے گناہ قوم کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا اور مال واسباب لوٹ لیا اور ان کی بیویوں اور بچوں کو غلام بنایا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے منع کرنا تو در کنار اس نالائق حرکت پر اپنی ناراضگی بھی ظاہر نہ کی۔

قرآن مجید میں آل یعقوب سے چوری کے اس الزام کی یوں نفی کی گئی ہے:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ (یوسف: ٧٣)

''انہوں (یعقوب کے بیٹوں) نے کہا خدا کی قسم تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چوریاں کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔''

یعنی مصر میں ہمارا چلن عام طور پر معلوم ہے، کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں کبھی شرارت کی، نہ ہم شرارتوں کے لیے یہاں آئے اور نہ چوروں کے خاندان سے ہیں۔

[٧] حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کی جھوٹی تہمت

سموئیل میں ہے: ''اور شام کے وقت داؤد (علیہ السلام) اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوب صورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا وہ العام کی بیٹی بنت سبع ہے جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے محبت کی پھر وہ اپنے گھر چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔''

(سموئیل ۲ باب ۱۱ آیت ۲-۵)

آگے یہ تذکرہ ہے کہ پھر داؤد علیہ السلام نے اس کے خاوند کو ایک مکر و تدبیر کر کے مروا ڈالا، جس پر ناتن نبی کی معرفت داؤد علیہ السلام پر بڑی زجر و توبیخ ہوئی۔

''قرآن مجید کے بیان سے جو واقعہ سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ داوٗد علیہ السلام نے اوریاہ سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ خواہش غالباً اس بنا پر تھی کہ انھیں اس خاتون کی خوبیوں کا کسی ذریعہ سے علم ہو گیا تھا اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ایسی لائق عورت ایک معمولی افسر کی بیوی ہونے کے بجائے ملک کی ملکہ ہونی چاہیے۔ پھر اس خواہش کے اظہار میں کوئی قباحت انھوں نے اس لیے محسوس نہیں کی کہ بنی اسرائیل کے یہاں یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی تھی لیکن چونکہ یہ خواہش ایک عام آدمی کی طرف سے نہیں بلکہ ایک جلیل القدر فرماں بردار اور ایک زبردست دینی عظمت رکھنے والی شخصیت کی طرف سے رعایا کے ایک فرد کے سامنے ظاہر کی گئی تھی اس لیے وہ شخص کسی ظاہری جبر کے بغیر بھی اپنے آپ کو اسے قبول کرنے پر مجبور پا رہا تھا۔ اس موقع پر قبل اس کے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی فرمائش کی تعمیل کرتا قوم کے دو نیک آدمی اچانک حضرت داوٗد علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے اور انھوں نے ایک فرضی مقدمے کی صورت میں یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت داوٗد علیہ السلام ابتدا میں تو یہ سمجھے کہ یہ واقعی کوئی مقدمہ ہے چنانچہ انھوں نے اسے سن کر اپنا فیصلہ سنا دیا لیکن زبان سے فیصلہ کے الفاظ نکلتے ہی ان کے ضمیر نے تنبیہ کی کہ یہ تمثیل پوری طرح ان کے اور اس شخص کے معاملہ پر چسپاں ہوئی ہے اور جس فعل کو وہ ظلم قرار دے رہے ہیں اس کا صدور خود ان سے اس شخص کے معاملہ میں ہو رہا ہے۔ یہ احساس دل میں پیدا ہوتے ہی وہ سجدہ میں گر گئے اور توبہ کی اور اپنے اس فعل سے رجوع فرما لیا۔'' (تلخیص تفہیم القرآن: ۷۰۹)

[۸] حضرت سلیمان علیہ السلام پر مشرک عورتوں سے شادی کرنے کی جھوٹی تہمت

کتاب اول سلاطین کے باب ۱۱ میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود سخت ممانعت کے موآبی اور عمونی وغیرہ بت پرست عورتوں کو بیوی بنایا اور خواہش نفسانی کو یہ طغیانی ہوئی کہ سات سو بیگمات اور تین سو حرموں تک نوبت پہنچی اور پھر ان پر یہاں تک عاشق اور مرید زن ہوئے کہ بتوں کی طرف مائل اور تعمیر بت خانوں میں مصروف اور شامل ہو گئے اور آخری عمر میں ایمان کو بھی سلام کر گئے۔ (سلاطین ۱۱-۱/۱۱)

یہ وہ سلیمان علیہ السلام ہیں کہ جن کی تصنیفات امثال و غزل الغزلات اہل کتاب میں الہامی مانی جاتی ہیں اور جن کے لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ''دیکھو میں نے عاقل اور سمجھدار دل

تجھ کو بخشا ہے ایسا کہ تیری مانند تجھ سے آگے نہ ہوا اور تیرے بعد تجھ سا برپا نہ ہوگا۔"

(سلاطین اول باب ۹/۲)

قرآن مجید نے آپ کو زن مریدی، عیش پرستی اور شرک و بت پرستی کے ان گھناؤنے الزامات سے بچایا ہے۔ انبیاء کرام کی جانب منسوب ان گھناؤنے واقعات سے درج ذیل چیزیں کھل کر سامنے آتی ہیں:

[۱] توریت کا محرف ہونا۔

[۲] قرآن مجید کا بنی اسرائیل پر یہ احسان عظیم کہ اس نے ان کے اکابر کا دامن خود ان کی پھینکی ہوئی گندگیوں سے صاف کیا اور یہ بنی اسرائیل کتنے احسان فراموش ہیں کہ اس پر بھی یہ قرآن اور اس کے لانے والے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

[۳] مذکورہ بالا تفصیلات سے مستشرقین کے اس اعتراض کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء کے قصے توریت اور تالمود سے لے لیے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ قرآن نے ان قصوں کی اصلاح کی ہے۔ ان میں در آئی تحریفات کا پردہ چاک کر کے انبیاء کرام کے اصل واقعات دنیا کو بتلائے ہیں۔

(۲) تلمود (The Talmud)

تلمود کے معنی یہودی شریعت و آداب کی تعلیم ہیں۔ تلمود کے دو حصے ہیں:

۱۔ متن: متن جس کو مشنا (The Mishnah) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی علم و آگہی یا بار بار دہرائی ہوئی شریعت کے ہیں۔

۲۔ شرح: اسے "گیمارا" کہتے ہیں اور اس کے معنی مکمل کرنے کے آتے ہیں۔

تلمود کی تدوین

تلمود عقیدہ و شریعت کی ان تشریحات اور ابحاث سے عبارت ہے جنھیں یہود کے مشہور فرقہ فریسیین کے علماء و احبار رازدارانہ طور پر اپنی قوم کو نسلاً بعد نسلٍ منتقل کرتے رہے، لیکن ان کے ضیاع اور تلف ہو جانے کے اندیشے کے پیشِ نظر پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں ان کی تالیف و تدوین یہودیوں کے عظیم ترین سربراہ یہوداہ ہاناسی کے زیر اشراف عمل میں آئی اور اس کا

نام ''مشنا'' رکھا گیا۔ پھر اس ''مشنا'' کی شرح کی گئی جس کو ''گیمارا'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔
''مشنا'' کی شرح کا سلسلہ چھٹی صدی کے اواخر تک فلسطین اور بابل دونوں جگہوں پر جاری رہا۔

مشنا کے اجزاء

دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں کے عظیم ترین سربراہ یہوداہ ہاناسی نے شریعت کے متعلق ان تمام تفاسیر کو اکٹھا کر دیا جو عزرا کے زمانے سے لکھی جا رہی تھیں۔ اس تفسیر کو چھ قسموں میں مدون کیا گیا اور اس مجموعے کو مشنا کا نام دیا گیا:

۱۔بذور: بندگی رب کے قوانین کے ساتھ زراعت سے متعلق قوانین کا مجموعہ۔
۲۔فصول: یہودی تیوہاروں اور سبت کے احکام کا بیان۔
۳۔عورتیں: نکاح وطلاق اور نذر و وصیت کے قوانین۔
۴۔سزائیں: مملکت اور تمدنی مسائل اور جنایات کا بیان۔
۵۔مقدس امور: قربانی کے قوانین اور ہیکل یوروشلم کا بیان۔
۶۔طہارت ونجاست کے مسائل

یہودی شریعت کی ان شفوی تشریحات اور ابحاث کو ان کی شرح کے ساتھ ''تلمود'' کا نام دیا گیا۔

تلمود کا تقدس

فرقۂ فریسیین کے نزدیک تلمود کو عظمت و تقدس کا مقام حاصل ہے کیوں کہ اس کی تدوین وتالیف اور تشریح کرنے والے علماء واحبار کا تعلق اسی فرقہ سے تھا جب کہ یہود کے دیگر فرقے اسے درخور استناد نہیں سمجھتے۔ فرقۂ فریسیین کے افراد کی تعداد ماضی میں زیادہ تھی اور آج بھی زیادہ ہے۔ یہ لوگ تلمود کو منزل من اللہ باور کرتے ہیں اور توریت کی بہ نسبت اسے زیادہ مقدس تصور کرتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق توریت کی تلاوت بھی یقیناً ایک لائق ثواب نیکی ہے لیکن مشنا کی تلاوت ایسی پر از ثواب نیکی ہے جس سے انسان اللہ کی نعمت و مغفرت کا حق دار ہو جاتا ہے رہی گیمارا کی تلاوت تو یہ نیکی کا سب سے بلند درجہ ہے۔

الغرض تلمود ان کے نزدیک بڑی مقدس کتاب ہے اور یہودیوں کی فتنہ پرور ذہنیت

اور شر پسند طبائع میں اسی مقدس کتاب کا عکس یا پرتو نمایاں نظر آتا ہے۔

تلمود کی انسانیت کش تعلیمات

- تلمود کے بیان کے مطابق یہود خدا کی نہ صرف محبوب و چہیتی قوم ہے بلکہ ان کی محبوبیت فرشتوں سے بھی زیادہ ہے کیوں کہ یہود میں خدا کا عنصر شامل ہے۔ رہیں دیگر قومیں تو وہ کتوں، گدھوں اور سور کے مانند نجس ہیں۔ ان کے مکانات جانوروں کی باڑ کی طرح نجس و ناپاک ہیں۔

روئے زمین پر جو کچھ ہے یہود کی ملکیت ہے۔ غیر یہود کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ یہود کا غصب شدہ مال ہے لہٰذا یہود پر جملہ وسائل و ذرائع سے اس کا لوٹا لینا واجب ہے۔

تمام ہی محرمات جیسے زنا، سود، قتل، چوری، غصب، دھوکہ دہی اور اذیت رسانی ان تمام ہی امور کا باہم تعامل یہود کے لیے حرام ہے لیکن غیر اسرائیلی کے ساتھ اس کا تعامل جائز ہی نہیں واجب بھی ہے۔

گری پڑی اشیاء اگر غیر یہودی کی ہوں تو اس کو لوٹانا قہر خداوندی کو دعوت دینا ہے۔ کیوں کہ اس سامان کو واپس لوٹانے کا مطلب کفار و مشرکین کی قوت میں اضافہ کرنا ہے۔

غیر یہودی پر لطف و رحم کرنا حرام ہے کیوں کہ غیر یہودی نہ صرف یہود کا بلکہ خدا کا بھی دشمن ہے۔ چنانچہ اگر کوئی کسی کنوئیں میں گرا ہوا مل جائے تو اس کو نکالنا گناہ ہے بلکہ ایسی صورت میں اس پر واجب ہے کہ بڑا سا پتھر اس کے سر پر ڈال دے۔

اسی طرح یہودی ڈاکٹروں کے لیے غیروں کا علاج کرنا حرام ہے حتی کہ اگر کوئی غیر اسرائیلی عورت دردزہ کی حالت میں پڑی کراہ رہی ہو تو اس کی مدد کرنا بھی حرام ہے۔

تمام ہی مذاہب کے ماننے والے بت پرست اور مشرک ہیں حتی کہ مسیح علیہ السلام بھی کفر و شرک کی جانب دعوت دینے والے اور ولد الزنا تھے اس لیے غیر یہودی خواہ مسیحی ہو یا کسی اور مذہب کا متبع، سب کے سب جہنمی ہیں۔ اسی لیے یہود کے یہاں جنت دوزخ کی وسعت کے مقابلہ میں لاکھوں گنا چھوٹی بیان کی گئی ہیں۔

تلمود کی ان انسانیت سوز تعلیمات کا یہودی نفسیات اور طبائع پر اچھا خاصا اثر پڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہود انسانیت، شرافت و فضیلت اور ہر خیر و بھلائی کے دشمن ہیں۔ ان کا مقصدِ زندگی ہی غیر اسرائیلیوں کے اخلاق و کردار کو خراب کر کے زیادہ سے زیادہ مال و زر جمع کرنا ہے۔

امت مسلمہ اگر اب بھی یہود کی مذکورہ بالا نفسیات سے متنبہ نہ ہوئی اور خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئی اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اللہ کے باغیوں کے ساتھ باغیوں جیسا معاملہ نہ کیا تو پھر عالم عربی اور عالم اسلام کی بھی اخلاقی فساد و بگاڑ اور ذہنی غلامی کے اعتبار سے وہی حالت ہوگی جو امریکہ اور یورپ کی ہوئی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: الیھود والیھودیہ: ۲۶، ۲۷۔ الیھودیۃ ۲۶۵۔ ۲۷۱، التلمود تاریخہ وتعالیمہ)

(۳) پروٹوکولس (Protocoles)

پروٹوکولس انگریزی لفظ ہے، اس کی واحد پروٹوکول ہے جس کے معنی دستاویزی شرائط کا مسودہ ہے۔

عرف عام میں پروٹوکولات سے مراد وہ وثائق ہیں جنھیں لیکچر کی شکل میں صہیونی رہنماؤں نے صہیونیوں کے سامنے پیش کیا تھا تاکہ وہ ان رہنما اصولوں کی روشنی میں پورے عالم کو زیر و سرنگوں کر سکیں۔

تدوین

یہ وثائق سوئزر لینڈ کے مشہور شہر "بال" میں ۱۸۹۷ء میں واقع صہیونیت کے اجلاس میں پیش کیے گئے تھے، جس میں دنیا کی مختلف پچاس یہودی جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ اس کے لکھنے والے غیر معروف ہیں۔

پرٹوکولات کا مقصد

صہیونیوں کو اس خطہ و منہج سے واقف کرانا ہے جس کے ذریعہ وہ پورے عالم کو سرنگوں اور زیر کر سکیں۔

۱۹۰۱ء میں پہلی بار دنیا والوں کو ان وثائق کی خبر ملی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک فرانسیسی عورت کسی صہیونی لیڈر سے پیرس میں اس کے ایک خفیہ اڈے میں ملنے گئی جہاں اس کی نگاہ ان وثائق پر پڑی جنھیں لے کر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ یہ وثائق شاہ زار کے زمانے میں روس کے ایک اہم منصب پر فائز شخص "الیکس نیقول" کے ہاتھ لگے۔ انہوں نے اس کے

خطرہ کا اندازہ لگاتے ہوئے اپنے ایک ادیب دوست "سرجی نیلوس" کے حوالہ کیا جس نے اس کا روسی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کے پیش لفظ میں اشتراکیوں کے ہاتھوں روس کی شاہی حکومت کے گرانے اور پھر پورے عالم میں اس اشتراکی حکومت کے ذریعہ قلق و اضطراب کی فضا پیدا کرنے کی پیشین گوئی کی۔ اسی طرح اس نے خلافت اسلامیہ کے سقوط، فلسطین میں مملکت بنی اسرائیل کے قیام اور یورپ کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں اور زمین داروں کے خاتمہ اور ایسی عالمی جنگوں کے برپا ہونے کی پیشین گوئی کی کہ جس میں دونوں فریق سراسر نقصان اور گھاٹے میں رہیں گے سوائے یہود کے۔

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۰۲ میں منظر عام پر آئی۔ جب یہود کی نگاہ اس پر پڑی تو ان کے ہوش و حواس غائب ہوگئے اور اس کتاب سے اپنی براءت کا اظہار کرنے لگے، لیکن ان کی سراسیمگی اس کتاب کی نسبت کے سچ ہونے پر دلالت کر رہی تھی۔

دوسری بار یہ کتاب ۱۹۰۵م میں منظر عام پر آئی، لیکن یہودیوں نے بازار سے اس کتاب کے تمام ہی نسخوں کو خرید کر جلا دیا۔ پھر تیسری بار ۱۹۱۱م میں چھاپی گئی لیکن اس ایڈیشن کے تمام نسخے بھی مذکورہ بالا طریقہ سے غائب کردیے گئے۔ اس کے بعد ۱۹۱۷م میں اس کا چوتھا ایڈیشن نکلا جس پر یہودیوں نے پابندی لگا دی کیوں کہ روس کی زمام کار شاہی حکومت کے زوال کے بعد انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ البتہ ۱۹۰۵م کا ایک نسخہ لندن پہنچا جس پر ۱۹۰۶م میں ورود کی مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ نسخہ یوں ہی لندن کی لائبریری میں روس میں اشتراکی انقلاب کے آنے تک پڑا رہا۔ انقلاب کے بعد ایک اخبار "مورننغ پوسٹ" نے اپنے ایک مراسلہ نگار "فکٹور ماڈسون" سے انقلاب کی تفصیلی رپورٹ چاہی۔ اس رپورٹ کی تیاری کے دوران اس کی نگاہ پروٹوکولات پر پڑی جس میں اشتراکیوں کے ہاتھ قیصر روس کے زوال کی پیشین گوئی پڑھ کر اسے ان وثائق کے خطرات کا اندازہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جس کے پانچ ایڈیشن نکلے۔ آخری ایڈیشن ۱۹۲۱م میں نکلا اس کے بعد برطانیہ اور امریکہ کے کسی ناشر کی جرأت نہ ہوئی کہ اس کتاب کو شائع کرسکے۔

یہود نے ان وثائق کو غائب کرنے کی پوری کوشش کی لیکن ان کی مسلسل کوششوں کے باوجود بھی یہ کتاب دنیا کی مختلف زبانوں جرمنی، فرانسیسی، اٹلی، یونانی اور دیگر زبانوں

میں شائع ہوئی۔

۱۹۱۲ م کے اس ایڈیشن کا پہلی بار ۱۹۵۱ م میں محمد خلیفہ التونسی نے عربی میں ترجمہ کیا جس کے پیش لفظ میں اس کتاب کی مختصر تشریح اور عصر حاضر میں مختلف حکومتوں میں یہود کی دخل اندازی اور اثر ورسوخ کی پوری وضاحت کی۔

پروٹوکولات کے مشتملات

[۱] یہود صدیوں سے پورے عالم پر غلبہ و اقتدار کے لیے منصوبے بنا رہے ہیں اور ہر زمانہ میں ان کے قائدین زمانہ کے احوال وظروف کے اعتبار سے اس میں تبدیلی کرتے رہیں ہیں۔

[۲] یہود ہمیشہ بادشاہوں کے زوال اور تمام عالم میں جمہوریت کے قیام کے لیے کوشاں رہے ہیں تاکہ ان حکومتوں میں یہودی مفادات کے تحفظ میں دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

[۳] تمام ہی حکومتوں میں اختلاف وافتراق کے بیج بونا اور انھیں پروان چڑھانا۔ یہ اختلاف وانتشار مختلف سیاسی ودینی جماعتوں اور کھیل کود کے مختلف کلبوں نیز محفلوں کے ذریعہ پھیلایا جاتا ہے۔

[۴] پورے عالم کی حکومتیں ظلم وفساد پر مبنی ہیں لہٰذا ان میں مزید اخلاقی فساد و بگاڑ پیدا کرنا تاکہ عالمی یہودی حکومت کا قیام ممکن ہو سکے، جس کا صدر مقام پہلے یروشلم میں ہوگا اور پھر روم میں۔

[۵] پوری کوشش ہو کہ نشر واشاعت کے تمام ادارے یہودیوں کے زیر تسلط رہیں نیز صحافت، مدارس، یونیورسیٹیاں، سنیما کی کمپنیاں، تجارت اور تمام ہی علوم وقوانین پر ان کی اجارہ داری قائم ہو سکے۔

[۶] یہود کے پاس سونے کے جو ذخائر موجود ہیں اس کے ذریعہ رائے عامہ کو بھڑکانے، نوجوانوں کو بے راہ رو بنانے، تمام ہی مذاہب اور قومیتوں اور لوگوں کے دینی ضمیر کو ختم کرنے، خاندانی نظام کو درہم برہم کرنے، عوام کے اندر شہوانی و ہیجانی جذبات کو برانگیختہ کرنے، فواحش و بے حیائی کو عام کرنے میں صہیونیوں کو مدد لینی چاہیے۔

[۷] عالمی معیشت کی بنیاد عمل وانتاج پر نہ رکھ کر سونے کے ذخیروں پر رکھی جائے نیز اقتصادی اعتبار سے عالمی سطح پر بے یقینی کی کیفیت پیدا کی جائے تا کہ دنیا کبھی امن وسکون سے ہم کنار نہ ہو سکے اور اپنے مصائب و پریشانیوں کے حل کے لیے یہودی مدد کی محتاج رہے نتیجتاً عالمی یہودی اقتدار کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔

[۸] یورپ کی تادیب وسرزنش اور اسے یہودی اقتدار کے سامنے جھکانے کے لیے امریکا، چین اور جاپان سے مدد لی جائے۔

(دیکھیے: مقدمہ پروٹوکولات حکماء صہیون ص ۱۳۱۔۴۰۔الیہودیۃ: ۲۸۰)

یہودی فرقے

۱۹۸ ق م میں فلسطین پر یونانیوں کے تسلط کے بعد دینی، مذہبی نیز سیاسی اعتبار سے یہود مختلف فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ان کے اہم فرقے درج ذیل ہیں:

(۱) شاسدیم (CHASIDIM)

شاسدیم کے معنی انقیاد کے آتے ہیں۔یہ لوگ توریت کی محافظت کے سلسلے میں انتہائی غیرت مند ہیں۔یہ فرقہ JANATHAN کے عہد میں قائم ہوا، جو داؤد علیہ السلام کے گہرے دوست تھے۔ان کے نمایاں عقائد درج ذیل ہیں:

[۱] توریت کے ساتھ ساتھ تلمود کے مقدس ہونے پر اعتقاد۔

[۲] حشر ونشر پر یقین۔

[۳] احبار وعلماء کی معصومیت کا اعتقاد۔

مسیح علیہ السلام نے چونکہ ان کے باطل افکار وعقائد اور اخلاقی فساد و بگاڑ پر شدید تنقید کی تھی اس لیے انجیل مرقس کے مطابق اس فرقہ نے مسیح علیہ السلام کے قتل کی سازش میں بھرپور حصہ لیا۔ہرکانوس کے عہد میں (۱۳۵۔۱۰۵ ق م) یہ فرقہ فریسیین کے نام سے معروف ہوا، جس کے معنی علیحدگی پسند کے آتے ہیں۔

(۲) صدوقیون

امام ابن حزمؒ کے بقول یہ فرقہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے کے ایک مشہور ومعروف

کاہن ''صدوق'' کی جانب منسوب ہے۔ یہ فرقہ نہ تو حشر ونشر پر یقین رکھتا ہے اور نہ ہی ارواح و ملائکہ پر، ایسے ہی یہ تقدیر کے بھی قائل نہیں ہیں۔
رہے مصادر تو عہد نامہ قدیم تو ان کے نزدیک معتبر ہیں لیکن تالمود کی قداست پر ان کا یقین نہیں۔

(۳) عنانیون

اس فرقہ کی بنیاد آٹھویں صدی کے اواخر میں شہر بغداد میں ''عنان بن داؤد'' کے ہاتھوں پڑی۔ انھیں ''قرائین'' بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ فرقہ صرف عہد نامہ قدیم پر یقین رکھتا ہے۔ اور ''قراۃ'' کے معنی کتاب یا مکتوب کے آتے ہیں اور لفظ کتاب یا مکتوب یہود کے یہاں عہد نامہ قدیم کے لیے مستعمل تھا۔

یہ فرقہ نہ تو تالمود کی قداست کا قائل ہے اور نہ ہی علماء واحبار کی معصومیت کا۔ اس فرقے کے افراد آج بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

(۴) سامرہ

یہ فرقہ بنو اسرائیل سے بالکل مختلف ہے۔ ان کا ایک خاص مرکزی معبد بھی ہے۔ کاہنوں کے سردار ''منسی'' نے ایک غیر یہودی ''سنبلط'' کی بیٹی سے شادی کرلی۔ چنانچہ یروشلم کے مذہبی رہنماؤں نے انھیں طلاق دینے یا ان کے مرکزی معبد کے پاس مذبح کے قریب نہ پھٹکنے کا حکم دیا۔ منسی طلاق دینے کے لیے رضامند ہوگئے لیکن ان کے خسر نے طلاق نہ دینے کی صورت میں 'جبل جرزیم' پر ایک خاص ہیکل بنانے کا عہد کیا۔ اور ۴۳۲ ق م میں انھوں نے جبل جرزیم پر ہیکل تعمیر کردیا جو آگے چل کر ہیکل سامری کی بنیاد بنا۔ ۱۰۰ ق م میں یہ فرقہ الغانیہ اور کوسانیہ میں تقسیم ہوگیا۔

یہودیوں نے انھیں یہودیت سے خارج کرنے کی پوری کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ علامہ بیرونی کا خیال ہے کہ بخت نصر کے یروشلم پر حملہ کے دوران اس فرقہ نے اس کے لیے جاسوسی کی تھی، جس کی وجہ سے یہ لوگ اس عام تباہی سے محفوظ رہ گئے تھے۔ آج بھی یہ نابلس کے علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد صرف ۳۴۷ ہے۔

موسوی شریعت کے عائلی قوانین

شادی کا حکم

شادی ہر اسرائیلی مرد و عورت پر فرض ہے۔ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے مرد کا تیرہ سال کا ہونا اور عورت کا بارہ سال کا ہونا ضروری ہے۔ بیس سال میں اگر کوئی مجرد رہ گیا تو وہ لعنت کا مستحق ہے۔ عقد نکاح کی صحت کے لیے دین و مسلک کا اتحاد بھی ضروری ہے، لاولد اور بیوہ عورت اپنے شوہر کے حقیقی بھائی یا علاتی بھائی کی شرعاً بیوی مانی جائے گی اور کسی دوسرے شخص کے لیے اس سے عقد درست نہ ہوگا الا آنکہ وہ شخص اس سے برأت کا اظہار کرے۔

صحت نکاح کی شرطیں

نکاح کی صحت کے لیے درج ذیل دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے:

[۱] دو گواہوں کی موجودگی میں شوہر کا اپنی بیوی کو انگوٹھی یا کوئی اور تحفہ دینا۔ عبرانی زبان میں اس مفہوم کی ادائیگی کہ: "بیوی کی حیثیت سے تم اس انگوٹھی کے ذریعہ مقدس و محترم ہوگئی۔"

[۲] وہیں مذہبی رہنماؤں کی موجودگی میں وثیقہ نکاح کی کتابت اور نماز و دعا کا اہتمام۔

شادی شدہ عورت کے تصرفات مجنوں اور نابالغ کے تصرفات کے مانند ہوں گے۔ اس کا خرید و فروخت کرنا درست نہ ہوگا الا آنکہ شوہر اس کی اجازت دے، عورت کسی چیز کی مالک نہ ہوگی، صرف اسے مہر کا حق ہوگا جس کا مطالبہ وہ شوہر کے مرنے کے بعد یا طلاق کے وقت کرسکتی ہے۔

تعدد ازدواج

موسوی شریعت میں ایک سے زائد شادی کرنا صحیح ہے بشرطیکہ شوہر نان ونفقہ کی ادائیگی اور بیویوں کے درمیان عدل وانصاف پر قادر ہو۔ فرقہ فریسین کے نزدیک زیادہ سے زیادہ چار شادی کی جاسکتی ہے جب کہ فرقۂ قرائین کے نزدیک اس کی کوئی معین حد نہیں ہے۔

طلاق

شریعت موسوی میں مرد کو بے پناہ اختیارات حاصل ہیں۔ وہ متعدد اسباب ووجوہ کی بنا پر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے البتہ طلاق شرعی عدالت میں دو گواہوں کی موجودگی میں تحریری شکل میں ہی دی جاسکتی ہے۔ علماء واحبار طلاق دینے سے پہلے اس شخص کو بلا سبب طلاق نہ دینے کی تلقین کرتے ہیں۔

حالت حیض میں بیوی سے مکمل اجتناب

اسلام اور ہندو دھرم کی طرح یہودیت میں بھی حالت حیض میں بیوی کے قریب جانا ممنوع ہے۔ البتہ یہودیت اس باب میں بے جا قیود عائد کرتی ہے۔ وہ حیض کو ایک طرح کا گناہ تصور کرتی ہے، جس کے لیے ربی (مذہبی عالم) کے سامنے اعتراف گناہ کی رسم کی ادائیگی ضروری ہے۔ توریت کی کتاب احبار میں ہے: "اور جب وہ (یعنی حائضہ عورت) اپنے جریان سے شفا پاجائے تو سات دن گنے تب اس کے بعد وہ پاک ٹھہرے گی اور آٹھویں دن وہ دو قمریاں یا کبوتر کے دو بچے لے کر ان کو خیمۂ اجتماع کے دروازہ پر کاہن کے پاس لائے اور کاہن ایک کو خطا کی قربانی کے لیے اور دوسرے کو سوختنی قربانی کے لیے گزارے۔ یوں کاہن اس کے ناپاک خون کے جریان کے لیے خداوند کے حضور اس کی طرف سے کفارہ دے۔" (باب ۱۵/ ۲۸۔۳۰)

نیز حالت حیض میں بیوی کے قریب جانا، کھانا پینا سب ممنوع ہے۔ موسوی شریعت میں ہے کہ یہود حائضہ عورتوں کے ساتھ نہ تو ایک گھر میں رہتے تھے اور نہ ہی ان کے قریب جاتے تھے اور نہ ہی ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ (سبل السلام ۱/ ۲۱۴) کیوں کہ توریت کے مطابق: "اگر کسی عورت کو ایسا جریان ہو کہ اسے حیض کا خون آئے تو وہ سات دن تک ناپاک رہے گی اور جو

کوئی اسے چھوئے وہ شام تک ناپاک رہے گا اور جس چیز پر وہ اپنی ناپاکی کی حالت میں سوئے وہ چیز ناپاک رہے گی اور جس چیز پر بیٹھے وہ بھی ناپاک ہو جائے گی اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے نہائے اور شام تک ناپاک رہے۔" (احبار، باب ۱۵/ ۲۰۔۲۳)

میراث کے قوانین

ترکہ کا سب سے زیادہ حق دار پہلا لڑکا ہے۔ اگر کئی لڑکے ہوں تو بڑے لڑکے کو اپنے بھائیوں کا دوگنا حصہ ملے گا۔ لڑکے خواہ عقد صحیح کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہوں یا غیر صحیح ان کے درمیان حصوں میں کوئی تفریق نہیں کی جائے گی۔ رہی لڑکیاں تو جوان میں بارہ سال کی نہ ہوئی ہوں انھیں نان ونفقہ اور تعلیم وتربیت کا حق حاصل ہوگا اور اگر میت کے لڑکا نہ ہو تو ترکہ پوتے کو ملے گا اور اگر پوتا بھی نہ ہو تو میراث بیٹی اور پھر اس کی اولاد تک منتقل ہو جائے گی۔ توریت کے بیان کے مطابق لڑکوں کے نہ ہونے کی صورت میں بیٹیوں کو میراث ملے گی۔ کتاب گنتی میں ہے:
"اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کا کوئی بیٹا نہ ہو تو اس کی میراث اس کی بیٹی کو دینا۔" (باب ۲۷/ ۹)

شریعت اسلامیہ کی طرح فرقہ قرائین کے نزدیک بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کو بھی حصہ ملے گا اور جائیداد وترکہ کی تقسیم "للذکر مثل حظ الانثیین" کے قاعدہ کے مطابق ملے گی۔ اگر میت کی ذریت نہ ہو تو اس کا ترکہ اس کے اصول (باپ، دادا اور چچا) کو اور اصول بھی نہ ہوں تو حواشی (چچا کے لڑکے وغیرہ) کو ملے گا اور عورت اپنے شوہر کے ترکہ کی حق دار نہ ہوگی، شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو صرف مہر ملے گی۔ اگر اس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ باقی ہوگی اور عورت کی بقیہ پوری جائیداد اس کے شوہر اور پھر وہیں سے اس کے ورثہ کی ہو جائے گی۔ اگر عورت اپنی مہر کا مطالبہ نہ کرے تو وہ اپنے ورثہ کے ساتھ زندگی گزارے گی اور ترکہ سے اسے کھانے کا حق حاصل ہوگا۔ اگر شوہر کے پاس کئی بیویاں ہوں تو نان ونفقہ کے استحقاق میں سب برابر ہوں گی، کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہ ہوگی۔

☆☆☆

مزید مطالعہ کے لیے

اردو

۱-دنیا کے بڑے مذہب: عمادالحسن آزاد فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
۲-یہودیت اور نصرانیت: سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی
۳-مطالعہ مذاہب: مظفرالدین صدیقی، لاہور
۴-دعوت، ''عالمی مذاہب نمبر''
۵-رسالہ گگن، ''مذاہب نمبر''

عربی

۱-الیھود: نشأتھم و عقیدتھم و مجتمعھم: زکی شنودة-ط ۱- مکتبہ نھضة مصر، ۱۹۷۴م۔
۲-اظھار الحق: رحمة اللہ الھندی۔
۳-اللّٰہ: عباس محمود العقاد۔
۴-خطر الیھودیة العالمیة علی الاسلام و المسیحیة: عبداللہ التل۔
۵-مقارنة الأدیان: الیھودیة: د۔ أحمد شلبی-ط ۴-النھضة المصریة-۱۹۷۴م۔
۶-الیھود فی تاریخ الحضارات الاولیٰ: غوستاف لوبون، ترجمة عادل زعیتر، طبعة عیسیٰ البابی الحلبی۔
۷-التوراة: عرض و تحلیل: د۔ فؤاد حسنین۔
۸-تاریخ بنی اسرائیل من اسفارھم: محمد عزة دروزة۔
۹-الادیان والفرق والمذاھب المعاصرة: عبدالقادر شیبة الحمد، مطبوعات الجامعة الاسلامیہ بالمدینة المنورة۔
۱۰-دراسات فی الیھودیة والمسیحیة: الدکتور ضیاء الرحمٰن الاعظمی، مکتبة الرشد۔
۱۱-الادیان المعاصرة: راشد عبداللہ الفرحان، الکویت۔
۱۲-الموسوعة المیسرة فی الادیان والفرق والمذاھب المعاصرة: الندوة العالمیة للشباب الاسلامی، الریاض۔
۱۳-الیھودیة: احمد شلبی۔

انگریزی

1- Berry: Religion of the World.
2- Reinach: History of Religion.
3- Smith J.W.d: God and Man in Early Israel.
4- Kirk: A Short History of the Middle East.
5- Max Margolis and Alexander Marx: A History of the Jewish People.

6- Hertzl: The Jewish State.
7- Weech: Civilization of Near East.
8- Wells: A Short History of the World.
9- Baron, Salo W. A Social and Religious History of the Jews. 3 Vols. New York: Columbia University Press, 1952.
10- Buber, Martin. Tales of the Hasidim. 2 Vols. New York: Schocken Books, 1948.
11- Cohen, A., ed. Everybody's Talmud. New York: Dutton, 1932.
12- Hertzberg, Arthur, ed., Judaism. New York: George Braziller, 1961.
13- Neusner, Jacob. Between Time and Eternity, the Essentials of Judaism. Encino, Calif.: Dickenson, 1975.
14- Trepp. Leo. Judaism: Development and Life. Encino.: Dickenson, 1966.

باب سوم

نصرانیت

تعریف

فلسطین کے صوبہ گلیلی کا ایک گاؤں "ناصرہ" ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔اس گاؤں کو نصوریہ اور نصرانہ بھی کہا جاتا ہے۔اسی گاؤں کی نسبت سے دین عیسوی کو نصرانیت کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف

مذہبی اصطلاح میں ان نصرانیوں کے دین کو نصرانیت کہا جاتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی لائی ہوئی انجیل کو بطور شریعت واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔

قرآن میں اس دین کے ماننے والوں کو نصاریٰ کہا گیا ہے اور اہل کتاب و اہل انجیل کے نام سے بھی ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔جب کہ مسیح علیہ السلام اور دین مسیحی کی نسبت سے یہ لوگ خود اپنے آپ کو مسیحی کہتے ہیں۔حالانکہ یہ نام نہ تو قرآن میں کہیں آیا ہے نہ حدیث میں اور نہ ان کے حالات و واقعات ہی کو اس نام سے کوئی مناسبت ہے۔

دینی خصوصیت

عیسیٰ علیہ السلام نسلاً اسرائیلی تھے۔بنی اسرائیل کی جانب ہی انھیں مبعوث بھی کیا گیا تھا اس لیے ان کی شریعت کوئی نئی شریعت نہیں تھی بلکہ شریعت موسوی کا تتمہ اور تکملہ تھی۔قرآن کہتا ہے:

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ ... تا ... هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ (آل عمران: ۴۸-۵۱)

"اور اللہ اسے کتاب و حکمت کی تعلیم دے گا، تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا۔عیسیٰ نے کہا دیکھو میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں... لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔لہٰذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو۔یہی سیدھا راستہ ہے۔"

یہی نصرانیت کی حقیقت اور اس کی اصل و اساس ہے، یعنی بنیادی طور پر وہ ایک آسمانی مذہب ہے جو اللہ کی عبادت اور توحید کی دعوت کے لیے برپا ہوا اور توریت و انجیل کی تعلیمات و ہدایات کے مطابق ہی زندگی کی تنظیمی بنیاد استوار کی۔

نصرانیت کے بارے میں قرآن کریم کی تقریر کا یہی خلاصہ ہے۔جہاں تک موجودہ اناجیل کا تعلق ہے وہ اگرچہ تحریف و تبدیل کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں، پھر بھی ان سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی دعوت کا مرکزی موضوع صرف دو چیزیں تھیں۔

[۱] ترغیبات و خواہشات سے توبہ کرکے شریعت موسوی کی روح کو اپنی زندگی میں اتارنا اور سمونا۔

[۲] اس بات کی بشارت کہ حکومت الٰہیہ کے قیام کا وہ وقت قریب آچکا ہے جب عدل و مساوات کا بول بالا ہوگا۔

دعوت مسیح کے یہ دونوں مرکزی موضوع عیسائیوں کے موجودہ عقائد کے یکسر منافی ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے ان عقائد کا انتساب محض افتراء و بہتان ہے۔

عقائد

عیسیٰ علیہ السلام توحید کا عقیدہ لے کر آئے تھے، لیکن نصرانیوں نے اسے غلط رخ دے کر بت پرستی میں تبدیل کر دیا جب کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا بت پرستی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔اس تحریف و انحراف کی ابتدا اس وقت ہوئی جب رفع مسیح کے بعد پولس نے نصرانی

مذہب قبول کیا یعنی محرف نصرانیت کے موجودہ عقائد رفع مسیح کے پانچ سو سال بعد کی پیداوار ہیں۔یہ عقائد تین ہیں:

[۱] تثلیث واتحاد [۲] عقیدہ صلب وفدا [۳] محاسبۂ مسیح

[۱] تثلیث واتحاد

عقیدۂ تثلیث ہی محرف نصرانیت کی اصل اساس ہے،جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تین کا تیسرا ہے۔یعنی اس کی تین اصلیں ہیں:[۱] اب [۲]ابن [۳] روح القدس

[۱]اب (باپ)

اب سے مراد ذات الٰہی ہے جو ابن اور روح القدس سے مجرد ومبرا علیحدہ صورت میں ہو۔یہی ابن کے وجود کا مبدأ ومنبع ہے حالانکہ وہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ وجود کے اعتبار سے اب کو ابن کے مقابلہ میں اولیت واسبقیت حاصل ہے بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اب کے ساتھ ابن بھی ازلی ہے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر اولیت واسبقیت نہیں رکھتا۔

[۲]ابن (بیٹا)

ابن سے مراد کلمۃ اللہ کا جسدی روپ ہے اور یہ جسدی روپ مسیح علیہ السلام ہیں۔

ان کا عقیدہ ہے کہ وجود کے اعتبار سے ابن واب دونوں ہمسر وہم مرتبہ ہیں۔ابن ہی سے اتمام تخلیق ہوا اور وہی انسانی روپ میں تمام انسانوں کا فدیہ بن کر روئے زمین پر آیا،لہٰذا قیامت کے دن وہی تمام انسانوں کے محاسبہ اور تطہیر کا ذمہ دار ہوگا۔

[۳]روح القدس

روح القدس سے مراد اب اور ابن کی صفت حیات ومحبت ہے۔اب اور ابن کے ساتھ یہ بھی ازلی ہے اور پیروانِ مسیح کی نصرت وتائید اس کا وظیفہ ہے۔

ان کے اس عقیدے کی رو سے اللہ کی تین شخصیتیں ہیں:ایک ذات الٰہی جس کو وہ اب کہتے ہیں،دوسرے کلمۃ اللہ جس کو ابن سے تعبیر کرتے ہیں،تیسرے اب وابن کی صفتِ حیات ومحبت جس کو روح القدس کا نام دیتے ہیں۔یہی تین کا مجموعہ ان کے نزدیک الٰہ واحد ہے اور یہ واحد تین کا مشترک ہے۔

اس عقیدہ کا مفہوم و مدعا اتنا گنجلک ہے کہ آج تک ایک چیستاں بنا ہوا ہے۔ نہ اجمالاً ہی اس کا کوئی مفہوم عقل وقیاس کو مطمئن کرتا ہے نہ تفصیلاً ہی اس کی کوئی معقول توجیہ ممکن ہے کیونکہ ایک کبھی تین نہیں ہو سکتا اور تین کبھی ایک نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے عیسائی علماء اس تثلیث واتحاد کی شرعی دلیل تو کجا عقلی دلیل بھی فراہم نہ کر سکے۔ ان میں جن لوگوں نے مثالوں کے ذریعے اس کی کچھ توضیح کی ہے وہ سرتاسر غلط ہے اور خود عیسائی عقیدہ کے خلاف ہے۔ اسی بنا پر اکثر کیتھولک عیسائی علماء نے اس عقیدہ کی تفسیر وتوضیح سے انکار کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ تین کو ایک ماننا اور ایک کو تین ماننا ایسا سربستہ جہانِ راز ہے جہاں انسانی عقل کی رسائی ممکن نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جو پیام توحید لے کر آئے تھے اسے انھوں نے پس پشت ڈال دیا اور بت پرستی اختیار کر لی، لیکن توریت وانجیل میں چونکہ بت پرستی جیسے مظاہر شرک کی سخت مذمت کی گئی تھی، اس لیے اپنی پیشانی پہ شرک کا داغ دیکھنا ان کو گوارا نہ ہوا اور آنکھ میں دھول جھونکنے کے لیے تثلیث کو توحید کا نام دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کی اصل حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ سرتاپا شرک ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المائدہ: ۷۳)

”یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس جس نے کفر کیا ہے اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔“

مزید فرمایا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ (المائدہ: ۱۷)

”یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے۔“

ان کا عقیدہ درحقیقت شرک کا عقیدہ ہے اور اللہ کو چھوڑ کر انھوں نے عیسیٰ مسیح علیہ

السلام کو اپنا معبود بنالیا ہے حالانکہ ان مشرکانہ عقائد کی تائید ان اناجیل سے بھی نہیں ہوتی، جس کی وہ تلاوت کرتے ہیں اور جس میں وہ تحریف کر چکے ہیں۔ پھر جن نصوص سے وہ ان مشرکانہ عقائد پر استدلال کرتے ہیں وہ ایسی اہم چیز کے اثبات کے لیے قابل اعتماد نہیں ہو سکتے، جب کہ ان کے مقابلہ میں مسیح علیہ السلام سے ثابت شدہ سیکڑوں نصوص اللہ کی وحدانیت کا اعلان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عقیدۂ تثلیث کی تردید

جن نصوص سے وہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی ابنیت والوہیت کے دلائل پیش کرتے ہیں وہ انجیل متی اصحاح ۲۶ فقرہ ۶۳- ۶۴ کی یہ عبارت ہے جس میں صدر کاہن کی زبانی یہ حکایت منقول ہوئی ہے کہ اس نے مسیح سے حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے پہلے کوئی جواب نہیں دیا، بالکل خاموش رہے، پھر صدر کاہن نے خدائے حی وقیوم کی قسم دے کر ان سے پوچھا کہ آپ ہمیں بتائیں کہ کیا واقعتاً آپ مسیح ابن اللہ ہیں؟ تب انھوں نے جواب دیا اور کہا: ”بات تمہاری بات ہے۔“

اس طرح انجیل ۳/۱۷ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہی میرا محبوب ہے جس سے میں خوش ہوں۔“

اسی طرح یوحنا کا آغاز بھی عجیب وغریب منطقی انداز سے ہوا ہے:

”ابتدا میں وہ کلمہ تھا، کلمہ اللہ کے پاس تھا اور کلمہ ہی اللہ تھا۔“

اسی انداز کی چند عبارتوں سے عیسیٰ مسیحؑ کی ابنیت والوہیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے، حالانکہ بے شمار نصوص اس بات کی کھلی شہادت دیتے ہیں کہ عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اس لیے ان صریح نصوص کے مقابلے میں مذکورہ چند مجمل عبارتوں سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

متی ۲۱/۱۱ میں ہے: ”انبوہ نے کہا، یہ عیسیٰؑ نبی ہیں ناصرہ گاؤں کے۔“

انجیل یوحنا ۶/۱۴ میں ہے: ”جب مسیحؑ کی پیش کی ہوئی نشانیاں لوگوں نے دیکھیں تو پکار اٹھے۔ سچ مچ یہ دنیا کا رسول بن کر آیا ہے۔“

ایک بات یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ انجیل میں لفظ اب کا استعمال اس شخص کے لیے بھی ہوا ہے جو ضروریات کی کفالت کرتا ہو اور جس کی وجہ سے اس کی اطاعت کی جاتی ہو، جیسا کہ

باپ بیٹوں کا معاملہ ہوتا ہے چنانچہ انجیل متی ۲۳/۹ میں ہے: ''تم زمین پر کسی کو اپنا حاجت روا مت کہو، تمہارا حاجت روا ایک اکیلا ہے جو آسمان پر ہے۔''

انجیل یوحنا ۲۰/۱۸ میں عیسیٰ کا یہ قول منقول ہے: ''جاؤ میرے بھائیوں کے پاس، ان سے کہو کہ میں اپنے اور تمہارے حاجت روا اور معبود کے پاس جا رہا ہوں۔''

لوقا ۱۱/۲ میں ہے: ''تب اس نے ان سے کہا، جب تم نماز ادا کرلو تو کہو ہمارا حاجت روا وہ ہے جو آسمان پر ہے۔''

اسی طرح لفظ ابن بھی اطاعت کرنے والے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ متی ۵/۹ میں مذکور ہے: ''مبارک ہو سلامتی کی کوشش کرنے والوں کو کہ وہ اللہ کے (ابن) اطاعت گزار ہیں اور اسی سے دعا مانگتے ہیں۔''

اس کے علاوہ انجیل میں اللہ کی الوہیت و وحدانیت کی جا بجا صراحت کی گئی ہے۔ انجیل مرقس ۱۲/۲۹ میں ہے: ''اے اسرائیل سنو! سب سے پہلی وصیت یہ ہے کہ ہمارا معبود رب واحد ہے، کاتب نے کہا، بجا ارشاد فرمایا آپ نے اے معلم اور حق بات کہی کیونکہ الٰہ ایک اللہ ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔''

ان صاف اور واضح عبارتوں کے مقابلے میں ان غموض کی تہ میں دبی ہوئی عبارتوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے، جس سے عیسائی تثلیث کا عقیدہ مستنبط کرتے ہیں جب کہ ان واضح عبارتوں کی تائید تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں کی تعلیم سے بھی ہوتی ہے۔

آگسٹائن نے ''تین اور ایک کے اتحاد'' کو عقلاً ثابت کرنے کے لیے کچھ مثالیں پیش کی ہیں۔ ان مثالوں کا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

(الف) آگسٹائن نے پہلی مثال یہ پیش کی ہے کہ انسان کا دماغ اس کے پاس علم کا ایک آلہ ہے۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ عالم، معلوم اور آلہ علم جدا جدا تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اگر آپ کو زید کے وجود کا علم ہے تو آپ عالم ہیں، زید معلوم ہے اور آپ کا دماغ آلہ علم ہے، گویا:

عالم (جس نے جانا).......................آپ

معلوم (جس کو جانا).......................زید

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا)............دماغ

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے دماغ کو خود اپنے وجود کا علم بھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں عالم بھی دماغ ہے اور آلہ علم بھی وہ خود ہی ہے۔ اس لیے کہ دماغ کو اپنا علم خود اپنے ذریعہ حاصل ہوا ہے، اس صورت میں واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ:

عالم (جس نے جانا)............دماغ

معلوم (جس کو جانا)............دماغ

آلہ علم (جس کے ذریعہ جانا)............دماغ

آپ نے دیکھا کہ اس مثال میں عالم، معلوم اور آلہ علم، جو درحقیقت تین جدا جدا چیزیں تھیں ایک بن گئی ہیں۔ عالم ایک الگ وجود تھا، معلوم الگ اور آلہ علم الگ۔ لیکن دوسری مثال میں یہ تینوں ایک ہوگئے ہیں۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ عالم کون ہے؟ تو جواب ہوگا کہ دماغ۔ کوئی پوچھے کہ معلوم کون ہے؟ تو اس کا جواب بھی دماغ ہی ہوگا۔ اگر کوئی پوچھے کہ آلہ علم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں بھی دماغ ہی کہا جائے گا، حالانکہ دماغ ایک ہی ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ یہ دماغ تین صفات رکھتا ہے۔ ان تین صفات میں ہر ایک کے حامل کو دماغ کہا جا سکتا ہے، لیکن اس بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دماغ تین ہیں۔ آگسٹائن کہتا ہے کہ اسی طرح خدا تین اقانیم سے عبارت ہے، ان تینوں میں سے ہر ایک خدا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تین ہیں، بلکہ وہ ایک ہی ہے۔ (آگسٹائن ۲/ ۷۹۲)

آگسٹائن نے یہ مثال پیش کر کے خاصی ذہانت کا مظاہرہ کیا، لیکن انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس مثال سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس مثال میں دماغ حقیقتاً ایک ہی ہے اور اس کی تثلیث اعتباری ہے، حقیقی نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عیسائی مذہب خدا میں توحید کو بھی مانتا ہے اور تثلیث کو بھی۔

اس کو یوں سمجھیے کہ مذکورہ مثال میں دماغ کی تین حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت سے وہ عالم ہے، دوسری حیثیت سے وہ معلوم ہے اور تیسری حیثیت سے وہ ذریعہ علم ہے۔ لیکن خارجی وجود کے لحاظ سے یہ تینوں ایک ہیں۔ عالم کا خارجی مصداق بھی وہی دماغ ہے جو معلوم اور ذریعہ علم کا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جو دماغ عالم ہے وہ ایک مستقل وجود رکھتا ہو، اور جو دماغ معلوم ہے وہ

دوسرا مستقل وجود رکھتا ہو اور جو دماغ آلہ علم ہے اس کا ایک تیسرا حقیقی وجود ہو، لیکن عیسائی مذہب میں باپ، بیٹا اور روح القدس محض خدا کی تین اعتباری حیثیتیں نہیں ہیں بلکہ تین مستقل وجود ہیں، باپ کا خارجی وجود الگ ہے اور روح القدس کا الگ، یہ تینوں خارجی وجود اپنے آثار و احکام کے لحاظ سے بھی بالکل الگ الگ ہیں۔ خود آگسٹائن اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں:

> ''یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی، اسے پنطیس پیلاطس نے پھانسی دی، اسے دفن کیا گیا اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت میں چلی گئی، کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں، صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے، اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا۔ بلکہ یہ واقعہ صرف روح القدس کا تھا، علیٰ ہذا القیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لیے بولے گئے تھے۔'' (آگسٹائن ۲/۲/۶۷)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب باپ، بیٹے اور روح القدس میں صرف اعتباری امتیاز کا عقیدہ نہیں رکھتا بلکہ ان کو تین الگ الگ حقیقی وجود قرار دیتا ہے۔ حالانکہ دماغ کی مذکورہ مثال میں عالم، معلوم اور آلۂ علم الگ الگ تین حقیقی وجود نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقی وجود کی تین اعتباری حیثیتیں ہیں۔ یہ بات کوئی ہوش مند نہیں کہہ سکتا کہ عالم دماغ مستقل وجود رکھتا ہے، معلوم دماغ دوسرا مستقل وجود اور آلہ علم دماغ ایک تیسرا مستقل وجود رکھتا ہے اور اس کے باوجود یہ تینوں ایک ہیں، حالانکہ عقیدۂ تثلیث کا حاصل یہ ہے کہ باپ کا ایک مستقل وجود ہے، بیٹے کا دوسرا مستقل وجود ہے اور روح القدس کا تیسرا مستقل وجود ہے اور اس کے باوجود یہ تینوں ایک ہیں۔

خلاصہ یہ کہ عیسائی مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا میں ''وحدت'' بھی حقیقی ہے اور کثرت (تثلیث) بھی، لیکن آگسٹائن نے جو مثال پیش کی ہے اس میں وحدت تو حقیقی ہے، مگر کثرت حقیقی نہیں ہے بلکہ اعتباری ہے، اس لیے اس سے تین اور ایک کا حقیقی اتحاد ثابت نہیں ہوتا۔ جہاں تک اللہ کے ایک وجود میں صفات کی کثرت کا تعلق ہے تو وہ محل نزاع ہی نہیں ہے، اس کے تمام مذاہب قائل ہیں، سب مانتے ہیں کہ اللہ ایک ہونے کے باوجود بہت سی صفات رکھتا ہے۔

وہ رحیم بھی ہے، قہار بھی، عالم الغیب بھی ہے، قادر مطلق بھی۔ اس طرح اس کی بہت سی صفات ہیں اور ان سے اس کی توحید پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اس لیے کہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ رحیم خدا کوئی اور ہے، قہار کوئی اور، اور قادر مطلق کوئی اور۔ اس کے برخلاف عیسائی مذہب یہ کہتا ہے کہ "باپ" الگ ایک خدا ہے، بیٹا الگ خدا ہے اور روح القدس الگ خدا ہے، اور اس کے باوجود یہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہے۔

(ب) آگسٹائن نے اسی طرح کی ایک اور مثال پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر انسان کا دماغ اپنی صفت علم سے محبت رکھتا ہے اور اس محبت کا اسے علم ہے۔ لہٰذا وہ اپنی علم کے لیے محب ہے، اور محبت کے لیے عالم ہے یعنی:

دماغ............ اپنے علم کے لیے............ محب ہے۔

دماغ............ اس محبت کے لیے............ عالم ہے۔

لہٰذا یہاں تین چیزیں پائی گئیں؛ دماغ، محب، عالم اور یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں۔ اس لیے کہ محب بھی دماغ ہے، اور عالم بھی دماغ ہے اور دماغ تو دماغ ہے ہی۔ اسی طرح خدا کے تین اقنوم ہیں: خدا کی ذات (باپ)، اس کی صفت علم (بیٹا) اور اس کی صفت محبت (روح القدس) اور یہ تینوں ایک خدا ہیں۔

اس مثال کی بنیاد بھی اس مغالطے پر ہے کہ دماغ ایک ذات ہے اور محب اور عالم اس کی دو صفتیں ہیں جن کا کوئی مستقل اور حقیقی وجود نہیں ہے، اس کے برخلاف عیسائی مذہب میں باپ ایک ذات ہے، اور صفت کلام (بیٹا) اور صفت محبت (روح القدس) اس کی دو ایسی صفت ہیں جو اپنا مستقل جوہری اور حقیقی وجود رکھتی ہیں۔ لہٰذا دماغ کی مثال میں وحدت حقیقی ہے، اور کثرت اعتباری یہ صورت عقلاً بالکل ممکن ہے اور عقیدۂ تثلیث میں حقیقی کثرت کے باوجود حقیقی وحدت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اور یہ بات عقلاً محال ہے۔

اگر عیسائی مذہب کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا ایک ذات ہے اور اس کی صفت کلام اور صفت محبت خدا سے الگ کوئی مستقل جوہری وجود نہیں رکھتیں۔ تب تو یہ مثال درست ہوسکتی ہے اور اس صورت میں یہ مسئلہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان مختلف فیہ نہیں رہتا۔ مشکل تو اس بات سے پیدا ہوئی ہے کہ عیسائی مذہب صفت محبت کو مستقل جوہری وجود قرار دیتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو

خدا کہتا ہے اور اس کے باوجود یہ کہتا ہے کہ یہ تین خدا نہیں ہیں۔ یہ صورت کسی طرح دماغ کی مذکورہ مثال پر چسپاں نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس مثال میں محبّ اور عالم کا دماغ سے الگ کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ جب کہ عیسائی مذہب میں بیٹا اور روح القدس باپ سے الگ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں۔

آگسٹائن نے اپنی کتاب میں انہی دو مثالوں کو اپنی ساری عقلی گفتگو کا محور بنایا ہے۔ لیکن آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ دونوں مثالیں درست نہیں ہیں۔ (عیسائیت کیا ہے؟:۲۶-۳۰)

(۲) عقیدہ صلب وفدا

اس کی حقیقت یہ ہے کہ تختۂ دار پر کھینچ کر کسی کو موت کی نیند سلا دیا جائے۔ یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ مسیحؑ کو تختۂ دار پر لے جا کر موت کی آغوش میں پہنچا دیا گیا۔ یہودی کہتے ہیں کہ مسیحؑ کافر ہو گئے تھے اس لیے تختۂ دار پر لے جا کر ان کو مصلوب کر دیا گیا اور وہ موت کی ابدی نیند سو گئے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو مصلوب ہوتا ہے وہ اللہ کا لعنت زدہ ہوتا ہے سفرِ تثنیہ اصحاح ۲۱،۱ میں ہے: ''جو انسان ایسا گناہ کرے جو اس کی موت کا سبب ہو تو اس کو تختۂ دار پر زیادہ دیر رکھنے کے بجائے فوراً دفن کر دینا چاہیے کیونکہ وہ ملعون من اللہ ہے۔''

نصاریٰ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسیحؑ کی موت مصلوب ہونے سے ہی ہوئی لیکن وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ انھوں نے مصلوب ہو کر تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا اور تمام بنی نوع انسان کی اس کی وجہ سے نجات ہو گئی ورنہ آدمؑ نے ممانعت کے باوجود درخت کا پھل کھا کر جو گناہ کیا تھا وہ تمام انسانوں کے سر جاتا اور اللہ کے قہر و غضب کو واجب کرتا، اس لیے ناگزیر تھا کہ درمیانی واسطہ بن کر کوئی گناہ کے اس بارگراں کو اٹھائے اور تختۂ دار پر مصلوب ہو کر جان دینے کے لیے رضا مند ہو۔ یہ درمیانی واسطہ ہی ابن اللہ ہے اور ابن اللہ ہی اللہ ہے، جو آسمان سے اتر کر اس لیے آیا تھا کہ صلیب پر جان دے کر تمام انسانوں کے گناہ کا کفارہ ادا کر دے اور انسان ابدی نجات سے ہم کنار ہو جائے۔ صلیب کے بارے میں نصرانیوں کا یہی عقیدہ ہے، اسی لیے وہ اس کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں اور اسے اپنا دینی شعار سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نصرانیوں کا دین و مذہب تمام تر اسی عقیدۂ صلب وفدا کی پیداوار ہے

اور اس عقیدہ کو اپنانے کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ عیسیٰ مسیحؑ کے مصلوب کیے جانے کے معاملے میں انھوں نے یہودیوں کی بات پر اعتماد کیا کیونکہ انھوں نے ہی انھیں مصلوب کیا تھا۔ چونکہ مصلوب ہونے کی وجہ سے وہ عہد قدیم کی رو سے مستحق لعنت خداوندی بنتے تھے، اس لیے لعنت کا یہ داغ دور کرنے کے لیے انھیں کفارۂ ذنوب کا عقیدہ تراشا پڑا کہ صلیبی موت لعنت نہیں بلکہ بنی آدم کے گناہوں کے کفارے کی رحمت و بشارت ہے۔

کفارۂ ذنوب کا عقیدہ انتہائی نامعقول ہے، اس پر بے شمار اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور کسی اعتراض کا کوئی معقول جواب نہیں بن پڑتا، اس پر طرّہ یہ کہ اناجیل میں واقعہ صلیب سے متعلق جو نصوص ہیں ان میں اتنا اضطراب ہے کہ ان سے کسی طرح استدلال نہیں کیا جا سکتا، پھر یہ اناجیل خود مشکوک و غیر معتمد ہیں (جس کی وضاحت آگے آرہی ہے)۔

عقیدۂ صلب وفدا پر وارد ہونے والے عام اعتراضات یہ ہیں:

[۱] مسیحؑ کا مصلوب ہونا ان کے بعد آنے والے تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہے تو ان انبیاء و صلحاء کا کیا ہوگا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

[۲] کسی شریعت کا یہ قانون نہیں کہ باپ کے گناہ پر بیٹے کا مواخذہ کیا جائے۔ خود توریت سفر تثنیہ ۲۴ میں ہے: ''باپ کو بیٹے کے عوض اور بیٹے کو باپ کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا، کسی انسان کو خود اس کے گناہ کے عوض ہی قتل کیا جائے گا۔''

[۳] آدمؑ نے توبہ کر لی تھی اور جنت بدر ہو کر اس گناہ کی سزا بھی کاٹ لی تھی، تو کیا یہ بات قرین انصاف ہوگی کہ ایک گناہ کی سزا دو بار دی جائے، جب کہ یہ سزا اولاد آدمؑ کو بھی انگیز کرنی پڑی کہ باپ کے ساتھ انھیں بھی جنت بدر ہونا پڑا، حالانکہ ان کو سزا دینا مقصود نہیں تھا۔

[۴] آدمؑ کے کفارۂ گناہ کے لیے کسی کا جان دینا ضروری بھی نہیں تھا، اللہ ان کی مغفرت بھی کر سکتا تھا۔

[۵] آدمؑ اور عیسیٰؑ کے درمیان طویل مدت کا وقفہ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طویل عرصے میں اللہ کو اس حیلہ کی کیوں نہ سوجھی، کیا وہ اتنے دنوں تک حیراں و سرگرداں رہا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

[۶] عیسیٰؑ سے پہلے بہت سارے انبیاء گزرے، اگر یہ بات صحیح تھی تو کیوں کسی نبی

نے نہ اس گناہ کا تذکرہ کیا اور نہ ہی اس سے مغفرت کی دعا مانگی۔

[۷] مسیحؑ کو ابن اللہ مانا جائے تو پھر وہ بنی آدم کی جنس سے نہیں ہوں گے، اس لیے انھیں آدمؑ کے گناہ کی سزا دینا خلاف عدل و انصاف ہوگا۔ رہا انسانی روپ میں ان کے ظہور کا معاملہ تو کیا اس سے جنس تبدیل ہو جائے گی۔

[۸] اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مسیح ابن اللہ تھے اور مصلوب ہو کر بیچارگی و مظلومیت کی موت مرے تو سوال پیدا ہوگا کہ اس وقت اللہ کی رحمت جوش میں کیوں نہ آئی جب یہودی اور رومی ان کے ساتھ بے دردی کا سلوک کر رہے تھے۔

[۹] اگر مسیحؑ کی بعثت کا مقصد مصلوب ہو کر گناہ کا کفارہ ادا کرنا ہی تھا تو نصرانیوں کو یہودیوں کا سپاس گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے ان کے نبی کا مقصد بعثت پورا کر دیا۔

[۱۰] اگر عیسیٰؑ نے اپنی جان دے کر تمام انسانوں کے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا اور تمام انسانوں کو ابدی نجات سے ہم کنار کر دیا تو پھر ان پر ایمان لانے اور پیروی کرنے کی کیا ضرورت رہی۔

ان اعتراضات کا آج تک کوئی معقول جواب نہیں دیا جا سکا۔ اس لیے چار و ناچار کہنا پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ ایجاد بندہ کی قبیل سے ہے اور عقل و شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مسلمانوں کا صحیح اور برحق عقیدہ یہ ہے کہ مسیحؑ محترم اور مکرم نبی ہیں۔ یہودیوں نے کفر کا الزام لگا کر ان کو قتل کرنے کی جسارت کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا۔ قرآن کہتا ہے:

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاۢ ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

(النسآء:۱۵۷،۱۵۸)

"اور خود کہا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم، رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ فی الواقع انھوں نے نہ اُس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا، بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا

ہیں، ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے، محض گمان ہی کی پیروی ہے۔انھوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا، اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔

پھر آخری زمانے میں قربِ قیامت کے وقت سے کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، جیسا کہ متواتر روایات سے ثابت ہے۔

(۳) محاسبۂ مسیح

نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ ہی قیامت کے دن اعمال کا حساب لیں گے اور وہی اچھے برے اعمال کے مطابق جزا و سزا کا فیصلہ کریں گے۔ انجیل یوحنا میں عیسیٰؑ کی زبانی یہ قول منقول ہے:

''اور جس طرح باپ کی زندگی ذاتی ہے اسی طرح ان کی زندگی بھی ذاتی ہے اور ان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جزا و سزا دیں۔'' (الاصحاح:۵)

پال نے کرنتھیوں کو جو پیغام دیا ہے اس میں ہے:

''ہم سب کے لیے ناگزیر ہے کہ مسیح کی کرسی کے آگے پیش ہوں تاکہ وہ ہر شخص کو اس کے خیر و شر کے جسمانی اعمال کا بدلہ دے۔''

یوحنا جو سب سے اخیر میں لکھی گئی ہے یعنی ۹۵م یا ۹۸م میں صرف اسی انجیل میں اس عقیدہ کا ذکر ہے جب کہ دیگر اناجیل میں اس عقیدے کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ پال یہودی وہ پہلا شخص ہے جس نے نصرانیت کو اس کے صحیح رخ سے پھیرا اور مسیح علیہ السلام کی الوہیت اور قیامت کے روز ان کے حساب و کتاب لینے کے عقیدے کا اعلان کیا جب کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کے حساب و کتاب کا مالک ہے اور ہر قوم کے نبی و رسول اس کے گواہ ہیں۔

جنت و دوزخ کا عیسائی عقیدہ

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ یہودیوں کی کتاب میں آخرت پر ایمان لانے کی بات مذکور نہیں ہے۔ اس کے برعکس نصرانیوں کے یہاں حساب و کتاب اور جزا و سزا کا ذکر ملتا ہے۔ جو نیکوکار ہوگا اس کو جنت اور جو بدکار ہوگا اس کو دوزخ کا ٹھکانہ ملے گا۔ جزا و سزا ابدی و دائمی ہوگی۔

انجیل متی میں اہل یسار "برے لوگ" کے بارے میں آیا ہے: "یہ لوگ ابدی عذاب میں رہیں گے اور اہل یمین نیکو کار ابدی زندگی کی شادکامیوں میں۔"

غرض اکثر نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ جنت جسم وروح کی نعمت گاہ ہے اور دوزخ جسم و روح کی اذیت گاہ و دارالعذاب۔ بہت کم نصرانی جنت میں اکل وشرب ونکاح کے منکر ہیں۔

نصرانیت کے مصادر

نصرانیت کے دواہم مصادر ہیں:[۱] عہد قدیم [۲] عہد جدید

عہد قدیم سے مراد توریت اور اس سے ملحق کتابیں ہیں۔نصرانی عہد قدیم کو مقدس تصور کرتے ہیں،لیکن اس کی تشریعی حیثیت کو واجب الاتباع نہیں مانتے۔

عہد جدید سے مراد اناجیل اربعہ (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) اور اس سے ملحق رسائل ہیں۔نصرانی اسے مقدس اور واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔

اناجیل کی تاریخی حیثیت

انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے جو بشارت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔اصطلاح میں انجیل اس کتاب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی اور جس پر عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو عمل کرنے کی دعوت دی۔نصرانیوں کے پاس اس انجیل کا کوئی نام ونشان نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے بجائے ان کے یہاں ان چار اناجیل کا رواج ہے جو ان لوگوں سے منسوب ہے جن کو نصرانی "حواریٔ مسیح" کہتے ہیں۔ان چاروں میں کسی کی نسبت کوئی نصرانی عیسیٰؑ کی طرف نہیں کرتا۔اناجیل اربعہ میں عیسیٰؑ کی تاریخ پیدائش، حالات وواقعات کی تفصیلات کے ساتھ ان کے مواعظ وامثال، دعوتی خطبے اور یہودیوں سے ان کے مجادلہ کی روداد درج ہے، اسی طرح یہودیوں اور رومیوں کو گرفتار کرنا اور عدالتی کارروائی کرنا اور ان کے اپنے بیان کے مطابق ان کو سولی پر لٹکا کر موت کی نیند سلا دینا پھر ان کو آسمان پر اٹھالیا جانا اور اسی طرح کے دوسرے متعلقہ واقعات کی تفصیل درج ہے۔

اپنے مشمولات کے لحاظ سے یہ اناجیل کتب سیرت سے مشابہ ہیں،فرق صرف یہ ہے کہ ان کے مندرجات میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔مثلاً نصرانیوں کے درمیان اس بات میں

شدید اختلاف ہے کہ ان کے لکھنے والے کون ہیں اور وہ کب اور کس دور میں لکھی گئیں نیز ان کے مترجمین کون کون ہیں؟ ان اختلافات کے باوجود بھی نصرانی دعویٰ کرتے ہیں کہ انجیل تمام تر وحی و الہام پر مبنی ہے اور پوری دیانت وصداقت سے نقل ہوتی چلی آرہی ہے۔

اناجیل چار ہیں:

[۱] انجیل متی [۲] انجیل مرقس

[۳] انجیل لوقا [۴] انجیل یوحنا

(۱) انجیل متی

یہ متی حواری کی طرف منسوب ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامہ سے لے کر رفع سماء تک کے واقعات درج ہیں۔ ضمناً بہت سے احکام بھی آئے ہیں۔ اس کے کل باب ۲۸ ہیں۔

آپ ۱۲ حواریوں میں سے ایک ہیں۔ فلسطین کے شہر کفرناحوم میں رومی حکام کی جانب سے آپ عشر وصول کرنے پر مامور تھے۔ (انجیل متی: باب ۹/۹) رفع مسیح علیہ السلام کے بعد حبشہ میں سکونت اختیار کی جہاں ۷۰ م میں انتقال فرمایا۔

اس کتاب کی نسبت اس متی کی جانب درست نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے کیونکہ خود اس کے اندر متی حواری کے متعلق ایسے فقرے موجود ہیں جو کوئی مصنف اپنے متعلق نہیں لکھ سکتا۔ مثال کے طور پر یہ عبارت ملاحظہ ہو:

یسوع نے وہاں سے آگے بڑھ کر متی نامی ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اس سے کہا: ''میرے پیچھے ہولے۔ وہ اٹھ کر اس کے پیچھے ہولیا۔'' (حوالہ مذکور باب ۹/۹)

کیا کوئی مصنف اس انداز میں اپنا تذکرہ کرتا ہے، نیز متی نے اپنی کتاب میں مرقس (جو پطرس رسول کے شاگرد تھے) پر حد درجہ اعتماد کیا۔ تقریباً چھ سو آیات انجیل مرقس سے ماخوذ ہیں۔ (ازلیۃ الاناجیل ۱/۷ ۱۲) غور کیجئے کیا وہ شخص جس نے مسیح علیہ السلام کے احوال وظروف کا قریب سے مشاہدہ کیا ہو وہ ان امور میں اپنے ساتھیوں کے کسی شاگرد پر اتنا اعتماد کرسکتا ہے۔

یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اس انجیل کے زمانہ تالیف اور زبان میں بھی شدید اختلاف پایا

جاتا ہے۔ عام طور سے اسے ۳۷ م یا ۳۸ م یا ۴۳ م یا ۴۸ م یا ۶۱ م یا ۶۲ م یا ۶۳ م یا ۶۴ م کی تالیف مانا جاتا ہے۔ لیکن پروفیسر ہورنج کے بقول اس کا زمانۂ تالیف ۸۰ م سے ۱۰۰ م تک ہے (تاریخ الصحف السماویۃ: ۱۱۱) جب کہ ایرینوس اس کی زمانۂ تالیف کی تحدید ۸۵ م سے ۹۰ م کے درمیان کرتے ہیں۔ (قصۃ الحضارۃ۔ ۱۱/۲۰۸) غور کیجیے جب متی حواری کا انتقال عیسائی تاریخ کے مطابق ۷۰ م میں ہی ہو گیا تھا تو آخر نوے کی دہائی میں اس کی تالیف وہ کیسے کر سکتے ہیں۔

اس انجیل کی زبان کے بارے میں بھی مسیحی علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن بطریق کے بقول یہ انجیل عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی جب کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ اصلاً یونانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ جو لوگ عبرانی زبان میں اس کی تالیف کے قائل ہیں ان کے درمیان اس کے مترجم کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک رائے کے مطابق اس کے مترجم خود متی حواری ہیں جب کہ دوسری رائے کے مطابق اس کے مترجم یوحنا بن زبدی ہیں۔ (الیھودیۃ والمسیحیۃ ص: ۳۲۰) اور اس وقت اس کا اصلی نسخہ موجود نہیں ہے۔ ظاہر ہے جب اصلی نسخہ مفقود ہے تو اس امر کی تحقیق کہ ترجمہ درست و مناسب ہے اور آیا مترجم نے مؤلف کے صحیح مدعا و مفہوم کو پالیا ہے یا نہیں ایک مشکل امر ہے۔

(۲) انجیل مرقس

یہ انجیل مرقس کی جانب منسوب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری پطرس رسول کے شاگرد ہیں۔ اسکندریہ کا کلیسا انھوں نے ہی قائم کیا تھا۔ انھیں ۶۸ م میں قتل کیا گیا۔ ان کی انجیل سابقہ انبیاء کی بشارتوں سے شروع ہوتی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری کے سلسلے میں دی گئی تھی اور حضرت عیسیٰؑ کے رفع آسمانی پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں ۱۶ باب ہیں۔ انگریزی میں اسے MARK کہا جاتا ہے۔

اس انجیل کے زمانہ تالیف کے بارے میں بھی عیسائی محققین مختلف الرائے ہیں۔ ہورن کا خیال ہے کہ یہ انجیل ۵۶ م تا ۶۵ م کے درمیان لکھی گئی یا ۶۰ م یا ۶۳ م میں۔ مرشد الطالبین کے مؤلف اسے ۶۱ م کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ (محاضرات فی النصرانیۃ: ۴۴)

(۳) انجیل لوقا

یہ انجیل حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے واقعے سے شروع ہوتی ہے اور ۲۴ بابوں میں رفع آسمان تک کے واقعات واحکام درج ہیں۔

لوقا انطاکیہ کے رہنے والے تھے، پیشہ کے اعتبار سے طبیب تھے۔ پولس کے سفروں میں اس کے ساتھ رہے جیسا کہ کلسیوں کے نام خط (۴: ۱۴) اور رسولوں کے اعمال (م ۱۶) سے معلوم ہوتا ہے۔ تقریباً ۷۰ م میں آپ کا انتقال ہوا۔

بعض عیسائی محققین کا خیال ہے کہ آپ روم کے رہنے والے تھے اور آپ کا پیشہ مصوری تھا۔ ایسے ہی زمانہ تالیف میں بھی شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہورن کے بقول یہ ۵۳ م یا ۶۳ م یا ۶۴ م میں تالیف کی گئی۔ (حوالہ مذکور: ۴۵)

(۴) انجیل یوحنا

اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کے بعد کے حالات سے حضرت عیسیٰ کے رفع آسمانی تک کے حالات درج ہیں اور اس کے ۲۱ باب ہیں۔

عیسائی علماء اسے یوحنا حواری کی تصنیف قرار دیتے ہیں لیکن درج ذیل اسباب کی بنا پر اس کی نسبت یوحنا حواری کی جانب درست نہیں ہے۔

[۱] اس انجیل کے محتویات ومشتملات سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یوحنا اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں۔ جس چیز کی شہادت ظاہر دیتا ہو اس کے خلاف کوئی بات مانی نہیں جاسکتی تاوقتیکہ اس پر کوئی مضبوط اور قوی دلیل نہ ہو۔

[۲] اس انجیل میں چند ایسے فقرے ہیں جو اس کی نسبت کو یوحنا حواری کی جانب غلط قرار دیتے ہیں۔ اس انجیل کے باب ۲۱ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے:

> "یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے۔"

یہاں لکھنے والا یوحنا کے حق میں یہ الفاظ کہتا ہے کہ "یہ وہ شاگرد ہے جو شہادت دے رہا ہے اور اس کی شہادت (ضمیر غائب کے ساتھ) اور اس کے حق میں" ہم جانتے ہیں" کے الفاظ (صیغہ

متکلم کے ساتھ) کا استعمال بتاتا ہے کہ اس کا کاتب یوحنا حواری نہیں ہے۔ (اظہار الحق،۱/ ۳۵۹)

[۳] دوسری صدی مسیح میں جب اس انجیل کا انکار کیا گیا کہ یوحنا کی تصنیف نہیں ہے تو اس وقت آرینوس جو یوحنا کے شاگرد پولیکارب کا شاگرد ہے موجود تھا لیکن اس نے منکرین کے جواب میں قطعاً کوئی بات نہیں کہی۔ تو اگر یہ حقیقتاً یوحنا حواری کی تصنیف ہوتی تو انکار کی صورت میں آرینوس اس کی نسبت کی صحت کا ضرور اعلان کرتے۔ (محاضرات فی النصرانیۃ:۴۶)

[۴] اس انجیل کے جعلی ہونے کی سب سے بڑی شہادت اس کی داخلی شہادت ہے۔ اس کا بیان دوسری انجیلوں کے بیان سے نمایاں طور سے مختلف ہے اور اس میں ہیلینی فلسفے کا خاص طور پر فیلو کے فلسفیانہ افکار کا واضح عکس موجود ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ تمام تاریخی مواد کو ان فلسفیانہ اصطلاحات میں پیش کیا جائے جو اس زمانہ کے غیر یہودی عیسائیوں میں رائج تھے۔

(فلسفہ مذہب:۳۵۲)

اگر یہ یوحنا حواری کی تصنیف ہوتی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گلیل کا ایک ان پڑھ ماہی گیر (یوحنا حواری ایک ان پڑھ ماہی گیر تھے، رسولوں کے اعمال میں ہے "جب انھوں نے پطرس اور یوحنا کی دلیری دیکھی اور معلوم کیا کہ یہ ان پڑھ اور ناواقف آدمی ہیں تو تعجب کیا۔ باب ۴/ ۱۳) رومی فلسفہ کی دقیق اصطلاحات کا اپنی کتاب میں آخر کیسے ذکر کر سکتا ہے۔"

انہی اسباب کی بنا پر اب عموماً عیسائی محققین بھی اس انجیل کو دوسری صدی عیسوی کی قرار دیتے ہیں۔

اسٹالن کے نزدیک یہ کتاب اسکندریہ کے ایک مدرسہ کے طالب علم کی تصنیف ہے۔
محقق برطشنید لکھتے ہیں:

"یہ ساری انجیل، اسی طرح یوحنا کے تمام رسالے اس کی تصنیف قطعی نہیں ہیں بلکہ کسی شخص نے ان کو دوسری صدی عیسوی میں لکھا ہے۔" (اظہار الحق ۱/ ۱۵۶)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

"انجیل یوحنا بلا شک وشبہ جعلی ہے۔ اس کے مؤلف نے کتاب کے متن میں اپنے بارے میں یوحنا حواری ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کنیسہ نے بلا بحث وتحقیق مان لیا۔"

انسائیکلوپیڈیا آف فرانس میں ہے:

''اس انجیل اور عہد جدید کے تین اور رسائل کی نسبت یوحنا حواری کی طرف کی جاتی ہے لیکن عصر حاضر کی مذہبی بحثوں میں یہ نسبت غلط قرار دی جاتی ہے۔'' (الیھودیۃ والمسیحیۃ: ۳۲۷)

متن انجیل

آسمانی کتابوں کی ایک اہم خصوصیت ان کا تضاد و تناقضات سے پاک ہونا ہے۔ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء: ۸۲) ''اگر یہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔''

اس اعتبار سے اگر آپ اناجیل کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے کہ اناجیل ناقابل تشریح تناقضات و اختلافات سے پُر ہیں جسے عیسائی محققین تقریباً دو ہزار سال سے دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں (جیسا کہ پادری بوطرفی نے رسالہ ''الاصول والفروع'' میں اور پادری ابراہیم سعید نے بشارت لوقا کی شرح میں ایسی ہی بے فائدہ ہمت کی ہے) لیکن اب تک وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔

اناجیل میں موجود اختلافات و تضادات پر سب سے مفصل بحث مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے ''اظہار الحق'' میں اور امام ابن حزمؒ نے ''الفصل'' میں کی ہے۔

اختلافات و تضادات کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

[۱] اناجیل کی ظاہری شکل میں اختلافات

اناجیل اربعہ کے ابواب کی تعداد میں واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ اناجیل اربعہ میں سب سے طویل انجیل متی ہے۔ اس کے ابواب کی تعداد ۲۸ ہے جب کہ مرقس کے ابواب کی تعداد صرف ۱۶ ہے جو سب سے مختصر انجیل ہے۔ لوقا کے ابواب کی تعداد ۲۴ اور یوحنا کی ۲۱ ہے۔

[۲] نسب نامہ مسیح علیہ السلام میں اختلاف

متی اور لوقا میں عیسیٰؑ کا نسب نامہ مذکور ہے جب کہ مرقس اور یوحنا میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ متی میں ان کے نسب نامہ کی ابتدا ابراہیم خلیلؑ سے بتائی گئی ہے اور داؤدؑ سے ہوتے ہوئے یوسف نجار تک ان کا سلسلہ پہنچایا گیا ہے جنھوں نے بزعم نصاریٰ حضرت مریم علیہا الصلوۃ

والسلام کو پیغام نکاح دیا تھا جب کہ لوقا میں ان کے نسب نامے کا آغاز آدمؑ سے کیا گیا ہے اور ابراہیمؑ اور داؤدؑ سے ہوتے ہوئے یوسف نجار تک پہنچایا گیا ہے۔ متی اور لوقا میں نسب نامہ کا جو شجرہ دیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے:

	متی	لوقا		متی	لوقا
۱	عیسیٰ علیہ السلام	عیسیٰ مسیح	۳۹	یعقوب	ملیاہ
۲	یوسف	یوسف	۴۰	اصحاق	میناہ
۳	یعقوب	مالی	۴۱	ابرہام (۱۶۔انجیل متی باب ۱)	متاتا
۴	متان	متتاب	۴۲	....	ناثان
۵	الیعازر	لاوی	۴۳	....	داؤد
۶	الیود	ملکی	۴۴	....	یسی
۷	اخیم	ییناک	۴۵	....	عوبید
۸	صادوق	یوسف	۴۶	....	بوعز
۹	عازر	متاثیا	۴۷	....	سلمون
۱۰	الیاقیم	عاموس	۴۸	....	نحشون
۱۱	ابیہود	فاحوم	۴۹	....	عمینا داب
۱۲	زربابئیل	حسلی	۵۰	....	ارام
۱۳	شالتمیل	نجای	۵۱	....	حصرون
۱۴	یکنیا	مآت	۵۲	....	فارض
۱۵	یوشیا	متاتیا	۵۳	....	یہوداہ
۱۶	امون	شمعی	۵۴	....	یعقوب
۱۷	منسی	یوسف	۵۵	....	اضحاق

۱۸	حزقیا	یوذاہ	۵۶	ابرہام
۱۹	احاز	یوحنا	۵۷	تارح
۲۰	یوثام	ربسا	۵۸	ناحور
۲۱	عزیا	زربابل	۵۹	سروج
۲۲	الیاقیم	شلتائیل	۶۰	ترعو
۲۳	یہوشافت	نیری	۶۱	فالج
۲۴	آسا	ملکی	۶۲	عابر
۲۵	ابیا	اڈی	۶۳	شالح
۲۶	رحبعام	نحصم	۶۴	قینان
۲۷	سلیمان	المودام	۶۵	ارفکشاد
۲۸	داؤد ملک	عیر	۶۶	سام
۲۹	یسی	یوسی	۶۷	نوح
۳۰	عوبید	الیعازر	۶۸	لامک
۳۱	بوعز	یوریم	۶۹	شالح
۳۲	سلمون	متتاب	۷۰	اختوخ
۳۳	نحشون	لاوی	۷۱	بارد
۳۴	عمیناداب	شمعون	۷۲	مہللئیل
۳۵	ارام	یہوذاہ	۷۳	قینان
۳۶	حصرون	یوسف	۷۴	انوش
۳۷	فارض	یونان	۷۵	سیت
۳۸	یہوذاہ	الیاقیم	۷۶	آدم

(انجیل لوقا باب ۳/۱۴-۱۶)

دونوں کے شجرہ نسب میں یہ زبردست اختلاف اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ دونوں میں سے ایک تو یقیناً غلط ہے یا کم از کم دونوں ناقابل اعتبار ہیں۔ نیز یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دونوں نے ان کا نسب نامہ یوسف نجار تک پہنچایا ہے جسے وہ لوگ حضرت مریم کا شوہر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ وہ تو صرف ابن مریم ہیں۔

(۴) تدفین کے بعد آپ کے مقام ظہور میں اختلاف

واقعہ صلب کے بعد آپ کو یروشلم کے ایک غار میں دفن کردیا گیا۔ تین دن کے بعد آپ جی اٹھے لیکن آپ کا ظہور کہاں ہوا اس بارے میں چاروں اناجیل کے بیانات مختلف ہیں۔

انجیل متی میں ان کے ظہور کی جگہ گلیل (انجیل لوقا باب ۱/۲۸) اور لوقا میں یروشلم سے تقریباً سات میل دور اتاؤس نامی ایک گاؤں میں اور یوحنا کے بقول یہودیہ اور گلیل دونوں جگہوں میں اور مرقس کی روایت کے بموجب ان کا ظہور گیارہ شاگردوں کے درمیان ہوا تھا۔ (انجیل لوقا باب ۱۶/۱۴)

تدفین کے بعد قبر کی زیارت کرنے والوں کی تعداد میں اختلاف

مسیح علیہ السلام کو (ان کے اعتقاد کے مطابق) تدفین کے بعد ان کی قبر کو دیکھنے کے لیے جو لوگ آئے ان لوگوں کے بارے میں بھی انجیل میں مختلف اقوال ہیں۔ انجیل متی میں ہے: ’’سنیچر کے بعد ہفتہ کی پہلی صبح کو مریم مجدلیہ اور ایک دوسری مریم قبر کو دیکھنے آئیں۔ (انجیل لوقا باب ۱/۲۸) انجیل مرقس میں ہے کہ ’’سنیچر کا دن گزرنے کے بعد مریم اور مریم ام یعقوب اور سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ اس کو لے کر جائیں اور تیل بتی کریں اور ہفتہ کے دن صبح تڑکے قبر پر پہنچیں تب سورج طلوع ہوا۔‘‘ (انجیل لوقا باب ۱/۱۶)

انجیل لوقا میں ہے: ’’ہفتہ کے پہلے دن فجر کی پہلی ساعت میں ان خوشبودار چیزوں کو جو تیار کی تھیں لے کر قبر پر آئیں (اور ان کی تشریف آوری کے بعد) دو شخص براق پوشاک پہنے ان کے پاس آکر کھڑے ہوئے۔‘‘ (انجیل لوقا باب ۱/۲۴)

انجیل یوحنا میں ہے: ’’ہفتہ کے پہلے دن مریم گلینی ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئیں اور پتھر کو قبر سے ہٹا ہوا دیکھا۔‘‘ (انجیل لوقا باب ۱/۲۰)

ان مثالوں سے اختلاف کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ دو عورتیں تھیں، کوئی کہتا ہے کہ تین تھیں، کوئی کہتا ہے کہ صرف ایک عورت تھی جب کہ لوقا میں ہے کہ تمام عورتیں آئیں اور ان کے ہمراہ دوسرے لوگ بھی وہاں پہنچے، نیز کوئی کہتا ہے کہ صبح کے وقت آفتاب سے قبل آئیں اور کوئی کہتا ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد۔ ظاہر ہے ان بیانات میں سے کوئی ایک ہی صحیح ہوگا، چونکہ کسی روایت کو کسی روایت پر ترجیح دینے کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں اس لیے تمام ہی روایات غیر معتبر قرار پائیں گی۔

اسی طرح ہر انجیل میں مسیح علیہ السلام کے متعلق ایک مختلف کہانی کا اندراج ہے۔ چنانچہ تمام اناجیل میں کہیں کہیں مشابہت بھی ہے اور کہیں کہیں اختلافات بھی۔ اسی طرح واقعات کا تاریخی تسلسل بھی ان میں یکساں نہیں ہے۔ ظاہر ہے تناقضات اور اختلافات سے پر، تمدنی معاشرتی مسائل سے خالی، رشد و ہدایت سے عاری کتاب عقیدہ و مذہب کے معاملہ میں کیسے قابل اعتماد ہو سکتی ہے۔

اناجیل اربعہ اپنی پیشین گوئیوں کے آئینے میں

اناجیل اربعہ میں متعدد پیشین گوئیوں کا تذکرہ ہے لیکن اکثر پیشین گوئیاں غلط اور جھوٹی ثابت ہوئیں جن سے الہام کے دعویٰ کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔ ذیل میں کتاب مقدس کی چند پیشین گوئیوں کا ذکر کر کے ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

۱۔ انجیل متی میں مذکور ہے کہ مسیح کے معاصرین اپنی موت سے پہلے مسیح کو دوبارہ دنیا میں آتے ہوئے ضرور دیکھیں گے۔

> ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے۔''
>
> (انجیل متی ۱۶/۲۸)

یہ نص کیسے درست ہو سکتی ہے جب کہ مسیح کے معاصرین مر گئے اور مسیح اب تک دنیا میں تشریف نہ لائے۔

[۲] متی نے اپنی انجیل میں قیامت کی ہولناکیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے پہلی صدی مسیح میں اس کے وقوع کی خبر ان الفاظ میں دی ہے: ''اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد

سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی .... میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہو لیں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی۔'' (ایضاً ۲۴ر ۲۵۔ ۳۴)

غور کیجئے ہم بیسویں صدی کے آخری دہانے پر ہیں اور دنیا اب تک قائم ہے مسیح کے معاصرین کب کے گزر گئے اور قیامت کا ابھی دور تک نام ونشان نہیں ہے۔

[۲] اناجیل کی غلط پیشین گوئیوں میں سے یہ پیشن گوئی بھی ہے کہ جو انجیل پر ایمان لائے گا اسے نہ تو سانپ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی زہریلی چیز:

''اور اس نے اس سے کہا کہ تم دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو۔ جو ایمان لائے اور بپتسمہ لے وہ نجات پائے گا اور جو ایمان نہ لائے وہ مجرم ٹھہرایا جائے گا اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے کہ وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے، نئی نئی زبانیں بولیں گے، سانپوں کو اٹھائیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا، وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے۔'' (انجیل مرقس ۱۶/۱۶۔۱۸)

کاش کوئی مسیحی ان ثمرات کا تجربہ کرتا، ظاہر ہے اس سے بڑھ کر جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی مسیحی آج تک اپنی سیکھی ہوئی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں گفتگو کرتے ہوئے نہیں پایا گیا اور نہ ہی کسی مسیحی سے جنوں کو بھگانے اور امراض سے شفا دینے کا عمل صادر ہوا اور نہ ہی کوئی سانپ و زہر کے اثرات سے محفوظ رہا بلکہ اس کے برعکس خود ان کا یہ اعتراف موجود ہے کہ انجیل یوحنا کے مؤلف کی موت زہر سے ہوئی تھی۔

سند و متن کے اعتبار سے اناجیل کے مذکورہ جائزہ سے درج ذیل نتائج نکلتے ہیں:

[۱] موجودہ اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مرتب کی گئیں۔

[۲] ان اناجیل کی نسبت ان کے مصنفین (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) کی جانب مشکوک ہے۔

[۳] اناجیل کے موجودہ نسخے سب کے سب یونانی زبان میں پائے جاتے ہیں جب کہ مسیح اور ان کے حواریوں کی زبان آرامی تھی۔

[۴] اناجیل کے لکھنے والوں کی ثقافت و علمی مہارت میں اختلاف کا واضح اثر ان

کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ بیان و ترتیب اور تعلیمات میں بے حد اختلاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواریوں کی زندگی کے حالات اور ان کے اقوال کا مجموعہ ہے یہ اور بات ہے کہ سیرت کی کتاب کی حیثیت سے بھی یہ کتابیں حد درجہ غیر مکمل ہیں۔ ہمارے یہاں تاریخ و سیرت کا جو نرم معیار روایت اختیار کیا گیا ہے اناجیل اس پر بھی پوری نہیں اترتیں، مزید برآں انسانی آمیزش کے نتیجہ میں اس کتاب مقدس میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن سے انبیاء کرام کی عظمت وعصمت دونوں مجروح ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کتابوں کو ہم وہ انجیل نہیں کہہ سکتے جس کا قرآن مجید میں ہر جگہ صیغۂ واحد سے ذکر کیا گیا ہے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔

اناجیل کا تنقیدی جائزہ اور مسلم مصنفین

علماء اسلام نے آغاز سے ہی ردمسیحیت کی جانب خصوصی توجہ دی ہے اور اناجیل کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، چنانچہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں اناجیل کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد ان کے مضامین اور قرآن مجید کے مضامین میں باہمی فرق پر بحث کی ہے۔ مسعودی نے مروج الذھب حصہ دوم میں مسیحی عقائد و بیانات کے متناقض اور مشکوک حصوں پر سخت گرفت کی ہے۔ اسی طرح البیرونی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''الآثار الباقیۃ'' میں اناجیل اربعہ کے اختلاف و تناقضات کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اناجیل اربعہ دراصل انجیل کے چار نسخے ہیں۔ ایسے ہی علامہ ابن حزم نے ''الفصل فی الملل والاھوا والنحل'' میں تحریف بائبل کے متعلق بڑا قیمتی مواد فراہم کیا ہے۔ اسی طرح شہاب الدین القرافی نے ''الاجوبۃ الفاخرۃ'' میں، ابن تیمیہ نے ''الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح'' میں، علامہ ابن قیم الجوزیہ نے ''ھدایۃ الحیاری'' میں، حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں، مولوی رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی نے ''ازالۃ الشکوک'' میں، عبدالحق دہلوی نے اپنی تفسیر ''فتح المنان'' معروف بہ تفسیر حقانی میں، تحریف بائبل اور مسیحی عقائد میں انحراف پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ ۳/۳۱۷۔۳۱۹)

انجیل برناباس

برناباس کا اصل نام یوسف، لقب ابن وعظ نسبت لاوی اور قومیت قبرصی ہے۔ انجیل کے مصنف مرقس کا ماموں ہے، نصرانیت کا داعی اول سمجھا جاتا ہے۔ اس کی تحریر کردہ انجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کا بڑا گرامی منزلت حواری ہے اور نصرانی اس کا شمار ان داعیوں میں کرتے ہیں جن کی دعوتی سرگرمیاں بہت بارآور ہوئیں اور نصرانی مذہب کو ان سے تقویت حاصل ہوئی، اس کی یہ قربانی یادرکھے جانے کے لائق ہے کہ اپنی تمام جائیداد بیچ کر اس نے دعاۃ اور واعظین کے نظم وانصرام کا بار اٹھایا۔ (اعمال ۴/۳۶-۳۷)

یہ کارنامہ بھی اسی کا ہے کہ جب حواری شاؤل یہودی (پولس) سے ڈرتے تھے تو اس نے رام کر کے اس کو حواریوں کی خدمت میں بھیجا تھا (اعمال ۹/۳۶) پھر دعوتی جدوجہد کے کچھ ایام کے بعد برناباس سے اس کا اختلاف ہوا اور دونوں علاحدہ ہو گئے۔ (اعمال ۱۵/۳۵-۴۱)

انجیل برناباس کا تاریخی پس منظر

سب سے پہلے اس کا چرچا اس وقت ہوا جب ۴۹۲ء میں بابائے اعظم گلاسیوس نے چند کتابوں کے مطالعہ کو ممنوع وحرام قرار دیا۔ ان ممنوعہ کتابوں میں برناباس کی انجیل بھی تھی۔ یہ بعثت نبوی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ پھر سولہویں صدی عیسوی کے اواخر تک ان کے حالات و واقعات پر پردہ پڑا رہا یہاں تک کہ ایک لاطینی راہب فرامرینو کو آرینوس بشپ کے ان رسائل کی معلومات حاصل ہوئی جن میں انھوں نے پولس کی مذمت کی تھی۔ بشپ آرینوس نے اس مذمت و تردید کو برناباس انجیل کی جانب منسوب کیا تھا اس لیے اس راہب کو برناباس انجیل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ پوپ اسکٹس پنجم کا منظور نظر ہو گیا تھا۔ ایک دن اس کے ساتھ اس کے کتب خانہ میں جانے کا اس کو موقع مل گیا۔ وہاں پوپ کو نیند آئی اور وہ سو گیا۔ اب وقت گزارنے کے لیے فرامینو اس کے کتب خانہ کا جائزہ لینے لگا اسی دوران وہ کتاب اس کے ہاتھ لگی۔ اس نے اس کتاب کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر چھپا لیا۔ ا ب بیدار ہوا تو اجازت لے کر باہر آیا اور باتمام شوق اس کا مطالعہ کرنے لگا۔ پھر اس کے بعد س نے اسلام قبول کر لیا۔ مستشرق سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں یہ معلومات درج

کی ہیں اور بتایا ہے کہ مصطفیٰ عرندی نے یہ واقعہ ہسپانوی نسخے کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے۔

پھر ۱۷۰۹ء میں روس کے شاہی مشیر کریمر کو اٹلی میں ایک نسخہ کا پتہ چلا وہ اس وقت ایمسٹرڈم کے کسی صاحب حیثیت آدمی کے یہاں مقیم تھا، اسی کے کتب خانہ میں یہ نسخہ اس کو ملا۔ کریمر نے یہ نسخہ شہزادہ آیوجین سافوی کو تحفہ کے طور پر دے دیا کیونکہ وہ علمی نوادرات اور تاریخی آثار کا بڑا دلدادہ تھا۔ پھر ۱۷۳۸ء میں شہزادہ کے کتب خانہ کے ساتھ یہ نسخہ بھی آسٹریا کے پایہ تخت وانا کے شاہی کتب خانہ میں داخل ہوگیا اور وہ اب تک وہیں ہے۔ اسی سے ڈاکٹر منکھوس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا، پھر لبنان کے ایک عیسائی ڈاکٹر خلیل سعادت نے اس کا عربی ترجمہ کیا جسے علامہ رشید رضا مصری نے ۱۹۰۸ء میں اپنے ایک مقدمہ کے ساتھ شائع کردیا۔ یہ عربی ترجمہ جب ہندوستان میں پہنچا تو مولوی محمد حلیم انصاری ردولوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۹۱۶ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس کا ایک دوسرا نسخہ اسپین میں ہے۔ اٹھارہویں صدی کے اوائل میں اس کا علم ہوا۔ گمان غالب ہے کہ یہ اٹلی والے نسخہ کی نقل ہے۔ یہ نسخہ ہڈلی کے مقام پر ڈاکٹر ہلمن کو ملا تھا۔ انھوں نے اسے ہدیۃً ڈاکٹر سیل کو دیا۔ انھوں نے اس کے ترجمہ کے ساتھ یہ نسخہ آکسفورڈ یونیورسٹی (برطانیہ) کے مشہور استاذ ڈاکٹر ہیوات کو پیش کردیا۔ یہ نسخہ مع ترجمہ ان ہی کے پاس مخفی رہا۔ ڈاکٹر خلیل سعادت نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر ہیوات کے اسباق میں اس نسخہ کے بہت سے ٹکڑے پائے جاتے ہیں۔ (یہ پوری تفصیل ڈاکٹر سعادت نے انجیل برناباس کے عربی ترجمہ کے مقدمہ میں ذکر کی ہے)

یہ انجیل منظر عام پر آئی تو عیسائی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی کیونکہ اس میں جو معلومات تھیں وہ ان کے عقائد کے منافی تھیں۔ انھوں نے مختلف ذرائع سے اس کے دفاع کی کوشش کی۔ ایک بات تو انھوں نے یہ کہی کہ یہ کسی عرب مسلمان یا اندلسی یہودی کی تالیف ہے جو عیسائی ہونے کے بعد پھر مسلمان ہوگیا۔ ڈاکٹر سعادت نے نصرانیوں کے اس دعویٰ کی دو دلیلیں پیش کی ہیں:

[۱] برناباس کے اطالوی نسخہ پر بعض عربی حاشیے پائے جاتے ہیں۔

[۲] اس کتاب میں محمد ﷺ کی آمد کی پیشین گوئیوں میں آپ کے حلیہ اور صفات کے تذکرہ کے بجائے صاف صاف نام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اٹلی کے نسخہ پر بعض عربی حواشی کی موجودگی صرف اس پر

دلالت کرتی ہے کہ جن لوگوں نے اس نسخہ کو پڑھا ہے ان میں کوئی عربی زبان سے بھی واقف رہا ہوگا اور عربی زبان سے اس کی واقفیت بھی سطحی اور سرسری ہی رہی ہوگی کیونکہ حواشی پر موجود عربی جملے بے شمار نحوی وصرفی غلطیوں سے پُر ہیں۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ حواشی پر موجود بعض عربی عبارتوں کو اس کتاب کے مؤلف کے مسلم ہونے پر بطور دلیل وشہادت کے تو پیش کیا جائے لیکن پورے متن کے اٹلی زبان ہونے کے باوجود اسے کسی مسیحی عالم کی تصنیف نہ مانا جائے۔

رہی دوسری دلیل تو وہ بھی درست نہیں، کیونکہ بائبل میں کئی عظیم الشان پیغمبروں کی آمد کی پیشین گوئی ان کے نام ولقب کو بتا کر کی گئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

[۱] کتاب یسعیاہ میں حضرت یسعیاہ علیہ السلام کی زبانی حضرت مسیح علیہ السلام کے سلسلہ میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے "دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور اس کا نام عمانوائیل رکھے گی۔" (یسعیاہ ۷/۱۴)

[۲] زبور میں ہے: "قومیں کس لیے طیش میں ہیں؟ اور لوگ کیوں باطل خیال باندھتے ہیں خداوند اور اس کے مسیح کے خلاف؟" (زبور ۲/۲۱)

عیسائی حضرات کے نزدیک اس عبارت میں مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ (دیکھیے آکسفورڈ بائبل کنکارڈنس ۲۳۶، بحوالہ حاشیہ تقی عثمانی علی اظہار الحق ۳/۷۷۳)

[۳] کتاب دانیال میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لقب کے ساتھ آپ کی مدت بعثت بھی بیان کر دی گئی ہے "اور باسٹھ ہفتوں کے بعد وہ ممسوح قتل کیا جائے اور اس کا کچھ نہ رہے گا۔" (۹/۲۵)

ان تمام حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر آنے والی شخصیت عظیم الشان وعظیم المرتبت ہو تو بعض اوقات پیشین گوئی میں اس کا نام بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں کتب احادیث میں بھی آخری زمانے میں آنے والے مہدی علیہ السلام کے نام ولقب کا تذکرہ بالتفصیل موجود ہے۔ (دیکھیے سنن ابوداود، کتاب المهدی ح ۴۲۶۵، مستدرک الحاکم ۴/۵۵۷، سنن ابن ماجہ ۲/۱۳۶۸، رسالۃ عبدالحلیم فی المهدی ۱۹۰) یہ امر قابل لحاظ ہے کہ برناباس کا موجودہ اٹلی نسخہ اصلی نسخہ نہیں بلکہ اس کا ترجمہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ مترجم نے تلمیح وکنایات کے انداز میں موجود بشارتوں کے لیے موزوں تعبیر نہ پا کر ان کے مفہوم ومدعا کو صراحتاً بیان کر دیا ہو جیسا کہ عموماً

مسیحی حضرات عبرانی کتابوں کے ترجمے میں ایسا کرتے ہیں۔(محاضرات فی النصرانیۃ:۵۸)
مختصراً یہ کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف نہیں ہو سکتی کیونکہ:

[۱] کسی مسلمان کو کیا پڑی ہے کہ وہ نصرانیوں کے لیے کوئی کتاب لکھے۔ پھر مسلمان ہو کر وہ اختراع و بہتان اور دروغ و اباطیل کا افسانہ تخلیق کرے۔

[۲] حیات مسیح سے متعلق اس میں ایسی معلومات ہیں جو یہودی و نصرانی کی کتابوں میں نہیں پائی جاتیں۔

[۳] اس کتاب کے عربی مترجم نے بیان کیا ہے کہ اس انجیل کا مصنف عہد نامہ قدیم اور نصرانیت کے بارے میں اتنی وسیع معلومات رکھتا ہے کہ بڑے بڑے عیسائی علماء جو دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہیں وہ بھی اتنی نہیں رکھتے۔ اگر یہ بات ایسی ہی ہے تو اس کو مسلم کیسے باور کیا جائے۔ کیا ایک مسلمان کو عیسائی علماء و محققین سے زیادہ نصرانیت کا علم ہو سکتا ہے؟ (ایضاً ۵۷)

[۴] اس میں ایسی غلطیاں ہیں کہ جس کو کسی مسلمان سے منسوب کرنا بداہتہً غلط ہے۔ مثلاً اس میں ہے کہ آسمان دس ہیں۔ اسی طرح میخائیل اور میکائیل کے نام میں بھی التباس ہے اور اسرافیل کی جگہ ادریل لکھا ہوا ہے اور بعض مقامات پر ایک فرشتہ کا نام رفائیل درج ہے جس سے اسلامی ادب بالکل نا آشنا ہے۔(انجیل برناباس ۴/۲۰۹، ۳/۲۱۵، ۷/۲۱۹)

[۵] اس کتاب میں رفع مسیح کے بعد تھوڑی دیر کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے اور دین و سیاست کی تفریق کا خالصتاً غیر اسلامی نظریہ بھی پایا جاتا ہے۔(مثال کے طور پر مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو "تب تو قیصر کا حق قیصر کو دے دو اور اللہ کا حق اللہ کو" ۵/۳۱) ظاہر ہے اگر یہ کسی مسلمان مؤلف کی تصنیف ہوتی تو مذکورہ بالا عقائد کا اس میں ذکر نہ ہوتا۔

بہر حال یہ کتاب عیسائی فضا و ماحول کی پیداوار ہے اور اپنی زبان و خط و تحریر کے اعتبار سے بھی وہ عیسائی ہی ہے۔ اگر یہ کسی مسلمان کی تصنیف ہوتی تو ناممکن تھا کہ صدیوں تک کسی مسلمان کو اس کی ہوا تک نہ لگے جب کہ مسلمان علماء شروع سے ہی عیسائیت کی تردید میں پیش پیش رہے ہیں اور خصوصاً ایسے امور و تحقیقات کی جستجو میں تو وہ ہمیشہ لگے رہے تھے، لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہوئے کسی مناظرہ میں کسی مسلم دانشور نے اس کتاب کا حوالہ کبھی نہیں

دیا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا مذکورہ بالا دعویٰ غلط ہے۔

کتاب کے اہم مباحث وحقائق

عیسائی اس انجیل کی تردید اس لیے کرتے ہیں کہ یہ انجیل اناجیل اربعہ سے درج ذیل بنیادی امور میں مختلف عقیدہ بیان کرتی ہیں:

[۱] یہ انجیل اعلان کرتی ہے کہ مسیح علیہ السلام نہ اللہ کے بیٹے ہیں اور نہ خدا بلکہ وہ صرف ایک انسان ہیں، مسیح کا اللہ کا بیٹا یا خدا ہونا، ختنہ نہ کرنا اور سور کا گوشت کھانا وغیرہ پولس کے تراشے ہوئے الزام و بہتان ہیں۔ان ہی الزامات کی تردید اس کتاب کا سبب تالیف ہے۔ (انجیل برناباس:۳)

[۲] اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا ہے کہ وہ مسیح یا مسیا جس کی بشارت عہد نامہ قدیم کے صحیفوں میں دی گئی ہے اس سے مراد میں نہیں ہوں بلکہ محمد ﷺ ہیں۔ (ایضا۶۹، ۱۲۶، ۱۴۹، ۲۱۸)

[۳] ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، جیسا کہ ان کا یہ عقیدہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (ایضا۶۷، ۶۸، ۳۰۰)

[۴] عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی بلکہ انھیں آسمان پر اٹھا لیا گیا، جسے سولی دی گئی وہ یہوذا اسخر یوطی ہے جسے حضرت مسیح علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔اسی وجہ سے تلامذہ کو یہ شبہ ہو گیا کہ جس کو سولی دی گئی ہے وہ مسیح ہیں تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کو ان کا شک دور کرنے کے لیے اتارا۔پھر انھوں نے اپنی ماں کو اور تلامذہ کو بتایا کہ وہ باقی ہیں اور دنیا ختم ہونے تک باقی رہیں گے۔وہ تین دن ان کے ساتھ رہے پھر آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ (ایضا ۳۰۸، ۳۲۰)

اس کتاب کے یہی وہ مباحث وحقائق ہیں جس سے عیسائی حلقوں میں کھلبلی پیدا ہوئی۔جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو وہ اس کتاب کے تعلق سے پس و پیش کا شکار اس لیے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حق ان کو عطا فرمائی ہے۔وہ اسی کتاب سے حق کو پرکھتے اور تولتے ہیں اور اسی کتاب کی روشنی میں حق کا چہرہ صاف دیکھ لیتے ہیں۔اس کتاب کا حال یہ ہے کہ نہ اس کی کوئی سند ہے نہ تاریخ، پھر وہ ایک ایسے شخص کی تالیف ہے جو بہر حال معصوم نہیں ہے، اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اور بھول بھی اور وہ حق سے بیگانہ بھی ہو سکتا ہے۔اس لیے اس کتاب

کو یہ حیثیت نہیں دی جاسکتی کہ اسے دینی عقیدہ کی بنیاد بنایا جائے۔زیادہ سے زیادہ اگر کوئی حیثیت دی جاسکتی ہے تو وہ تاریخ و ادبی حیثیت ہے اور بس۔البتہ عیسائیوں کے تعلق سے یہ بات کہنی مناسب ہوگی کہ عیسائی حضرات کے وہ اصول تنقید جنھوں نے بائبل کو نہ صرف قابل اعتبار بلکہ الہامی قرار دیا، سو ان کی روشنی میں انجیل برناباس بھی قابلِ اعتبار ٹھہرتی ہے بلکہ بائبل سے کہیں زیادہ کیونکہ جتنی خارجی اور اندرونی شہادتیں اس کتاب کی اصلیت پر دلالت کرتی ہیں اتنی شاید ہی بائبل کی کسی کتاب کو حاصل ہوں۔

عیسائی اکیڈمیاں

عیسائی گرجا گھروں کے مشاورتی بورڈ کو ''مجامع'' کہا جاتا ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔مجامع مسکونیہ (عالمی بورڈ) ۲۔مجامع محلیہ (مقامی بورڈ)

مجامع مسکونیہ سے مراد عالمی بورڈ ہوتا ہے۔مسکونیہ نسبت ہے ربع مسکون سے،نصرانی مذہب سے متعلق مسائل و معاملات پر غور و خوض کرنا اور نزاعات کا تصفیہ کرنا ان اکیڈمیوں کا کام ہے۔

یہ مجامع (اکیڈمیاں) بھی عیسائی مذہب کا ایک حصہ سمجھی جاتی ہیں کیونکہ موجودہ عیسائی عقائد ان ہی کانفرنسوں کی پیداوار ہیں۔اسی وجہ سے پورا عیسائی مذہب ان ہی کے گرد گھومتا ہے خواہ وہ کتنی ہی چال بازی اور ملمع سازی کریں۔

اہم ترین کانفرنسز کی عیسائی عقیدہ سے متعلق کچھ قراردادیں ملاحظہ ہوں:

(ا) نیقیہ کی پہلی کانفرنس

۳۲۵ میں نیقیہ کی پہلی کانفرنس قسطنطین کے زیر نگرانی منعقد ہوئی۔اس کا انعقاد اس لیے ہوا تھا کہ آریوس مصری کی اس بات پر غور و خوض کیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام بشر ہیں، الٰہ اور ابن الٰہ نہیں۔اس میں ۲۰۴۸ مسیحی علماء شریک ہوئے تھے۔حضرت مسیح علیہ السلام کے مسئلہ میں ان کے درمیان بہت اختلافات پیدا ہوئے لیکن قسطنطین نے ان لوگوں کی تائید کردی جو پولس یہودی کی رائے پر قائم تھے کہ مسیح خدا ہیں حالانکہ ان لوگوں کی تعداد کل ۳۱۸ تھی۔باقی علماء کو در بدر کردیا۔اس میں تین مسیحی قرارداد پاس کی گئیں:

[۱] مسیح کی الوہیت اور بنی نوع انسان کے کفارہ گناہ کے طور پر ان کے مصلوب

ہونے کی قرارداد اور اس کے مخالف اقوال کی مذمت وتردید۔

[۲] اس مجمع نے چار اناجیل (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ کیونکہ یہ ان کے عقیدۂ الوہیت سے ہم آہنگ تھی۔ان کے علاوہ تمام دوسری کتابوں کو باطل قرار دے کر نذر آتش کرنے کا حکم دے دیا۔

[۳] جو کاہن یا کاہنی بیوہ ہوجائیں ان کے لیے دوسری شادی ممنوع قرار دے دی گئی۔

(۲) قسطنطین کی پہلی کانفرنس

اس اکیڈمی نے یہ قرارداد پاس کی کہ روح القدس اب اور ابن کے ساتھ مل کر الٰہ ہے۔اسی اکیڈمی میں عقیدۂ تثلیث پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

(۳) افسس کی پہلی کانفرنس

یہ اکیڈمی اس لیے قائم کی گئی تھی کہ اسکندریہ کے پادری نسطور کی اس بات کی تردید کی جاسکے کہ مسیح خدا نہیں ہیں بلکہ وہ ایک بابرکت ذات ہے اور حقیقتاً ابن اللہ نہیں ہیں بلکہ وہی ہیں۔ اس اکیڈمی نے یہ قرارداد منظور کی کہ مسیح علیہ السلام کی دو طبائع ہیں۔ایک لاہوتی اور ایک ناسوتی اور مریم اللہ کی والدہ ہیں۔

اس کے بعد متعدد کانفرنسز منعقد ہوئیں تاکہ مسیح کی طبعی حقیقت پر غور وخوض کیا جاسکے۔ اس سلسلہ کی اہم ترین آٹھویں کانفرنس ۸۶۹ء میں ہوئی جس میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ روح القدس کا منبع باپ اور بیٹا دونوں ہیں۔صرف باپ اس کا منبع نہیں جیسا کہ قسطنطین کے پادری کا خیال ہے۔اسی وجہ سے کنیسہ کی دو قسمیں ہوگئیں۔مغربی کنیسہ اور مشرقی کنیسہ۔مغربی کنیسہ کی سرپرستی بابائے روم کے ذمہ ہے جسے کیتھولک مذہب کا پیرو کہا جاتا ہے اور مشرقی کنیسہ کی قیادت قسطنطنی پادری کرتے ہیں جن کو آرتھوڈکس کہا جاتا ہے۔

بارہویں کانفرنس ۱۲۱۵ء میں منعقد ہوئی جس میں عشاء ربانی کا مسئلہ طے پایا اور یہ پاس کیا گیا کہ بابوی کنیسہ مغفرت کا مالک ہے جس کو چاہے عطا کرے۔

بیسویں کانفرنس

یہ آخری کانفرنس ہے جو ۱۸۶۹ء میں منعقد ہوئی۔اس میں بابائے روم کے معصوم

ہونے کا اعلان کیا گیا۔

مجامع کا یہ مختصر تعارف ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ نصرانی مذہب وعقیدہ کی تشکیل میں اس کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ موجودہ نصرانیت قرون اولی کی نصرانیت سے بالکل مختلف ہے۔کانفرنسوں کی مذکورہ بالا تفصیلات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ نصرانی مذہب کا یہ اہم ترین شرعی مصدر ہے۔

نصرانیت کے انحراف کے اسباب

نصرانیت اللہ کا بھیجا ہوا ایک آسمانی مذہب تھا۔توحید اور خالص اللہ کی عبادت اس کی بنیادی تعلیم تھی،لیکن موجودہ نصرانیت تمام تر بت پرستی کی دعوت ہے جس میں برائے نام بھی توحید کی کوئی نشانی نہیں پائی جاتی۔اب یہ بدل کر عقل وفطرت کے خلاف ہو چکا ہے۔اس انحراف کے متعدد اسباب ہیں جن میں اہم درج ذیل ہیں:

(۱) مظلومیت

نصرانیت کے حق سے انحراف میں عیسائیوں کی مظلومیت کا بڑا دخل رہا ہے۔یہ بات معلوم ومشہور ہے کہ یہودی اور رومانی مسیح علیہ السلام کے قتل کے درپے تھے۔مسیح علیہ السلام کے بعد انھوں نے ان کے پیروکاروں پر عرصہ حیات تنگ کیا اور مسلسل تین صدیوں تک ان کو مبتلائے عذاب واذیت رکھا۔یہاں تک کہ ملک قسطنطین کا دور آیا تو اس نے ان کے ساتھ ہمدردی جتائی اور خود بھی نصرانی ہو گیا۔اس کے بعد نصرانی ایک دوسری طرح کے ظلم وعدوان کا شکار ہو گئے۔تثلیث کے قائل نصرانیوں نے تثلیث کے مخالف عیسائیوں کو ظلم وجور کا تختۂ مشق بنایا اور تثلیث کے مخالف نظریات اور اناجیل کو جلا دیا نیز مسترد کر دیا۔ظلم وجور کا یہ سلسلہ یورپ کی بیداری اور کلیسا کے خلاف بغاوت تک جاری رہا۔اس ظلم وعداوت کی وجہ سے صحیح نصرانیت کے نشانات رفتہ رفتہ مٹتے گئے اور انجیل بھی ضائع ہو گئی۔اس کی سندیں ختم ہو گئیں اور حق کی آواز دب کر رہ گئی۔

۲۔انجیل کا ضیاع اور سند کا خاتمہ

گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ موجودہ اناجیل کو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی لائی ہوئی انجیل وتعلیمات سے کوئی نسبت نہیں ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہو چکی

ہے کہ رفع مسیح کے بعد تدوین انجیل کی کوئی کوشش عیسائیوں کی جانب سے نہیں کی گئی۔ وہ ایک طویل مدت تک اسے مؤخر کرتے رہے، اس لیے زمانۂ دراز کے بعد جب انجیل مدون ہوکر سامنے آئی تو لوگوں کو یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس کا مدون و مرتب کون ہے اور یہ معلومات اس نے کن مآخذ سے حاصل کی ہیں۔ اس چیز نے نصرانیت کو اس کے جادۂ حق سے منحرف کردیا چونکہ ان کے مدونین معصوم نہیں تھے اس لیے ان سے غلطیاں بھی ہوئیں اور وہ غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ اس کے علاوہ عام انسانی عوارضات کو بھی مدنظر رکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ جس دین کی اساس ایسی غلطیوں سے پر کتاب پر ہو وہ دین خالص نہیں معجون مرکب ہوتا ہے۔

(۳) پولس رسول (ساؤل) کی تحریف

ساؤل مذہباً یہودی تھے۔ طرسوس میں پیدا ہوئے جو اس وقت یونانی فلسفہ کا ایک اہم مرکز تھا۔ پھر یروشلم آئے جہاں یہودی مذہب کی تعلیم حاصل کیا اور جلد ہی اس کے عالموں میں ان کا شمار ہونے لگا۔ مسیح علیہ السلام کی بعثت کے بعد مسیحیت اور مسیحیوں کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھے۔

عیسائیت کے تئیں اس کی معاندانہ سرگرمیوں کا رسولوں کے اعمال میں جگہ جگہ تذکرہ موجود ہے۔ باب ۸/ ۳ میں ہے: ”اور ساؤل کلیسا کو اس طرح تباہ کررہا تھا کہ گھر گھر گھس کر اور مردوں اور عورتوں کو قید کراتا تھا۔“ باب ۹/ ۱ میں ہے ”اور ساؤل جو ابھی تک خداوند کے شاگردوں کو دھمکانے اور قتل کرنے کی دھن میں تھا سردار کاہن کے پاس گیا۔“

جب ساؤل کو یہ احساس ہوگیا کہ ظلم و بربریت سے عیسائیت کی بیخ کنی ممکن نہیں تو اس نے اس دین حق کی کایا پلٹ دینے اور توحید خالص کو شرک و کفر میں بدل دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ اس نے اس مقصد کے حصول کے لیے عیسائیت میں اپنے دخول کا اعلان کیا، جس کا تذکرہ لوقا نے رسولوں کے تذکرہ میں ان الفاظ میں کیا ہے:

> ”جب وہ سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ اچانک آسمان سے ایک نور اس کے اردگرد آچمکا اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی کہ اے ساؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ اس نے پوچھا۔ ”اے خداوند! تو کون ہے؟“ اس نے کہا۔ ”میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔“ مگر اٹھ شہر میں جا اور تجھے جو کرنا چاہیے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔“ (۹/ ۴۔ ۷)

اس طرح بلا دلیل لوگوں سے اس قصہ کا تذکرہ کرکے اس نے مسیحیت میں اپنے دخول کا اعلان کیا۔ البتہ حواریوں کو اس کی شدید معاندانہ سرگرمیوں کی وجہ سے اس کے ایمان پر اعتبار نہ آیا، لیکن برناباس اس کے اخلاص و ایمان و آگہی کی گواہی دے کر حواریوں کی خدمت میں پہنچایا۔ (دیکھئے اعمال الرسل ۹/۲۶۔۲۷) اس کے بعد نصرانیت کی تبلیغ و اشاعت میں اس نے اس قدر سرگرمی دکھائی کہ نصرانیت کا ایک اہم بنیادی ستون بن گیا۔ مشرق و مغرب میں گھوم گھوم کر اس نے عیسائیت کی دعوت دی۔ مختلف علاقوں اور شہروں میں اس نے دعوتی خطوط بھیجے جن میں حواریوں اور شریعت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حیرت انگیز باتیں درج کیں۔

پولس (ساؤل) نے نصرانیت میں درج ذیل تحریفات کی ہیں:

[۱] الوہیت مسیح [۲] عقیدۂ کفارہ [۳] نصرانیت ایک عالمی مذہب ہے۔
[۴] تدفین کے بعد عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہو اٹھے اور عرش الٰہی پر پہنچ کر خدا کے دائیں جانب جا بیٹھے۔

یہ وہ اہم حقائق و مبادی ہیں جن کی جانب پولس نے دعوت دے کر نصرانیت کی پوری بساط ہی الٹ دی اور توحید کو شرک سے اور حق کو باطل سے بدل ڈالا۔

پولس نے جب اپنی ان تحریفات کی تبلیغ شروع کی تو حواریوں اور دیگر مسیحیوں نے اس کی شدید مخالفت کی، جس کا تذکرہ خود اس نے اپنے اس خط میں کیا ہے جس کو اس نے اپنے شاگرد تیمتھیس کے پاس بھیجا تھا۔

''روح القدس کے وسیلہ سے جو ہم میں بسا ہوا ہے اچھی امانت کی حفاظت کر۔ تو یہ جانتا ہے کہ ایشیا کے سب لوگ مجھ سے پھر گئے۔'' (۲/۱۴)

عیسائیت کی ابتدائی تین صدیوں میں پولس کے مخالفین کی تعداد اور اس کا اثر و رسوخ پولس کے اثرات سے کسی طرح کم نہیں تھا، البتہ پولس کے افکار و نظریات کو رومیوں، یونانیوں اور مغربی یورپ میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی کیونکہ ان کی غالب اکثریت مشرک تھی اور یہ نظریات کفر و شرک سے بڑی حد تک ہم آہنگ تھے، البتہ چوتھی صدی مسیح کے اوائل میں جب عیسائیت بازنطینی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پا گیا تو نیقیہ کی پہلی کونسل میں قسطنطین نے پولس کے خیالات کی تائید کر دی اور اس طرح پولس کی حامی جماعت حکومت پر غالب آ گئی اور اس نے اپنے مخالفوں کو بزور قوت کچل ڈالا اور وہ تمام مواد بھی ضائع کرنے کی بھرپور کوشش کی، جس سے

پولس کے مخالفین استدلال کر سکتے تھے۔اس طرح پولس کا یہ نیا دین سرکاری سرپرستی اور حمایت کی وجہ سے پھیلتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ اصل دین عیسوی کا نام ونشان بالکل مٹ گیا۔ بالفاظ دیگر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ نصرانیت کے انحراف کے اسباب میں سے ایک اہم سبب قسطنطین کی مداخلت بھی رہی ہے۔

(۴) عیسائی کونسلیں

عیسائی کونسلوں کی تفصیلات پہلے بیان کی جاچکی ہیں۔اناجیل اربعہ کو قدامت کا درجہ دینے اور بقیہ اناجیل کو مسترد کرنے نیز عیسائیت کے پھیلے ہوئے موجودہ عقائد ونظریات کی ترتیب وتدوین میں ان کانفرنسوں کا اہم رول رہا ہے جو کسی بھی صاحب نظر سے مخفی نہیں ہیں۔

عبادات

عیسائی مذہب میں درج ذیل دو عبادتیں فرض ہیں:

۱۔نماز وحمد خوانی　　　۲۔ روزہ

(۱) نماز وحمد خوانی

حمد خوانی کی صحت کے لیے درج ذیل تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

[۱] عیسائی عقائد ومعجزات پر کامل یقین۔انجیل مرقس میں ہے: ''اس لیے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ تم دعا میں مانگتے ہو یقین کرو تم کو مل گیا اور وہ تم کو مل جائے گا۔'' (باب ۲۵/۱۱)

یعقوب کے خط میں ہے: '' دعا ایمان سے مانگے اور کچھ شک نہ کرے کیونکہ شک کرنے والا سمندر کی لہر کی مانند ہوتا ہے جو ہوا سے بہتی اور اچھلتی ہے ایسا آدمی یہ نہ سمجھے کہ مجھے خداوند سے کچھ ملے گا۔وہ شخص دودلا ہے اور اپنی سب باتوں میں بے قیام۔'' (باب ۱/ ۶۔۸)

[۲] عبادت مسیح علیہ السلام کے واسطے سے انجام دی جائیں کیونکہ عبادت درحقیقت اس قربانی کا شکرانہ ہے جو کلمۃ اللہ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام نے بندوں کی طرف سے دی تھی۔ انجیل یوحنا میں ہے: ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر باپ سے کچھ مانگو گے تو وہ میرے نام سے تم کو دے گا۔اب تک تم نے میرے نام سے کچھ نہیں مانگا، مانگو گے تو پاؤ گے تاکہ تمہاری خوشی پوری

ہو جائے۔'' (باب ۱۶/ ۲۳)

[۳] عبادت درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے جو کلیسا انجام دے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر عبادت کرنا چاہے تو بھی اسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رُکن ہو۔

دن اور رات میں کل سات نمازیں ہیں جن کی کوئی متعین کیفیت نہیں ہے بلکہ یہ درحقیقت دعا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں میں سے کوئی دعا یا زبور کا کوئی حصہ پڑھا جاتا ہے۔ مسٹر ایف سی برکٹ کے بقول اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز لوگ صبح وشام کلیسا میں جمع ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے۔ یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے۔ زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے ہوتے ہیں۔ زبور کے ہر نغمے پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے اور اس دعا کے موقع پر گناہوں کے اعتراف کے طور پر آنسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے۔ یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آرہا ہے۔

حمد خوانی کے دوران جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں ان میں سے ایک ملاحظہ ہو:

> '' اے باپ تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے۔ ہماری روز کی روٹی روز ہمیں دیا کر اور ہمارے گناہ معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرض دار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔'' (انجیل لوقا باب:۱۱/ ۱۔۴)

(۲) روزہ

عیسائی مذہب میں روزہ صبح سے زوال آفتاب کے بعد تک کھانے سے باز رہنے اور اس کے بعد غیر مرغن غذاؤں کے استعمال کا نام ہے۔ یہ لوگ بدھ کے روز روزہ رکھتے ہیں کیونکہ اسی دن مسیح علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا تھا اور جمعہ کے دن کیونکہ اسی دن آپ کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا تھا۔ عید میلاد مسیح کی مناسبت سے عیسائی مذہب میں ۴۳ دن کے روزہ رکھے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایام میں بھی روزہ رکھنے کا رواج ہے۔

رسوم

عیسائی مذہب میں کل سات رسمیں ہیں۔ دو متفق علیہ اور پانچ مختلف فیہ اور چونکہ پانچ رسموں کو پروٹسٹنٹ فرقہ تسلیم نہیں کرتا اور اناجیل میں ان کی اصل بھی موجود نہیں ہے اس لیے

اختصار کے پیش نظر دونوں متفق علیہ رسموں کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں رسمیں عشاء ربانی اور بپتسمہ کے نام سے معروف ہیں۔

(۱) بپتسمہ

بپتسمہ کے لفظی معنیٰ ہیں پانی سے دھونا۔ یہ عمل درحقیقت گنہگاروں کے جسموں کو پاک و صاف کرنے کا رمز ہے جس سے توبہ و انابت کی جانب میلان ہوتا ہے۔ انجیل مرقس میں ہے:
"یوحنا آیا اور بیاباں میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کی بپتسمہ کی منادی کرتا تھا۔" (۱/ ۴)۔ خود عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو یوحنا نبی نے بپتسمہ دیا تھا۔ (دیکھیے انجیل متی باب ۳/ ۱۳۔ ۱۷) البتہ آپ نے کسی کو بپتسمہ نہیں دیا تھا۔ (یوحنا ۳/ ۴) عیسائیت میں دخول کے لیے اس رسم کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس کے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جا سکتا خواہ اس کے والدین عیسائی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس رسم کی ادائیگی کا کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں یہ رسم انجام دی جا سکتی ہے۔

بپتسمہ کی حقیقت

اس رسم کی پشت پر بھی کفارہ کا عقیدہ کارفرما ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا ہے۔ موت کے ذریعہ سے "اصلی گناہ" کی سزا ملتی ہے اور نئی زندگی سے اسے آزاد قوتِ ارادی حاصل ہوتی ہے۔ یہ رسم ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پینٹی کوسٹ کی عید سے کچھ قبل انجام دی جاتی ہے۔

بپتسمہ کا طریقہ

یروشلم کے مشہور عالم سائرل نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے میں اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی جانب ہو، پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: "اے شیطان میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دستبردار ہوں۔" پھر وہ مشرق کی طرف رخ کر کے زبان سے عیسائی عقیدہ کا اعلان کرتا ہے۔ اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لے جایا جاتا ہے جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیے جاتے ہیں اور سر سے پاؤں تک ایک دم کیے ہوئے تیل کی مالش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے

بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے۔اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں کہ ''کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟'' ہر سوال کے جواب میں امیدوار کہتا ہے: ''ہاں میں ایمان رکھتا ہوں۔'' اس سوال و جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کئے ہوئے تیل سے دوبارہ مالش کی جاتی ہے اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیے جاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعہ یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے۔اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے اور پہلی بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے۔

(۲) عشاء ربانی

عشاء ربانی سے مراد عیسیٰؑ کا اپنے شاگردوں کے ساتھ عشاء کا کھانا تناول کرنا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے مزعومہ گرفتاری سے ایک دن پہلے اپنے شاگردوں کے ساتھ عشا کا کھانا کھایا تھا، جس کا تذکرہ متی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع مسیحؑ نے روٹی لی اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا۔لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے۔پھر پیالہ لے کر شکر کیا اور ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو کیونکہ یہ میرے عہد کا وہ خون ہے جو بہتیروں کے لیے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔(انجیل متی ۲۶/ ۲۹)

اور انجیل لوقا میں ہے ''میری یادگاری کے لیے یہی کیا کرو۔'' (۲۲/ ۱۹)

اناجیل کی مذکورہ عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ رسم حضرت مسیحؑ کی مبینہ قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے۔ ۱۵۴۵ء اور ۱۵۶۳ء میں منعقدہ عیسائی کانفرنس میں اس رسم کی ادائیگی کو واجب قرار دیا گیا اور اب ہر اتوار کو یہ رسم کلیسا میں انجام دی جاتی ہے۔ اس رسم کو بجا لانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے۔شروع میں کچھ دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں، اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارک باد دیتے ہیں، پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ، بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں، پھر کلیسا کے خدام روٹی اور شراب کو تمام حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں۔اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن بن جاتی ہے اور

شراب مسیح کا خون، اسے کھا پی کر اپنے عقیدہ کفارہ کو تازہ کرتے ہیں۔

عشاء ربانی میں شرکت صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں بپتسمہ دیا جا چکا ہو۔ جو شخص عشاء ربانی میں شرکت کرنا چاہتا ہو اس کا روزہ دار ہونا مستحب ہے۔ روزے کا مطلب صرف کھانے سے باز رہنا ہے، پانی پینے کی اجازت ہے اور مسافر کے لیے افطار کی بھی اجازت ہے نیز یہ بھی مستحب ہے کہ روٹی اور شراب کے تناول سے قبل ہر شخص پادری کی خدمت میں اپنی استطاعت کے مطابق کوئی ہدیہ پیش کرے۔

عیسائی فرقے

عیسائیت کے آغاز میں انجیل کے ضیاع، پولس ساؤل کی تحریفات اور تین صدیوں پر مشتمل عہد مظلومیت کی وجہ سے عیسائی مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ نیقیہ کی پہلی کونسل سے پہلے ان کے درمیان سب سے اہم اختلاف حضرت مسیحؑ کی بشریت والوہیت میں تھا۔ آپ کی بشریت کے قائل مشہور فرقہ ابیون، فرقۂ بر برانیہ، فرقۂ الیان اور فرقۂ تثلیث تھے۔

نیقیہ کی پہلی کونسل میں جب عقیدۂ تثلیث کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی تو اہل توحید بتدریج مٹتے گئے لیکن حضرت مسیحؑ کی ذات میں خدا اور انسان کا اتحاد ایک ایسا مسئلہ تھا جو صدیوں بحث و تمحیص کا محور بنا رہا اور اس کی تاویل و توجیہ میں عیسائی مختلف فرقوں میں تقسیم ہوتے رہے جن میں پولسی، نسطوری اور یعقوبی قابل ذکر ہیں۔ نیز اناجیل کی تمدنی و عقائدی مسائل سے عاری ہونے اور موسوی شریعت کو پس پشت ڈال دینے کی وجہ سے بھی عیسائیت میں ہر چھوٹے بڑے مسئلہ پر اختلاف ہوتا رہا جس کے نتیجے میں مختلف فرقے وجود میں آتے رہے۔ صرف امریکہ میں آج دو سو پچاس مسیحی فرقے پائے جاتے ہیں۔ اگست ۱۹۵۷ء میں امریکہ میں جب عیسائی فرقوں کا شمار کیا گیا تو ان کی تعداد چودہ سو سے بھی متجاوز تھی۔ ان میں سے ہر ایک کا تفصیلی تعارف تو مشکل ہے لہٰذا ذیل میں صرف ان تین بڑے فرقوں کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے جن سے سینکڑوں چھوٹے چھوٹے فرقے وجود میں آئے۔

(۱) کیتھولک فرقہ

کیتھولک یونانی لفظ ہے جس کے معنی عام یا عالمی کے آتے ہیں، یعنی کیتھولک مسلک ہی عالمی عیسائی مذہب ہے، مغرب میں موجود عام عیسائی اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کے کلیسا کو مغربی اور لاطینی کے علاوہ پطرسی کلیسا بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ فرقہ اپنے آپ کو پطرس رسول کا وارث سمجھتا ہے جو حضرت مسیحؑ کے بعد آپ کے جانشین اور مسیحیت کے مقنن تھے۔اور ان کے بعد ان کے کلیساؤں کے پاپاؤں کو یہ منصب حاصل رہا اور پاپا اس فرقہ کے نزدیک معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔اس کی مشیت دراصل مشیت الٰہی اور فیصلہ، فیصلہ الٰہی ہوتا ہے جس کی پیروی ہر نصرانی پر واجب ہوتی ہے۔ پوپ انوسینٹ چہارم نے اپنے اس عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس منصب کو سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔اس کے زمانے میں مغفرت ناموں کی تجارت عام ہوگئی اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی انتہا کر دی گئی۔بعد کے پاپاؤں نے ان بدعنوانیوں کو لامتناہی بنا دیا۔

اہم عقائد

اس فرقے کے اہم عقائد درج ذیل ہیں:

[۱] روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے۔

[۲] باپ اور بیٹے اور روح القدس کی حیثیت بالکل برابر ہے۔

[۳] ان کے نزدیک اسی دنیا میں ایک چھوٹی سی جگہ ہے جہاں گنہ گار روح اپنے گناہوں کی سزا پا کر جنت سماوی کی مستحق ہوتی ہے۔اس عقیدہ کا ماخذ بائبل نہیں بلکہ پاپا غریغورس کا وہ فتویٰ ہے جو انھوں نے ۵۹۳ م میں صادر کیا تھا۔

[۴] پادریوں کی دعاؤں سے گنہ گار سے عذاب ٹل سکتا ہے اور یہیں سے پھر یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ اہلِ کلیسا عذاب کی مستحق روحوں کو اپنی دعاؤں سے نجات دلا سکتے ہیں۔

[۵] گناہوں کے اعتراف کا عقیدہ یعنی گنہ گار انسان پادری کے سامنے اپنے گناہوں پر اظہار ندامت اور آئندہ ان گناہوں کے ارتکاب نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے جسے پادری قبول کر کے اس کے حق میں دعا کرتا ہے اور اس کی مغفرت کا پروانہ عطا کرتا ہے۔ یہ عقیدہ ۱۲۱۵ م

میں منعقد عیسائی کانفرنس میں پاس کیا گیا۔

[٦] عشاء ربانی اور بپتسمہ کی مشروعیت پر یقین۔

[٧] طلاق کی قطعی ممانعت حتیٰ کہ ان کے نزدیک بیوی کے خیانت کرنے کی صورت میں بھی طلاق کی اجازت نہیں ہے۔

(۴) ارتھوڈکس فرقہ

ارتھوڈکس یونانی لفظ ہے جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔ پہلا Ortho بمعنی حق اور دوسرا Doxa بمعنی مسلک یعنی مسلک حق۔ اس فرقہ کے کلیسا کو مشرقی اور یونانی کلیسا کہا جاتا ہے کیونکہ اس فرقہ کے اکثر پیروکار روم کے مشرقی مقبوضات اور مشرقی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کلیسا کیتھولک کلیسا سے ۱۰۵۴ء میں علیحدہ ہوا تھا۔ علیحدگی کے اہم اسباب درج ذیل تھے:

(۱) مشرقی کلیسا کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے، اور بیٹے کا اقنوم اس کے لیے محض ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے اور مغربی کلیسا کا کہنا یہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے۔ نیز مشرقی کلیسا کے نزدیک بیٹے کا رتبہ باپ سے کم ہے جب کہ مغربی کلیسا کے نزدیک دونوں بالکل برابر ہیں۔ مشرقی کلیسا اہل مغرب پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انھوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے نیقیاوی کونسل کے فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے۔

[۲] دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق و مغرب کے کلیساؤں میں نسلی امتیاز کی جڑیں خاصی گہری تھیں۔ مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی اور مشرق میں یونانی اور ایشیائی نیز سلطنت روما کے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جانے کی وجہ سے قسطنطنیہ کا شہر روم کا مکمل حریف بن گیا تھا۔

اہم عقائد

آرتھوڈکس فرقے کے اہم عقائد درج ذیل ہیں:

[۱] روح القدس کا اقنوم صرف باپ سے نکلا ہے۔

[۲] خیانت کی صورت میں طلاق کی مشروعیت پر یقین۔

[۳] بعض آرتھوڈکس چرچوں کے نزدیک مسیح انسانی اور خدائی دو حقیقتوں کے حامل

نہیں تھے بلکہ صرف ان میں '' خدائی حقیقت'' پائی جاتی تھی۔ جب کہ عام کلیساؤں کا خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت میں '' خدائی'' اور '' انسانی'' دونوں حقیقتیں جمع تھیں۔ سرکاری طور پر یہ رائے ۴۵۱ء میں پاس کی گئی تھی۔

(۳) پروٹسٹنٹ فرقہ

پروٹسٹنٹ انگریزی لفظ ہے جس کے معنی ہیں احتجاج کرنا۔ چونکہ اس فرقہ کے اولین معماروں نے کیتھولک چرچ کی بدعنوانیوں اور مغفرت ناموں کی تجارت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی، اس لیے انھیں پروٹسٹنٹ کہا جانے لگا۔

اس فرقہ کے ظہور کے اہم اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) پاپائیت کی بدعنوانیاں

پوپ انوسینٹ کے عہد سے پاپاؤں نے ارشاد و تلقین کے بجائے اپنے منصب کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے دنیوی اور سیاسی اغراض کے لیے استعمال کرنا شروع کردیا۔ مغفرت ناموں کی تجارت عام ہوگئی اور مخالف فرقوں کے افراد کو زندہ جلا کر اذیت رسانی کی جب انتہا کردی گئی تو بہت سے مصلحین نے حالات کے اصلاح کی کوششیں کیں جن میں ویکلف (۱۳۸۴)، جان ہس (John Huss)، جیروم (Jerome) اور مارٹن لوتھر (۱۴۸۳) قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر کو فرقہ پروٹسٹنٹ کا بانی سمجھا جاتا ہے جس نے اپنی تنقیدوں کے ذریعہ پاپائیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

(۲) بادشاہوں اور امراپر کلیسا کی دست درازی

کلیسا نے عام افراد ہی پر اکتفانہ کرتے ہوئے بادشاہوں اور امرا پر بھی اپنے احکام و فرامین اور کفر و نفاق کے فتاویٰ صادر کرنے شروع کردیے، چنانچہ فرانس کے بادشاہ فریڈرک کو ۱۲۴۵ء میں پوپ انوسینٹ نے ان کے منصب سے معزولی کا حکم جاری کردیا اور پوپ بونیفیس ہشتم نے شاہ ایڈورڈ اول اور فرانس کے شاہ فلپ چہارم سے زبردست دشمنی ٹھان لی، جس سے بعض امراء و حکام بھی کلیسا کے خلاف ہوگئے اور انھوں نے اصلاحی کوششوں کا بھرپور تعاون کیا۔

(۳) کتب مقدسہ سے عام استفادہ کی ممانعت

کلیسا نے کتب مقدسہ کی تعبیر وتشریح کا حق صرف اپنے لیے مخصوص کرلیا۔ پادریوں کے علاوہ کسی بھی شخص کو کتب مقدسہ کی تلاوت اور ان کی تعبیر وتوضیح کا حق حاصل نہ تھا۔ کلیسا جو حکم صادر کردے اسے بے چوں وچرا مان لیا جائے خواہ وہ معقول ہو یا غیر معقول۔ اگر پاپا کا کوئی حکم کسی کو سمجھ میں نہ آئے تو اسے اپنے فہم وادراک کو قصوروار گردانا چاہیے پاپا کو نہیں کیونکہ پاپا تو کلیسا کے نزدیک معصوم عن الخطا ہے۔ چنانچہ جس نے بھی عیسائی اعتقادوافکار کے مخالف کوئی تعبیر وتوضیح کی اس پر عرصۂ حیات کو تنگ کردیا گیا حتیٰ کہ عقائد ونظریات سے علاحدہ امور میں بھی کلیسا سے ہٹ کر سوچنے اور رائے دینے کا حق کسی کو حاصل نہ تھا چنانچہ گلیلو کو صرف کائنات کے ایک مسئلہ پر رائے دینے کی بنا پر قید کی سزا سنائی گئی۔

یہ وہ اہم اسباب تھے جن کی بنا پر مارٹن لوتھر نے کلیسا کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، مغفرت ناموں کی تجارت اور پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کی۔ مارٹن لوتھر کے بعد سولہویں صدی کے آغاز میں جان کالون اسی تحریک کو لے کر جنیوا میں آگے بڑھے اور پھر یہ آواز فرانس، اٹلی، جرمنی اور یورپ کے ہر خطے سے اٹھنی شروع ہوگئی اور بالآخر انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس تحریک سے متاثر ہوگئے اور اس طرح پروٹسٹنٹ کیتھولک چرچ کا مضبوط مد مقابل بن گیا۔

اہم عقائد

[۱] نصرانیت کا مآخذ صرف کتاب مقدس ہے۔

[۲] ہر کلیسا اپنے طور پر آزاد ہے۔ کسی کو کسی پر تسلط حاصل نہیں ہے اور ان کے درمیان باہمی ربط مختلف وزارتوں کے درمیان باہمی ربط کے مانند ہے۔

[۳] ہر نصرانی کو کتاب مقدس پڑھنے اور اس کے معنی کو سمجھنے کا حق حاصل ہے۔

[۴] کلیسا کو کسی کے گناہوں کو معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

[۵] عشاء ربانی کی رسم محض حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار ہے، روٹی کا بدن اور شراب کا خون بن جانا اسے تسلیم نہیں ہے۔

[۶] مریم علیہ الصلاۃ والسلام سے متعلق تمام ہی رسمیں اور عیدیں بدعت ہیں۔

[۷] کلیسا میں مجسموں اور تصویروں کو رکھنا حرام ہے۔

[۸] کونسلوں کے بعض فیصلے مبنی برحق نہیں ہیں۔

عقیدۂ تثلیث، الوہیت مسیح، عقیدۂ صلب فدا اور عقیدۂ کفارہ میں یہ فرقہ بقیہ فرقوں کے مانند ہے۔ اس فرقہ کے ارباب حل وعقد کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ جس طرح آپ لوگوں نے مغفرت ناموں کی تجارت کے خلاف آواز بلند کی اور بپتسمہ نیز عشاء ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت بتایا جو رومی کلیسا نے ایجاد کر رکھی تھیں اسی طرح مذکورہ بالا اہم اور بنیادی مسائل پر بھی آپ لوگ نظر ثانی کریں کیونکہ ان کا ماخذ نہ تو کتاب مقدس ہی ہے اور نہ ہی اقوال مسیحؑ بلکہ ان کا ماخذ تو پولس رسول کی تعلیمات ہیں۔ اس فرقہ کے افراد انگلستان، جرمنی، ڈنمارک، سوئزرلینڈ، ہالینڈ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں پائے جاتے ہیں۔

اسلام اور عیسائیت ایک سرسری موازنہ

اسلام اور عیسائیت دونوں ایک ہی سرچشمۂ ہدایت سے نکلے ہوئے ہیں۔ پیروان مسیح نے اصل دین عیسوی میں تحریف کر دی ہے جس کی وجہ سے اب ان دونوں مذاہب کی تعلیمات میں زمین و آسمان کا فرق ہے، لیکن اب بھی دونوں مذاہب میں متعدد امور میں یکسانیت و مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان امور کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

[۱] دونوں مذاہب میں خالقِ کائنات، عقیدۂ رسالت و آخرت اور جنت و دوزخ کا تصور پایا جاتا ہے۔

[۲] دونوں مذاہب میں روزہ کی مشروعیت، دعا کی ترغیب و تلقین اور صدقہ و خیرات کی فضیلت موجود ہے۔

[۳] دونوں مذاہب میں مقامات مقدسہ کی زیارت، عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی رسالت، ان کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قربِ قیامت زمین پر دوبارہ ان کے نزول کا عقیدہ بھی پایا جاتا ہے۔

[۴] پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید بھی دونوں مذاہب میں موجود ہے۔

مشہور حدیث ہے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا، بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا، بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا۔ لوگوں نے گھبرا کر پوچھا کون اے اللہ کے رسول؟ آپؐ نے فرمایا: وہ شخص ایمان نہیں رکھتا جس کا پڑوسی اس کی ایذا کوشی اور تکلیف رسانی سے محفوظ نہ ہو۔

مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ، بڑا اور پہلا حکم یہی ہے، اور دوسرا اس کے مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ، انہی دو حکموں پر توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے۔ (متی ۲۲/۳۷۔۴۰)

مسیحیت اور اسلام میں وجوہ اختلاف

اسلام	مسیحیت
[۱] اسلام کی بنیادی تعلیم توحید خداوندی ہے۔	مسیحیت کی بنیادی تعلیم عقیدۂ تثلیث ہے۔
[۲] مسیح علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔	مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔
[۳] بعثت مسیح کا مقصد کفر و شرک کی تیرگی اور ضلالت سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لانا تھا۔	مسیح علیہ السلام کا مقصدِ وجود ہی آدم علیہ السلام کی غلطی سے اولادِ آدم کو چھٹکارا دلانا تھا۔
[۴] اسلام کی اساسی تعلیم ایمان اور عمل صالح کی جانب دعوت ہے: مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ (البقرہ:۶۲)	مسیحیت کی اساسی دعوت ابنیت مسیح اور عقیدۂ کفارہ پر ایمان لانا ہے۔
[۵] مسیح علیہ السلام اپنی والدہ کے مطیع و فرماں بردار تھے: وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ (مریم:۳۲)	مسیح علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ بے ادب اور ان کے فضل و احسان کے منکر تھے۔

[۶] اللہ تعالیٰ نے روح القدس یعنی جبرئیلؑ کے ذریعہ مسیحؑ کی تائید و نصرت کی تھی: بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ: ۸۷)

روح القدس نے مسیح علیہ السلام کو پھانسی سے چھٹکارا دلانے کے لیے کوئی مدد نہ کی تھی۔

[۷] مسیح علیہ السلام دیگر انبیاء کی طرح معصوم تھے۔

مسیح علیہ السلام نیک نہیں تھے۔

[۸] مسیح علیہ السلام گزشتہ انبیاء اور ان کی تعلیمات کی تصدیق کرنے کے لیے آئے تھے

مسیح علیہ السلام نے سابق انبیاء کرام اور رسولوں کو ڈاکوؤں کے گروہ سے تشبیہ دی۔

[۹] مسیح علیہ السلام دنیا اور آخرت دونوں جگہ معزز تھے۔

رومی لشکر نے مسیح کو مارا اور ان کے چہرے پر تھوک دیا اور پھر تختۂ دار پر لٹکایا۔

[۱۰] اللہ تعالیٰ نے آپ کے قتل کی سازش کے تعلق سے یہودیوں کی تمام ہی تدبیروں کو اکارت کر دیا۔

یہودیوں نے آپ کو کوڑے بھی لگائے اور تختہ دار پر بھی لٹکایا۔

[۱۱] حواریوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ (آل عمران ۵۲)

آپ کے شاگرد ابتلاء و آزمائش کے وقت آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

[۱۲] اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں، بندوں کی توبہ قبول کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جبار اور منتقم المزاج ہیں۔ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول نہ کر کے اپنے بیٹے کو تختۂ دار پر لٹکا کر ان کی غلطی کا بدلہ لے لیا۔

[۱۳] عبادتوں اور دعاؤں کی قبولیت کے لیے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے۔

توبہ اور عبادت پوپ کے واسطہ سے ہی قبول ہوتی ہے۔

[۱۴] اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت رشد و ہدایت کا منبع ہے۔	شریعت مسیحیوں کی گردنوں میں ایک لعنت ہے۔
[۱۵] اسلام کی نظر میں انبیاء و رسل اللہ کے نیک بندے تھے۔	عہد نامہ جدید و قدیم کی نظر میں انبیاء کرام عام لوگوں سے بھی گھٹیا کردار کے مالک تھے، چنانچہ بعض نے اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کر لیا تو بعض شراب پی کر لوگوں کے سامنے ننگے ہوئے۔
[۱۶] عصمت صرف انبیاء کرام کو حاصل ہے۔	عصمت صرف پاپاؤں کو حاصل ہے۔
[۱۷] شریعت اسلامیہ ایک ابدی شریعت ہے جس میں ردو بدل کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں ہے۔	پاپا کو مسیحی شریعت میں تبدیلی کا حق حاصل ہے۔
[۱۸] قرآن مجید اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے۔	اناجیل اربعہ مسیحیوں کے نزدیک فلاں اور فلاں کی تالیف ہے۔

اس سرسری موازنہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ نصرانیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو گھٹانے میں کس قدر بے حیائی سے کام لیا اور ان کو ذلیل ترین مقام پر پہنچا دیا۔ اور اسلام نے ان کی شان بڑھائی اور ان کے مرتبہ میں اضافہ کیا اور ان تمام تہمتوں سے آپ کے دامن کو صاف کیا جنھیں یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ کے سر تھوپ دیا تھا۔

عیسوی شریعت کے عائلی قوانین

عقد نکاح

عیسائیت کے یہاں تجرد اور رہبانیت کی زندگی مستحب و پسندیدہ ہے۔زنا کے اندیشہ کی صورت میں نکاح کر لینا مسنون ہے۔کرنتھیوں میں ہے:" کنواریوں کے حق میں سے میرے پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں لیکن دیانت دار ہونے کے لیے جیسا خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق اپنی رائے دیتا ہوں۔پس موجودہ مصیبت کے خیال سے میری رائے میں آدمی کے لیے یہی بہتر ہے کہ جیسا ہے ویسا ہی رہے۔"(باب ۷/ ۲۵۔۲۷)

نکاح کی شرطیں

[۱] دونوں کا دین ایک ہو یعنی دونوں مسیحی ہوں۔

[۲] دونوں کا مسلک و مذہب بھی ایک ہو۔یہ شرط ارتھوڈکس فرقے کے نزدیک ہے۔البتہ کیتھولک فرقہ کے نزدیک مسلک کا اختلاف مانع زواج نہیں ہے۔

نکاح کے آثار

نکاح کے بعد خاندان کی دیکھ بھال اور نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر کی ہوتی ہے۔عورت نان ونفقہ میں شوہر کا تعاون کر سکتی ہے،اور اگر وہ کسی پیشہ سے وابستہ ہو تو ایسی صورت میں نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر کے ساتھ عورت پر بھی عائد ہوتی ہے۔

نکاح کے درج ذیل اہم آثار عیسوی شریعت میں پڑتے ہیں۔

[۱] شوہر کو اپنی اولاد پر باپ ہونے کی حیثیت سے اقتدار حاصل ہوتا ہے۔

[۲] عورت اپنے شوہر کے نام کے ساتھ انتساب کرتی ہے۔

تعدد ازدواج

مسیحیت کے جملہ فرقے اس بات پر متفق ہے کہ ایک سے زائد شادی مرد کے لیے

حرام ہے اگر چہ اس سلسلے میں کتاب مقدس میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔

طلاق

کیتھولک فرقہ کے نزدیک طلاق کسی بھی صورت میں جائز نہیں حتی کہ اگر عورت شوہر کے گھر میں بھی زنا کرلے تو بھی طلاق کی اجازت نہیں۔ایسی صورت میں زوجین ایک دوسرے سے جسمانی طور پر علیحدگی اختیار کرلیں اور دونوں میں سے کوئی بھی دوسری شادی نہ کرے۔

طلاق کی حرمت پر وہ انجیل کے درج ذیل نصوص سے استدلال کرتے ہیں:

[۱] اور صدوقی اسے آزمانے کو اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے۔اس نے جواب میں کہا۔کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جس نے انھیں بنایا اس نے ابتدا ہی سے انھیں مرد اور عورت بنا کر کہا کہ اس سبب سے مرد باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور دونوں ایک جسم ہوں گے، پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔اس لیے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔(متی، باب ۱۹، ۳۔۷)

[۲] رومیوں کے نام پولس کے خط میں ہے:

''اے بھائیو! کیا تم نہیں جانتے (میں ان سے کہتا ہوں جو شریعت سے واقف ہیں) کہ جب تک آدمی جیتا ہے اسی وقت تک شریعت اس پر اختیار رکھتی ہے۔چنانچہ جس عورت کا شوہر موجود ہے وہ شریعت کے موافق اپنے شوہر کی زندگی تک اس کے بند میں ہے،لیکن اگر شوہر مر گیا تو وہ شوہر کی شریعت سے چھوٹ گئی،پس اگر شوہر کے جیتے جی دوسرے مرد کی ہو جائے تو زانیہ کہلائے گی،لیکن اگر شوہر مر جائے تو وہ اس شریعت سے آزاد ہے یہاں تک کہ اگر دوسرے مرد کی ہو بھی جائے تو زانیہ نہ ٹھہرے گی۔''

(باب ۷/۱۔۴)

ان کے نزدیک طلاق درج ذیل دو حالتوں میں جائز ہے۔

[۱] زوجین میں سے کوئی زنا کر بیٹھے تو اس صورت میں دوسرے کو طلاق لینے کا حق حاصل ہوگا۔انجیل متی میں ہے:''اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے تو زنا کرتا ہے۔''(باب ۱۹/ ۱۰)

[۲] جب زوجین میں سے کوئی مسیحیت تبدیل کر دے تو ایسی صورت میں دوسرے فریق کو تفریق کا حق حاصل ہوگا۔کرنتھیوں کے نام خط میں ہے: ''وہ عورت جس کا شوہر غیر مسیحی ہو اور وہ اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو اسے نہ چھوڑے کیونکہ وہ غیر مسیحی شوہر عورت کے لیے مقدس ہے۔ایسے ہی غیر مسیحی عورت مسیحی شوہر کے لیے مقدس ہے ورنہ تمہاری اولاد نجس ہوتی لیکن وہ لوگ مقدس ہیں البتہ اگر غیر مسیحی کو چھوڑنا چاہتا ہو تو چھوڑ سکتا ہے۔''

حسن معاشرت کا حکم

عیسوی شریعت زوجین کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے پر ابھارتی ہے۔کرنتھیوں میں ہے: ''شوہر بیوی کا حق ادا کرے اور ویسا ہی بیوی شوہر کا۔'' (باب ۷/۵)

شریعت عیسوی عورتوں سے پیار و محبت کرنے کا حکم دیتی ہے: '' اے شوہرو! اپنی بیویوں سے محبت رکھو جیسے مسیح نے بھی کلیسا سے محبت کر کے اپنے آپ کو اس کے واسطے موت کے حوالہ کر دیا۔'' (افسیوں کے نام خط باب ۵/۲۶)

ایک دوسرے مقام پر ہے'' بہر حال تم میں سے بھی ہر ایک اپنی بیوی سے اپنی مانند محبت رکھے اور بیوی اس بات کا خیال رکھے کہ اپنے شوہر سے ڈرتی رہے۔'' (افسیوں ۵/۳۳)

احکام مواریث

عیسوی شریعت میں میراث کے احکام نہیں ہیں۔اکثر وصیت کے ذریعہ میراث تقسیم کی جاتی ہے اور عموماً بڑے لڑکے کو ملتی ہے۔نصاریٰ کے اکثر فرقے اسلامی شریعت کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

☆☆☆
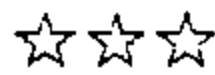
مزید مطالعہ کے لیے:

اردو

۱- ازالۃ الاوہام (فارسی): مولانا رحمت اللہ کیرانوی

۲- اعجاز عیسوی: مولانا رحمت اللہ کیرانوی

۳- حجۃ الاسلام: مولانا محمد قاسم نانوتوی

۴-مراسلات مذہبی: شیخ مولا نا بخش
۵-آئینہ اسلام: مولانا محمد علی مونگیری
۶-پیغام محمدی:
۷-آب حیات: مولانا محمد قاسم نانوتوی
۸-ازالۃ الشکوک: مولانا رحمت اللہ کیرانوی
۹-عیسائیت-تجزیہ ومطالعہ: پروفیسر ساجد میر، مکتبۃ الفہیم مئو ناتھ بھنجن
۱۰-عیسائیت کیا ہے؟: مولانا محمد تقی عثمانی، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
۱۱-دنیا کے بڑے مذہب: عماد الحسن آزاد فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
۱۲-مسیحیت-علمی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں: متولی یوسف چلپی رترجمہ: مولوی شمس تبریز خاں، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
۱۳-یہودیت اور نصرانیت: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی
۱۴-مولوی حسن علی کا رسالہ ''تائید الاسلام''
۱۵-براہین الہند: مولانا اشرف الحق
۱۶-مباحثہ شاہ جہاں پور: مولانا محمد قاسم نانوتوی
۱۷-اگر اب بھی نہ جاگے تو: شمس نوید عثمانی
۱۸-دعوت ''ہندوستانی مذاہب نمبر''
۱۹-رسالہ گگن ''مذاہب نمبر''
۲۰-فلسفۂ مذہب: ایڈون اے برٹ رمترجم: بشیر احمد ڈار، مجلس ترقی ادب، لاہور

عربی

۱-القرآن الكريم.
۲-قاموس الكتاب المقدس-دار الكتاب المقدس بالشرق الأدنى.
۳-الكتاب المقدس.
۴-دليل الى قراءة تاريخ الكنيسة، الآب جان كلي، دار المشرق بيروت، ۱۹۹۴م.
۵-تاريخ الكنيسة جون لو ريمر، دار الثقافة، القاهرة.
۶-موسوعة تاريخ الأقباط. زكي شنودة، مطبعة التقدم، القاهرة.
۷-دائرة معارف.
۸-البداية والنهاية، ابن كثير.
۹-الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح، شيخ الاسلام ابن تيمية-مطبعة

المدنى–القاهرة.
١٠–هداية الحيارى فى اجوبة اليهود والنصارى، ابن قيم الجوزية، اعتنى به د.أحمد حجازى السقا، المكتبة القيمة القاهرة.
١١–اغاثة اللهفان من مصايد الشيطان، ابن قيم الجوزية–مكتبة مصطفى البابى الحلبى–فالقاهرة.
١٢–الملل والنحل، للشهرستانى، طبعة بيروت.
١٣–الفصل فى الملل والأهواء والنحل، لابن حزم–دارالمعرفة بيروت.
١٤–اليهودية والمسيحية: ضياء الرحمن الاعظمى، مكتبة الرشد
١٥–العقائد الوثنية فى الديانة النصرانية: محمد طاهر التنير/تحقيق: د. محمد عبدالله الشرقاوى، دارالصحوة القاهرة.
١٦–الأديان فى كفة الميزان، محمدفؤاد الهاشمى.
١٧–انجيل برنابا: تحقيق: أ.د. محمود كريت، شباس الملح، القاهرة.
١٨–الفارق بين المخلوق والخالق: عبدالرحمن زادة.
١٩–مسيحية نشأتها وتطورها: شارجينيير، ترجمة الدكتور عبدالحليم محمود، دارالمعارف، بمصر ١٩٨١م.
٢٠–ماهى النصرانية: محمد تقى العثمانى، مكتبة دارالعلوم، كراتشى٢٠٠٣م.
٢١–أديان العالم:حبيب سعد، دارالتاليف والنشر للكنيسة الأسقفية بالقاهرة،١٩٧٧م.
٢٢–يا أهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء: د. رؤوف شلبى، دارالاعتصام بالقاهرة، ١٩٠٨م.
٢٣–أوربا فى العصور الوسطى: د.سعيد عبدالفتاح عاشور، مكتبة الأنجلو المصرية ط ١٩٩١م، الجزء الأول: التاريخ السياسى، الجزء الثانى: الحضارة والنظم.
٢٤–تاريخ أوربا العصور الوسطى: د. السيد الباز العرينى، دارالنهضة العربية بيروت ١٩٦٨م.
٢٥–تاريخ الدولة البيزنطية: د.نسيم جوزيف، مكتبة الأنجلو المصرية.
٢٦–النصرانية من الواحد الى المتعدد: أبو اسلام أحمد عبدالله، بيت الحكمة، القاهرة
٢٧–الأديان المعاصرة: راشد عبدالله الفرحان، الكويت
٢٨–مناظرة بين الاسلام والنصرانية، الرئاسة العامة لادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد.

۲۹-اظہار الحق: رحمت الله کیرانوی
۳۰-محاضرات فی النصرانیة : ابوزهرة.
۳۱-الاسلام والنصرانية: الشيخ محمد عبده

انگریزی

1- Ropertson: Pagan Christs.
2- Berry: Religions of the World.
3- Berry· A History of Freedom of Thought.
4- Pfledere: The Early Christian Conception of Christ.
5- T.W. Doane: Bible Mythology.
6- Harnak: What is Christianity.
7- Encyclopedia of Religion and Ethics.
8- Khwaja Kamaluddin: The Sources of Christianity.
9- H. Maurica Relton: Studies in Christian Dortrine.
10- Encyclopedia Britannica.
11- Adam, Karl The Spirit of Catholicism. New York: Macmillan, 1962.
12- Filson, Floyd V. Opening the New Testament. Philadelphia: Westminster Press, 1952.
13- Hordern. William. A Layman's Guide to Protestant Theology. New York: Macmillan, 1957.
14- Klausner, Joseph. Jesus of Nazareth. New York: Macmillan, 1934.
15- Marty, Martin E. A Short History of Christianity. Cleveland: World Publishing Company, 1959.

باب چہارم

صابئہ مندائیہ

صابئہ، مشرق کا ایک قدیم ترین سامی(۱) مذہب ہے، اس مذہب کے لوگ آج بھی عراق میں پائے جاتے ہیں اور چونکہ ان کے مذہبی نوشتے آرامی زبان میں ہیں لہٰذا ان کے تعلق سے دنیا بہت کم جانتی ہے اوران کی حقیقت کے تعلق سے متضاد آراء وافکار کتب تواریخ میں ملتے ہیں۔

صابئہ کی لغوی تعریف

[۱] زیادہ تر اہل تحقیق کے نزدیک 'صابئہ' عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ایک دین سے دوسرے دین کی جانب نکلنے کے آتے ہیں، ابواسحاق الزجاج کہتے ہیں:الصابئون: الخارجون من دین الی دین (تاج اللغۃ) ''صابئہ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کو اختیار کرنے والوں کو کہتے ہیں۔''

مفردات القرآن میں ہے:قیل لکل خارج من دین الی دین آخر ''ہر وہ شخص جو اپنا دین و مذہب چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے اسے صابی کہتے ہیں۔'' اسی معنی میں قریش نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کو صابی کہتے تھے۔

[۲] بعض علماء کا خیال ہے کہ شاید یہ عبرانی لفظ 'ص ب ع' سے بحذف عین نکلا ہے جس کے لغوی معنی غوطہ دینا یا ڈبونا ہے، اس کے لحاظ سے صابی کے معنی اصطباغی کے ہوں گے یعنی وہ جو غوطہ دے کر اصطباغ کی رسم ادا کرتے ہیں (اردو دائرہ معارف) اوران کے یہاں اصطباغ سب سے اہم عبادت ہے۔

---

(۱) سامی، سام بن نوح علیہ السلام کی جانب نسبت ہے، مشرق وسطی میں آباد قومیں آپ ہی کی ذریت سے ہیں، لہٰذا وہ مذاہب جن کا مولد و مسکن مشرق وسطی ہے انھیں سامی مذاہب کہا جاتا ہے، جیسے: اسلام، یہودیت، نصرانیت اور صابئہ۔

[۳] صباً کے معنی ستارہ کے طلوع ہونے کے آتے ہیں، شاید یہ لوگ اپنی ستارہ شناسی اور معرفت نجوم میں مہارت کے سبب سے اس نام سے موسوم ہوئے ہوں۔ (تدبر قرآن ج ا ص ۲۳۱)

صابیہ کی حقیقت

صابیہ کون تھے؟ اس سلسلے میں علماء و مفسرین سے مختلف اقوال منقول ہیں، امام مجاہدؒ و حسنؒ کے نزدیک یہ لوگ خاص دین کے پیرو نہیں تھے بلکہ یہودیت اور مجوسیت کے بین بین تھے۔ عمر فاروقؓ، ابن عباسؓ اور ابو العالیہؒ وغیرہ کے نزدیک یہ اہل کتاب کا ایک فرقہ اور توحید کا علم بردار تھا۔

ابن زیدؒ کا قول ہے کہ یہ ایک مخصوص دین کے پیرو تھے اور جزیرہ موصل میں آباد تھے، ان کا عقیدہ توحید تھا لیکن نہ تو یہ کسی نبی اور نہ کسی کتاب کے پیرو تھے اور نہ ان کے یہاں شرعی اعمال کا کوئی مخصوص نظام تھا۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ملائکہ کی پرستش کرتے، قبلہ کی طرف نماز پڑھتے اور زبور کی تلاوت کرتے۔

یہ اقوال بظاہر متضاد نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اول اول یہ لوگ دین حق پر تھے لیکن بعد میں یہ لوگ دین حق سے منحرف ہوکر ملائکہ اور ستاروں کی پرستش میں مبتلا ہو گئے جیسے اولاد اسماعیل، توحید کی علم بردار تھی اور پھر دھیرے دھیرے بت پرستی میں مبتلا ہوگئی۔

مختصراً یہ کہ صابیہ مشرق کا وہ مذہبی فرقہ ہے جو یحیٰی علیہ السلام کو اپنا نبی مانتا ہے، ستاروں کی پرستش و تعظیم کرتا ہے اور قطب شمالی کے ستارہ کی جانب رخ کرنا اور پانی میں غوطہ لگانا ان کا اہم مذہبی فریضہ ہے۔

صابیہ کے دیگر القاب

[۱] منداییہ: منداییہ عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں 'مغتسلہ' انھیں مغتسلہ کا لقب اس لیے دیا گیا کیونکہ پانی میں غوطہ لگانا ان کے یہاں اہم ترین عبادت ہے۔

[۲] مینڈین (Mandaen) آرامی لفظ ہے جس کے معنی علم والے کے آتے ہیں انھیں یہ لقب

اس لیے دیا گیا کیونکہ اس مذہب کو جن لوگوں نے چار چاند لگایا وہ فن طب، علم کائنات جوی، ہیئت اور ریاضی کے ماہر اور امام تھے، جیسے ثابت بن قرہ ایک ممتاز انجینئر، جدت پسند ہیئت داں تھا۔ سنان بن ثابت طبیب اور ماہر علم کائنات جوی، البتانی مشہور و معروف ہیئت داں، ابو جعفر الخازن ریاضی داں، ابن الوحشیہ (الفلاحۃ النبطیہ کا مصنف)۔ اس مذہب کی توسیع واشاعت میں ان لوگوں کا رول کافی اہم ہے۔

[۳] نصارائے یحیٰ علیہ السلام: عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحیٰ کی امت کہتے ہیں لیکن جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ان کے اس لقب کو غلط ٹھہرایا گیا ہے۔ (دیکھیے: ج ۸ ص ۲۸۸)

امام الشہرستانی نے ان کا شمار 'الروحانیون' میں کیا ہے یعنی وہ لوگ جو ملائکہ پرستی اور کواکب پرستی میں مبتلا ہیں۔ (دیکھیے الملل والنحل)

صابیہ اپنے کو دوسرے فرقوں کے سامنے صابی ہی کہتے ہیں، اس لیے اسی نام سے ان کو موسوم کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

صابیہ کے اہم عقائد

خدا کا تصور

صابیہ اس بات کے قائل ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو حکیم ہے اور داغ حدوث سے پاک ہے، جس کے جلال تک پہونچنے کے لیے عجز کا اعتراف ہم پر واجب ہے، جس کا تقرب مقدس و مقرب وسیلوں کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ الشہرستانی کے بقول یہ مقرب واسطے وہ روحیں ہیں جو اپنے جوہر، افعال اور حالت کے اعتبار سے پاک اور مقدس ہیں اور اپنے جوہر کے لحاظ سے وہ جسمانی مواد سے پاک، قوائے طبیعی سے مبرا اور حرکات مکانی اور تغیر زمانی سے منزہ ہیں۔ وہ روحوں کو اپنا رب، اپنا دیوتا اور اللہ رب الارباب کے پاس اپنا سفارشی اور وسیلہ مانتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ انسان اپنی شہوانی خواہشات اور قوائے غضبیہ کو مغلوب کر کے ان روحوں سے مناسبت پیدا کر سکتا ہے اور پھر ان کے توسط سے خالق کائنات سے اپنی حوائج و ضروریات کو مانگ سکتا ہے۔

ابن ندیم کے بقول: اللہ تعالیٰ نے اپنے اصحاب عقل وتمیز بندوں کو اپنی ربوبیت کے اقرار کا مکلّف ٹھہرایا ہے، حق کا راستہ ان کے لیے واضح کیا ہے، ان کی رہنمائی اور اتمام حجت کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں اور ان کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی رضا جوئی کی دعوت دیں اور اس کے غضب سے ڈرائیں۔ان پیغمبروں نے اس کی اطاعت کرنے والوں کو لازوال نعمتوں کی نوید سنائی ہے اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی دی ہے جو بقدر استحقاق کے ہوگا اور پھر منقطع ہوجائے گا۔

(الفہرست:۴۷۷)

رسالت کا تصور

صابئہ رسالت کے قائل ہیں، اور درج ذیل اشخاص کو اپنا پیغمبر مانتے ہیں:

[۱] عاذیمون (پاکیزہ روح) Agatholemon

[۲] ہرمس (Hermes)

بعض اہل تحقیق کے نزدیک عاذیمون سے مراد شیث علیہ السلام اور ہرمس سے مراد ادریس علیہ السلام ہیں۔

[۳] ادرفیوس (Orpheus)

[۴] یحیٰی علیہ السلام (دیکھیے: اردو دائرہ معارف ۴)

کواکب پرستی

صابئہ اگرچہ دین توحید کے علم بردار تھے لیکن رفتہ رفتہ کواکب پرستی کے قائل ہوگئے اور دو گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ایک وہ جو ستاروں کی براہ راست پرستش کرتے تھے جنھیں معابد کہتے ہیں اور دوسرے وہ جو ہاتھ سے بنی ہوئی مورتیوں (اشخاص) کی پوجا کرتے تھے جنھیں انسانوں کے تعمیر کردہ معابد میں رکھا جاتا تھا اور جو ستاروں کی نمائندگی کرتی تھیں۔ان کا خیال ہے کہ ستاروں کا طلوع وغروب بارش وغیرہ پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کائنات میں جو حرکات وسکنات بھی ہوتی ہیں اس میں ان ستاروں کا بڑا دخل ہے۔

عہد رسالت میں یہ تصور عراق وحجاز میں پھیلا ہوا تھا، جس کی تردید کرتے ہوئے آپ ﷺ نے حدیبیہ میں بادل والی رات کی صبح بعد نماز فجر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی فرشتوں کے درمیان یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ میرے بندوں نے آج صبح اس حال میں کی ہے کہ بعض

ان میں سے مومن ہیں اور بعض کافر، جن لوگوں نے آج کی اس بارش کو ستاروں کا کرشمہ قرار دیا ہے گویا انھوں نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لائے، اور جنھوں نے اسے خدا کی رحمت قرار دیا گویا وہ میری ربوبیت پر ایمان لائے اور ستاروں کی تدبیر کا انکار کیا۔ (المؤطا:٦٧)

نبی اکرم ﷺ کے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کا جب دس ہجری میں انتقال ہوا تو اتفاق سے اسی دن سورج کو گہن بھی لگ گیا، چنانچہ اسی تصور کی بنا پر بعض لوگوں نے سورج گہن کو ابراہیم کی موت سے جوڑ دیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی یوں تردید فرمائی: ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله ،لایخسفان لموت احد ولا لحیاته۔ (المؤطا)

"یقیناً سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان دونوں کو گہن کسی کی موت وحیات کی بنا پر نہیں لگتا۔"

صابئہ کی مقدس کتابیں

صابئہ کے یہاں مقدس کتابیں بارہ ہیں۔ یہ سامی زبان میں لکھی ہوئی ہیں جو سریانی زبان سے ملتی جلتی ہیں۔

(۱) کنزا ربا

اس کے لغوی معنی ہیں "عظیم کتاب"۔ صابئہ کا اعتقاد ہے کہ یہ اصلاً آدم علیہ السلام کو دیے گئے آسمانی صحیفے ہیں، اس کے محتویات اور عناوین متنوع ہیں۔ تخلیق کائنات، مخلوقات کا حساب و کتاب، دعائیں اور مختلف قصوں پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ عراقی میوزیم میں اس کا مکمل نسخہ موجود ہے۔ ۱۸۱۵ میں یہ کتاب کوپنہاجن سے اور ۱۸٦۷ میں یہ کتاب لایبزلغ سے شائع ہوئی ہے۔

(۲) دراشہ ادیہیا

یعنی یحییٰ علیہ السلام کی تعلیمات۔ یہ کتاب یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح حیات اور آپ کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔

(۳) الفلستا

عقد نکاح کی کتاب، اس کتاب میں عقد شرعی، خطبۂ نکاح اور مختلف دینی جشنوں کا بیان ہے۔

(۴) سدرۃ اِدنشاما

اس کتاب میں بپتسمہ، تدفین، سوگ کے مسائل اور روح کے عالم اجساد سے عالم انوار تک جانے کی کیفیت کا بیان ہے۔عراقی میوزیم میں اس کا ایک جدید نسخہ پایا جاتا ہے جو مندائی زبان میں لکھا ہوا ہے۔

(۵) کتاب الدیونان

اس میں مختلف قصے اور بعض روحانیوں کی سوانح حیات مع تصاویر درج ہیں

(۶) کتاب اِسفر ملواشۃ

اس کے لغوی معنی سفر البروج کے آتے ہیں۔علم نجوم کے ذریعہ مستقبل کے امور و حادثات کی معرفت کے ذرائع اور طریقوں کے بیان پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

(۷) کتاب النیانی

اس کے معنی ہیں ترانے اور دینی اوراد۔عراقی میوزیم میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

(۸) کتاب قماھاذ ہیقل زیوا

دوسو سطروں پر یہ کتاب مشتمل ہے۔اسے حجاب بھی کہا جاتا ہے۔اس کے بارے میں صابئہ کا یہ اعتقاد ہے کہ جو شخص اس کو اٹھائے ہوئے ہو، اس پر آگ یا ہتھیار موثر نہیں ہوتا۔

(۹) تفسیر بغرہ

انسانی جسم کی ساخت اور اس کی بناوٹ پر مشتمل ہے اور ہر طبقہ کے لیے مناسب غذاؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱۰) کتاب ترسسر اُلف شیالہ

بارہ ہزار سوالوں پر مشتمل کتاب۔

(۱۱) دیوان طقوس التطہیر

تعمید، بپتسمہ کے مختلف طریقوں کے بیان پر مشتمل ہے۔

(۱۲) کتاب کداوا کدفیانا

پناہ اور تعوذ کی کتاب۔

علماء کے مراتب اور ان کے فرائض

مذہبی رہنما بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص جسمانی لحاظ سے صحیح سالم اور اس کے حواس خمسہ بالکل درست ہوں۔شادی شدہ اور با اولاد ہو، ختنہ شدہ نہ ہو۔صابئہ کے یہاں پرسنل لاء میں انہی کے علماء کا سکہ چلتا ہے۔(جیسے پیدائش، بچے کا نام رکھنا، بپتسمہ، شادی، نماز، ذبح اور جنازہ وغیرہ) ان کے چھ مراتب ہیں:

(۱) حلالی

اسے 'الشماس' بھی کہتے ہیں۔جنازے کی رسموں کو انجام دیتا ہے، ذبح کی سنتوں کو قائم کرتا ہے۔اسے کنواری لڑکی سے ہی شادی کا حق ہے، شادی شدہ سے نہیں۔اگر شادی شدہ عورت سے شادی کرلے تو یہ اپنے مقام کو کھودے گا اور اسے اپنے فرائض کو انجام دینے سے روک دیا جائے گا اور اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اور اس کی بیوی ۳۶۰ بار بہتی نہر میں غسل کریں۔

(۲) الترمیدہ

حلالی جب دونوں مقدس کتابوں (ادنشاما اور النیانی) پر عبور حاصل کرلے تو عبادت گاہ میں موجود پانی میں غسل کرے اور سات دن بیدار رہے، ایک لمحہ کے لیے بھی آنکھ نہ جھپکے کہ مبادا احتلام نہ ہو جائے تو وہ حلالی کے مقام سے ترقی کر کے ترمیدہ کے مقام پر پہنچ جائے گا۔اس کی ذمہ داری صرف کنواری لڑکیوں کا عقد کرانا ہے۔

(۳) الأبیسق

وہ ترمیدہ جو بیوہ عورتوں کا عقد کرائے، وہ ترمیدہ سے اُبَیْسَق کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور پھر ہمیشہ اسی مرتبہ پر قائم رہتا ہے۔

(۴) الکنزبرا

وہ فاضل ترمیدہ جس نے کبھی بیوہ عورتوں کا عقد نہ کرایا ہو اور اپنی مذہبی کتاب 'کنزاربا' اس نے یاد کرلی ہو، وہ اس مقام پر پہنچ جائے گا اور اسے اپنی مقدس کتاب 'کنزاربا' کی تفسیر کا حق حاصل ہو جائے گا۔نیز اسے بہت سارے اختیارات مل جائیں گے یہاں تک کہ اگر وہ اپنی قوم کے کسی فرد کو قتل کردے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔کیونکہ وہ خدا کی جانب سے

اپنی قوم پر وکیل بنایا گیا ہے۔

(۵) الریش اُمۃ

یعنی رئیس امت اور وہ جس کا کلمہ امت میں نافذ العمل ہوتا ہے۔ صابئہ کے یہاں عصر حاضر میں کوئی رہنما اس مقام پر نہیں پہنچ پایا ہے، کیونکہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے وافر علم اور ممتاز قدرت وصلاحیت کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۶) الربانی

صابئہ مذہب کے مطابق اس مقام پر صرف یحیٰ علیہ السلام ہی پہنچ سکے ہیں، نیز اس مقام پر بیک وقت دو افراد نہیں پہنچ سکتے۔ ربانی عالم انوار میں رہتا ہے اور اپنی امت کو دین کی تعلیم وتبلیغ کے لیے زمین پر اترتا ہے اور پھر دوبارہ اپنے نورانی عالم میں پہنچ جاتا ہے۔

عبادات اور اس کے طریقے

مندی

صابئہ کی عبادت گاہ کو ''مندی'' کہتے ہیں، یہیں ان کی مقدس کتابیں رکھی جاتی ہیں اور مذہبی رہنماؤں کا بپتسمہ بھی اسی کے اندر انجام پاتا ہے۔ مندی بہتی ہوئی دریاؤں کے داہنے ساحل پر تعمیر کیا جاتا ہے اور ایک نہر دریا سے اندر لائی جاتی ہے۔ اس میں صرف ایک ہی دروازہ جنوبی سمت میں ہوتا ہے تاکہ عبادت گاہ میں داخل ہونے والے کا رخ قطب شمالی کے ستارہ کی جانب رہے۔ عبادت گاہ میں عورتیں داخل نہیں ہوسکتیں۔ عمل اور عبادت کے لمحوں کے دوران عبادت گاہ کے اوپر ''یحیٰ'' کے جھنڈا کا لہرانا لازمی ہے۔

نماز

نماز دن میں تین بار طلوع آفتاب سے کچھ پہلے، زوال آفتاب کے وقت اور غروب سے چند لمحے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ اتوار کے دن اور تیوہاروں کے موقعے پر جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی مستحب ہے۔ نماز، قیام وقعود، رکوع اور جلسہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ البتہ اس میں سجدہ نہیں کیا جاتا۔ تقریباً سوا گھنٹے تک جاری رہتی ہے۔ اس میں نمازی ننگے قدم، پاک لباس میں

سات قرأت کرتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کے ساتھ عالم انوار سے جا ملنے کی راہ آسان کرنے کی خصوصی دعا بھی شامل ہوتی ہے۔

روزہ

صابئہ روزہ کو حرام مانتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک روزہ رکھنا حلال اشیاء کو حرام قرار دینا ہے جو کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے۔ البتہ ان کے یہاں پہلے دو طرح کا روزہ مشروع تھا:

(۱) بڑا روزہ: اس سے مراد کبائر سے اجتناب اور گندی خصلتوں سے چھٹکارہ حاصل کرنا ہے۔

(۲) چھوٹا روزہ: اس میں وہ سال بھر میں منتشر ۳۲ دنوں میں حلال گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

ابن الندیم (۳۸۵ھ) نے اپنی کتاب ''الفہرست'' میں اور ابن العبری (۶۸۵ھ) نے ''تاریخ مختصر الدول'' میں لکھا ہے کہ قدیم زمانے میں صابئہ ہر سال تیس دن کے روزے رکھتے تھے۔

طہارت

طہارت مرد و عورت سب پر فرض ہے۔ طہارت و پاکی اس پانی سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے جو اپنے طبعی و فطری منبع سے منقطع نہ ہوا ہو۔ غسل جنابت کا طریقہ یہ ہے کہ غسل کی نیت سے تین بار پانی میں ڈبکی لگائے اور قطب شمالی کے ستارہ کی جانب رخ کر کے وضو کرے۔ ان کے یہاں وضو کا طریقہ مسلمانوں کے وضو سے ملتا جلتا ہے۔ وضو کے دوران متعدد دعاؤں کا التزام کیا جاتا ہے۔

نواقض وضو میں پیشاب، پاخانہ اور ہوا کا خروج ہے۔ حائضہ اور نفاس میں مبتلا عورت کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

فقہ صابئی کے اہم احکام و مسائل

ہر کنواری دولہن کو دولہے کے حوالہ کرنے سے پہلے اور اس کو بپتسمہ دینے کے بعد اپنی دوشیزگی کا ثبوت دینا پڑتا ہے، جس کی تفتیش کنزبرا کی والدہ یا بیوی انجام دیتی ہے۔

حد زنا

زانیہ عورت کو قتل نہیں کیا جاتا ہے بلکہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کے لیے توبہ ممکن ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بہتے ہوئے پانی میں غسل کرے۔

طلاق

صابی مذہب میں طلاق غیر مشروع ہے، اگر شوہر یا بیوی میں شدید اخلاقی گراوٹ پائی جائے تو ایسی صورت میں کنز برا کے توسط سے زوجین کے درمیان تفریق کرا دی جاتی ہے۔

مندائی سال

مندائی سال ۱۲ ماہ اور تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے۔ ہر ماہ میں تیس دن ہوتے ہیں۔ البتہ یہ لوگ ہجری تاریخ کو بھی صحیح مانتے ہیں اور اس کو استعمال کرتے ہیں، کیونکہ محمد عربی ﷺ کی آمد کی پیش گوئیاں ان کی مقدس کتابوں میں مرقوم ہیں۔

اتوار کی تقدیس

عیسائیوں کی طرح اتوار کے دن کی تقدیس کے قائل ہیں اور اس دن وہ کوئی بھی کام انجام نہیں دیتے۔

نیلا رنگ

نیلے رنگ سے انھیں شدید نفرت ہے، نیلے رنگ کو یہ مطلقاً نہیں چھوتے۔

غیر شادی شدہ شخص کا حکم

شادی ہر صابئی پر فرض ہے، اگر کوئی شخص مجرد رہے، شادی نہ کرے تو ایسے شخص کو نہ تو دنیا میں جنت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی آخرت میں اسے جنت ملے گی۔

کاہنوں کا مقام

صابئہ کے یہاں کاہنوں کا مقام کافی بلند ہے۔ علم نجوم کے ذریعہ مستقبل کے حادثات کی پیشن گوئی کو مذہبی تقدس حاصل ہے، اسی لیے نوجوان مرد اور عورتیں شادی سے پہلے اور تجارت وغیرہ کے لیے نکلنے سے پہلے کاہنوں کے پاس جاتے ہیں تاکہ شادی اور سفر کے مبارک دن کا پتہ حاصل کر سکیں۔ کاہن انھیں علم نجوم کے ذریعہ اس کی خبر دیتے ہیں۔

تعدد ازواج

مرد کے لیے حسب استطاعت جتنی وہ شادی کرنا چاہتا ہے، جائز ہے۔

دوا کی حرمت

یہ لوگ دوا نہیں پیتے، البتہ تیل و مرہم وغیرہ کے استعمال پر کوئی حرج نہیں۔

ذبیحہ اور اس کا طریقہ

یہ لوگ صرف اسی ذبیحہ کو کھاتے ہیں جسے کسی عالم دین نے ذبح کیا ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے ذبح کرنے والا پہلے خود وضو کرتا ہے پھر جانور کو تین بار پانی میں ڈبوتا ہے اور اس دوران چند دینی اذکار کی تلاوت کرتا ہے اور پھر شمال کی جانب رخ کر کے اسے اس طرح ذبح کرتا ہے کہ اس کے خون کا آخری قطرہ بھی نچڑ جائے۔ غروب آفتاب کے بعد یا طلوع آفتاب سے قبل جانور کو ذبح کرنا حرام ہے۔ البتہ عید پنجہ کے دن جائز ہے۔

مخصوص لباس

ہر دینی مجلس کے لیے مخصوص لباس متعین ہے اور ہر مرتبہ کے عالم کا لباس بھی ممتاز اور جدا ہے۔

بے اولاد شخص کا مسئلہ

اگر کوئی شخص بے اولاد مرجائے تو اسے "مطہر" یا کی حاصل کرنے کی جگہ سے گزارا جاتا ہے تا کہ وہ وہاں چند روز رہ کر عالم انوار میں منتقل ہو سکے اور پھر وہ ان کے عقیدہ کے مطابق جسمانی روپ میں تشریف لاتا ہے کیونکہ اس کی روح کوئی جسمانی روپ دھار لیتی ہے، چنانچہ وہ شادی بھی کرتا ہے اور بچے بھی پیدا کرتا ہے۔

ترکہ

ترکہ صرف بڑے بیٹے کا حق ہے، البتہ مسلمانوں کے پڑوس میں رہنے کی بنا پر انھوں نے اسلامی قوانین میراث کو اپنا لیا ہے۔

اصطباغ اور اس کی قسمیں

اصطباغ یعنی بپتسمہ [توبہ کی نیت سے تر و تازہ پانی میں غوطہ لگانا] اس مذہب کی اہم

ترین رسم ہے، جو زندہ پانی میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی عبادت یا رسم اس کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی خواہ گرمی کا موسم ہو یا سردی کا۔ البتہ عصر حاضر میں ان کے مذہبی رہنماؤں نے اب غسل خانوں میں بھی اس رسم کی ادائیگی کی اجازت دے دی ہے اور چشموں کے پانی سے بھی اب اس رسم کو ادا کیا جا سکتا ہے۔

بپتسمہ کی یہ رسم مذہبی رہنما کے توسط سے ہی انجام دی جا سکتی ہے۔

بپتسمہ کی قسمیں

پیدائش، نکاح، تیوہاروں کی مناسبت سے اصطباغ ضروری ہے، جس کی مختصر تفصیلات درج ذیل ہے۔

(۱) پیدائش

بچہ جب ۴۵ دن کا ہو جائے تو پیدائش کی گندگی سے پاک کرنے کے لیے اس کو بپتسمہ دیا جاتا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ بچہ کو گھٹنے تک بہتے ہوئے پانی میں داخل کیا جاتا ہے اس حال میں کہ اس کا رخ قطب شمالی کے ستارے کی جانب ہو اور اس کے ہاتھ میں آس کے درخت کی بنی ہوئی ایک سبز رنگ کی انگوٹھی رکھی جاتی ہے۔

(۲) نکاح

شادی کی مناسبت سے یہ رسم اتوار کے دن ترمیدہ اور کنزبرا کی موجودگی میں انجام دی جاتی ہے۔ مخصوص لباس میں فلستا کے چند حصوں کے پڑھنے کے ساتھ تین بار غوطہ لگایا جاتا ہے پھر دونوں ایک برتن سے جس میں نہر کا پانی ہوتا ہے پیتے ہیں اسے ''ممبوھہ'' کہتے ہیں پھر دونوں ''بہشہ'' نامی ایک کھانا کھاتے ہیں پھر دونوں کی پیشانی کی سرسوں کے تیل سے مالش کی جاتی ہے پھر سات دن دونوں الگ الگ رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو چھو نہیں سکتے کیونکہ ان ایام میں وہ ناپاک تصور کیے جاتے ہیں۔ شادی کے سات دن کے بعد پھر سے ان کو پانی میں غوطہ لگوایا جاتا ہے اور ان سات دنوں میں جن رکابیوں، پلیٹوں اور ہانڈیوں میں ان دونوں نے کھایا یا پیا ہوتا ہے انھیں دھلا جاتا ہے۔

اجتماعی بپتسمہ

ہر سال عید پنجہ کے موقع پر اجتماعی طور پر جملہ مردوں اور عورتوں پر بپتسمہ لینا لازم ہے۔عید پنجہ کے پانچوں دن کھانے سے پہلے تین بار پانی میں غوطہ لگانا ضروری ہے۔جس کا مقصود سال گزشتہ کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے۔عید پنجہ کے موقعے پر دن ورات کسی بھی وقت اصطباغ کیا جا سکتا ہے جبکہ بقیہ ایام میں یہ رسم صرف دن میں ادا کی جاتی ہے۔

میت اور اس کے احکام

صابی شخص جب جاں کنی کے عالم میں ہوتا ہے تو روح نکلنے سے پہلے بہتی نہر میں لے جا کر بپتسمہ دلایا جاتا ہے، اگر وہاں لے جانے سے پہلے ہی انتقال ہو گیا تو وہ نجس مانا جاتا ہے اور اس کو چھونا حرام ہوتا ہے۔

جاں کنی کے عالم میں مبتلا شخص کو قطب شمالی کے ستارہ کی جانب رخ کر کے غسل دلایا جاتا ہے اور پھر گھر واپس لا کر بستر پر ستارہ کی جانب رخ کر کے بیٹھایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی روح قبض ہو جائے۔

مرنے کے تین گھنٹہ کے بعد اس کی تجہیز و تکفین کی جاتی ہے۔جس مقام پر اس کا انتقال ہوا ہے وہیں تدفین ضروری ہے، کسی اور جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔صابی کو قبر میں پشت کے بل لٹایا جاتا ہے، اس حال میں کہ اس کا چہرہ اور اس کے دونوں پیر قطب شمالی کی جانب ہوتے ہیں تاکہ جب وہ دوبارہ زندہ کیا جائے تو اس کا چہرہ قطب شمالی کے ستارہ کی جانب ہو۔

میت کے منہ میں قبر کھودتے وقت کے پہلے پھاوڑے کی تھوڑی سی مٹی بھی رکھی جاتی ہے، انتقال کے موقعے پر رونا اور نوحہ کرنا مطلقاً حرام ہے۔موت کا دن ان کے لیے فرح و سرور کا موقع ہوتا ہے جیسا کہ یحییٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کو اس کی وصیت کی تھی۔جس شخص کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے، اسے نہ تو چھوا جاتا ہے اور نہ ہی غسل دیا جاتا ہے اور مذہبی رہنما 'کنزبرا' اس کی جانب سے بپتسمہ کی رسم ادا کرتا ہے۔

صابئہ کے اہم تیوہار

(۱) عید کبیر

اس کو وہ "عید ملک الانوار" بھی کہتے ہیں۔ اس دن وہ لوگ اپنے گھروں میں ۳۶ گھنٹہ اعتکاف میں بیٹھتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی ان کی آنکھیں نہ جھپکنے پائیں تا کہ وہ احتلام کا شکار نہ ہوسکیں، کیونکہ احتلام سے ان کی خوشی کافور ہو جاتی ہے۔ اعتکاف کے فوراً بعد وہ بپتسمہ کی رسم ادا کرتے ہیں۔ یہ تیوہار چار دن رہتا ہے جس میں خرگوش اور مرغیوں کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس دوران وہ کوئی دنیاوی کام انجام نہیں دیتے۔

(۲) عید صغیر

عید کبیر کے ۱۱۸ دنوں کے بعد محض ایک دن کا یہ تیوہار ہے، جس میں ایک دوسرے کی زیارت کی جاتی ہے اور بسا اوقات تین دنوں تک جاری رہتا ہے۔

(۳) عید پنجہ

پانچ دنوں پر مشتمل یہ تیوہار عید صغیر کے چار مہینہ بعد آتا ہے۔ ان پانچوں دنوں جملہ افراد کے لیے کھانے سے پہلے تین بار بہتے ہوئے پانی میں بپتسمہ لینا ضروری ہے۔ جس سے گزشتہ سال کے جملہ گناہ مٹ جاتے ہیں۔ ان دنوں میں اصطباغ دن اور رات کے کسی بھی حصہ میں کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ عید یحیٰ

مقدس ترین اور ایک دن کا یہ تیوہار یحیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی مناسبت سے منایا جاتا ہے، جسے وہ اپنا مخصوص نبی مانتے ہیں۔ یہ تیوہار عید پنجہ کے دو ماہ بعد منایا جاتا ہے۔

صابئہ کی اہم آبادیاں

صابئہ مندائیہ عراق میں دریائے دجلہ و فرات کے نشیبی ساحل پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اہوار اور شط العرب کے علاوہ عمارہ، ناصریہ، بصرہ، قلعہ صالح، حلفایہ، زکیہ، سوق الشیخ اور دریائے دجلہ و فرات کے سنگم جسے "قرنہ" کہا جاتا ہے، کے علاوہ موصل، کرکوک، شرش اور

حبانیش اور سلیمانیہ کے علاقوں میں بھی ان کی آبادیاں ہیں۔

عراق کے علاوہ ایران میں نہر کارون اور دریائے دز کے علاوہ ایران کے ساحلی شہروں میں بھی یہ آباد ہیں جیسے محمرہ، ناصریۃ الاھواز، ششتر اور دزبول وغیرہ

عراق میں فی الحال ان کے صرف دو معبد باقی بچے ہیں اور بقیہ ڈھ گئے ہیں، بغداد میں ان کا ایک معبد حال میں بنایا گیا ہے۔

صابئہ کی اکثریت چاندی کی صنعت سے وابستہ ہے۔ زیورات، برتن اور گھڑیوں کو یہ چاندی سے آراستہ کرتے ہیں اور یہ صنعت عموماً اسی طبقہ میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے، کیونکہ وہ اس صنعت کے اسرار و رموز کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ لکڑی کی کشتیاں، لوہار کے کام، اور خنجر کی صنعت پر بھی انھیں عبور حاصل ہے۔ چاندی کی صنعت میں ان کی ماہرانہ دسترس کی بنا پر ان میں سے بعض کو بیروت، دمشق اور اسکندریہ کے علاوہ اٹلی، فرانس اور امریکہ تک جانے کا موقع ملا ہے۔ یہ لوگ سیاسی نقطۂ نظر سے عاری ہیں۔ مختلف مذاہب کے ماننے والوں سے یہ مشترک نکات کے ذریعے ربط و تعلق استوار کرتے ہیں۔

صابئہ کے فرقے

صابئہ مختلف اقوام و ادیان سے متاثر ہوتے رہے ہیں، جیسے مسیحیت، یہودیت اور مجوسیت، جدید افلاطونیت (جیسے عالم مادی پر روحانی فیض کا اعتقاد) اور عہد ابراہیم کی ستارہ پرستی سے یہ بڑی حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ اس یونانی فلسفہ سے بھی یہ متاثر ہیں جو دین و دنیا کی تفریق کا قائل ہے۔

نتیجہ بحث

صابئہ ان قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے جو ایک خدا کے قائل رہے ہیں۔ قرآن مجید (البقرہ: ۶۲، المائدہ: ۶۹، الحج: ۱۷) میں ان کا تذکرہ صاحب کتاب امت کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ ان سے جزیہ لینے میں فقہاء کی رائیں مختلف رہی ہیں۔

البتہ بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آ گئی یا یہ کسی ایک دین کے پیرو نہ

رہے بلکہ ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کرلیا۔ اسلام کے آنے کے بعد دیگر مذاہب کی طرح یہ مذہب بھی سمٹ کر رہ گیا اور اس کے لیے اپنے مقام کو بچانا دشوار ہوگیا۔

☆☆☆

مزید مطالعہ کے لیے:

عربی

١-الصابئة المندائيون، الليدى دراوور، مطبعة الارشاد، بغداد ١٩٦٩م

٢-مندائي أو الصابئة الأقدمون، عبدالحميد عبادة، طبع في بغداد ١٩٢٧م

٣-الصابئة في حاضرهم و ماضيهم، عبدالرزاق الحسني، طبعة لبنان ١٩٧٠م

٤-الكنزاربا، وهو كتاب الصابئة الكبير ومنه نسخة في خزانة المتحف العراقي۔

٥-الفهرست، ابن النديم، طبع في القاهرة ١٣٤٨ھ

٦-المختصر في أخبار البشر، تأليف أبي الفداء، طبع في القاهرة ١٣٢٥ھ

٧-الملل والنحل، للشهرستاني، طبعة لبنان ١٩٧٥م۔

٨-معجم البلدان، لياقوت الحموى، طبع في القاهرة ١٩٠٦م۔

٩-مقالة لأنستاس الكرملي، مجلة المشرق، بيروت ١٩٠١م۔

١٠-مقالة لزويمر، مجلة المقتطف، القاهرة ١٨٩٧م۔

١١-مقالة لابراهيم اليازجي، مجلة البيان، القاهرة ١٨٩٧م۔

١٢-الموجز في تاريخ الصابئة المندائين العرب البائدة، لعبدالفتاح الزهيري، مطبعة الأركان ببغداد ١٤٠٣ھ

١٣-الصلاة المندائية وبعض الطقوس الدينية، لراعد الشيخ عبدالله نجم، بغداد ١٩٨٨م

١٤-اعتقادات فرق المسلمين والمشركين، فخر الدين الرازي، القاهرة ١٣٥١ھ

١٥-ابراهيم أبوالأنبياء، عباس محمود العقاد، دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان، صفحة ١٣٩-١٤٨ طبعة عام ١٣٨٦ھ/١٩٦٧م۔

انگریزی

1- Handbook of Classical and Modern Mandai, Berlin 1965.

2- Mandaean Bibliography Oxford University Press, 1933.

3- Die Mandaer: ihre Religion und ihre Geschichte Muller: Amsterdam 1916

4- Frankfort Dr. Henri Archeology and the Sumerian Problem, Chiago Studies in Ancient Oriental Civilization No. 4 (Univ. of Chicago Press 1932)

5- J.B. Tavernier, Les Six Voyaojes, Press 1713.

6- M.N. Siouffi, Etudes Sur la Religion des Soubbas Paris 1880.

7- E.S. Drower, The Mandaeans of Iraq and Iran, London 1937.

8- H. Pognon, Inscriptions Mandaites des Coupes de Khoubeir Paris 1898.

باب پنجم

جین مت

لفظ جین کے دو معنی آتے ہیں:

[۱] جین اسم فاعل ہے ''جی'' سے، جس کے معنی جیتنے اور فتح پانے کے ہیں۔ جین یعنی فتح پانے والا۔ لہٰذا جین وہ لوگ ہوئے جنھوں نے اپنے نفس پر فتح پالیا ہو اور ذہن و دل کو جیت کر اپنے قابو میں کر لیا ہو۔ اور چونکہ اس مذہب میں 'نجات' ذہن و نفس پر مکمل قابو پائے بغیر ممکن نہیں اس لیے اس مذہب کو جین مت کہا جانے لگا۔

[۲] لفظ جین کے دوسرے معنی 'عارف' کے آتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے 'جین مت' کے وجہ تسمیہ کی دو توجیہیں کی جا سکتی ہیں۔

الف: بانی مذہب کے لقب ''جین'' کی جانب نسبت کر کے اس مذہب کو جین مت اور اس کے پیروکار کو ''جینی'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ شخص جو مہاویر جین سوامی کا متبع اور پیروکار ہے۔

ب: جین مت میں چونکہ نجات معرفت کی صورت میں حاصل ہوتی ہے اس لیے اسے ''جین مت'' کہا جانے لگا۔ یعنی اس مذہب کا تعلق ''عارفانہ مذاہب'' یا ''گیان مارگ'' سے ہے ''کرم مارگ'' سے نہیں۔

جین مت برہمنی مت سے ہی نکلا ہوا ایک ہندوستانی مذہب ہے، جس کا چھٹی صدی مسیح میں برہمنی مت کے جبر و استبداد کے خلاف ردِ عمل کے طور پر مہاویر جین سوامی کے ہاتھوں ظہور ہوا اور جس کی بنیاد عقیدہ کرم و آواگون پر یقین اور اس سے نجات کے حصول کی جدوجہد

کرنے پر مبنی ہے۔ یہ نجات نفس کشی کی عجیب وغریب ریاضتوں اور ایسے گہرے مراقبوں پر مبنی ہے جس سے انسان کی خواہشات وتمناؤں کا سرے سے وجود ہی ختم ہو جائے۔

جین مت کی قدامت

جین عقیدہ کے مطابق جین مت ایک ابدی مذہب ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ اس خیال میں کس قدر صداقت ہے اس کا اندازہ ہر قاری خود لگا سکتا ہے، البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جین مت کی ابتدائی شکل ویدک عہد میں موجود تھی کیوں کہ جین مت کے دو تیرتھنکروں (رشبھ اور ارشٹ نیمی) کا ذکر رگ وید میں موجود ہے۔ "رشبھ دیو" پوری کتھا 'وشنو پران' اور 'شریمد بھگوت پران' میں ملتی ہے۔

جینیوں کا خیال ہے کہ ہر دور میں مختلف وقفوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے چوبیس تیرتھنکر (مصلح) پیدا ہوئے ہیں، جو اپنے اپنے زمانہ میں جین مت کی اصلاح اور احیا کا کام سرانجام دیتے رہے ہیں۔ ان مصلحین کے نام درج ذیل ہیں:

[۱] رشبھ دیو Rashabhdew
[۲] اجت ناتھ Ajat Nath
[۳] شمبھو ناتھ Shambhu Nath
[۴] نندان Nandan
[۵] سمتی ناتھ Samti Nath
[۶] پدم پربھ Padam Prabha
[۷] سپارش ناتھ Saparish Nath
[۸] چندر پربھ Chandra Prabha
[۹] سبادھی ناتھ Sabadhi Nath
[۱۰] شیتل ناتھ Sheetal Nath
[۱۱] شری یانس Shri Yans
[۱۲] شری باسو دیو Shri Basu Dew
[۱۳] شری بمل ناتھ Shri Bimal Nath
[۱۴] اننت ناتھ جی Anant Nath Ji
[۱۵] شری دھرم ناتھ Shri Dhram Nath
[۱۶] شانتی ناتھ Shanti Nath
[۱۷] کنتی ناتھ Kanti Nath
[۱۸] ارہ ناتھ Arah Nath
[۱۹] مالی ناتھ Mali Nath
[۲۰] مونی سوامی Muni Swami
[۲۱] نامی ناتھ Nami Nath
[۲۲] ینام ناتھ Yanam nath
[۲۳] پارس ناتھ Paras Nath
[۲۴] مہاویر جین سوامی Maha Bir Jain Swami

مہاویر جین سوامی آخری مصلح تھے،اب آپ کے بعد کوئی اور تیرتھینکر نہیں آئے گا۔

جینیوں کے اس دعویٰ (جین مت کی ابدیت) سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ جینیوں نے نہ اپنی تاریخ محفوظ رکھی ہے اور نہ ہی انھیں جین مت کے آغاز کا علم ہے۔ظاہر ہے جو قوم اپنی تاریخ کو بھی محفوظ نہ رکھ پائے وہ دیگر امور کو کیا محفوظ رکھ سکے گی۔

جین مت کے ظہور کا تاریخی پسِ منظر

جین مت کے ظہور کے وقت ہندوستان میں برہمنی مت کا دور دورہ تھا۔زندگی کے تمام ہی شعبوں پر برہمنوں کی اجارہ داری تھی اور خاص کر مذہب میں تو انھوں نے وہ افراتفری مچا رکھی تھی کہ خدا کی پناہ مختلف عبادتوں،نئی قسم کی پرستشوں،طرح طرح کے چڑھاووں،منتوں اور اعمال کا ایک ایسا مسلسل تار بندھا ہوا تھا کہ اس سے چھٹکارا پانا ایسا ہی تھا جیسے مکڑی کے جالے سے غریب مکھی کا۔اٹھتے بیٹھتے،سوتے جاگتے،کسی وقت بے جان رسوم اور اکتا دینے والے اعمال سے فرصت نہ تھی اور طرہ یہ کہ دن بہ دن یہ زنجیریں اور کڑی ہوتی جاتی تھیں۔"

جسم و روح کی اصلاح و تربیت کے بجائے صرف ظاہری رسوم اور عمل کی بالادستی تھی۔قربانی اور یگیہ کا کافی رواج تھا۔یگیوں میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں جانور ذبح کیے جاتے تھے۔بودھوں کے ایک مذہبی نوشتے ''سل سینت''میں ہے:

> ''بھگوان بدھ شراوستی میں رہتے تھے اس وقت پسیندی کوسل راجہ کا مہا یگیہ شروع ہوا۔اس میں پانچ سو بیل،پانچ سو بچھڑے،پانچ سو بچھیاں،پانچ سو بکرے اور پانچ سو مینڈے کھمبوں سے بندھے ہوئے تھے۔''

ویدک ادب کے قدیم سنسکرت زبان میں ہونے اور اس کی تعلیم و تشریح پر صرف برہمنوں کی اجارہ داری کی وجہ سے ہندوستانی سماج میں دوسرا اور تیسرا درجہ رکھنے والے چھتری اور ویش ذات کے لوگوں کے لیے صرف برہمنوں کے واسطہ سے ہی مذہب سے کوئی استفادہ ممکن تھا۔شودروں،اچھوتوں اور عورت ذات کے لیے عام مذہبی زندگی کے دروازے بالکل بند تھے۔

مذہبی تعلیم اور مقدس کتابوں پر برہمنوں کی مکمل اجارہ داری،طبقاتی نظام کی کشمکش، شودروں اور عورتوں کے لیے ویدک ادب سے استفادہ کی ممانعت کی وجہ سے لوگ اس نظام سے

چھٹکارے کے شدید خواہش مند تھے۔ یہ حالات تھے جب مہاویر جین سوامی نے اہنسا کا پرچار کیا، روح اور جسم کی اصلاح کی جانب توجہ دلائی، مایوس ہونے والوں کو آس دی، امیر وغریب، برہمن اور شودر سب کو ایک نظر سے دیکھا، مساوات اور اخوت کی صدائے عام دی اور ہندوستان کی ایک قابل ذکر آبادی کو جین مت کا پیرو بنالیا۔

بانی مذہب کون؟

عموماً مہاویر جین سوامی کو ہی جین مت کا بانی سمجھا جاتا ہے،لیکن تاریخی اعتبار سے یہ نظریہ درست نہیں ہے کیوں کہ اس امر کے قوی شواہد موجود ہیں کہ جین مت مہاویر کی پیدائش سے قبل موجود تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ صرف ایک راہب تھے جنھوں نے اپنے خاندانی مذہب 'جین مت' کو اختیار کرلیا تھا۔جین مت میں درآئی خرابیوں کی اصلاح اور اس کی اشاعت و استحکام کے لیے کی گئی آپ کی عظیم خدمات نیز موجودہ 'یگ' کے آخری تیرتھینکر ہونے کی بنا پر جین روایت میں مہاویر کو وہ مقام حاصل ہے، جس کی وجہ سے عام طور پر آپ کو ہی اس مذہب کا بانی سمجھ لیا جاتا ہے۔

مہاویر جین کی پیدائش ۱۳ چیت کو ۵۹۹ ق م میں مشرقی ہندوستان کے مشہور صوبہ بہار کے شہر ویشالی کے ایک نواحی گاؤں کنڈپور (بعض روایتوں میں بساڑہ کا ذکر ملتا ہے) میں ہوئی تھی۔

آپ کا اصلی نام وردھمان تھا،آپ کے والد کا نام سدھارتھ تھا جو ایک کشتری فرقہ کے امیر تھے، والدہ کا نام ترشالہ تھا جو ودیہہ کے راجہ کی بہن تھیں، مہاویر دو بھائی اور ایک بہن تھے۔ بھائی کا نام نندی وردھن اور بہن کا نام سدرشن تھا۔

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت راج محل میں ہوئی۔ اعلی تعلیم، فنونِ لطیفہ نیز عسکری تربیت کے لیے آپ کو ایک مدرسہ میں داخل کردیا گیا۔

آپ بڑے منکسر المزاج اور عالی حوصلہ تھے۔ بچپن سے ہی مذہبی غوروفکر کی طرف مائل تھے،لیکن والدین کی مرضی نہ پاکر آپ گرہست کی زندگی گزارتے رہے۔عنفوانِ شباب میں آپ کی شادی ایک باحیثیت گھرانے کی صاحبزادی یشودھا سے ہوئی تھی جن سے ان کے ایک لڑکی ''انوجا'' نام کی ہوئی جس کی شادی شہزادہ جمالی سے ہوئی تھی (دگامبر فرقہ کے نزدیک آپ

نے مجرد زندگی گزاری ہے)۔تیس سال کی عمر میں جب آپ کے والدین کا انتقال ہو گیا تو آپ نے اپنی تمام دولت غریبوں میں تقسیم کر دی اور گھر بار چھوڑ کر انتہائی ریاضت میں محو ہو کر سنیاسی بن گئے۔سنیاس کے دوران اپنے خاندانی مذہب 'جین مت' کے مطابق انھوں نے مختلف قسم کی ریاضتوں کا سلسلہ شروع کیا، جس میں ترک دنیا کی انتہائی صورت اختیار کرنے کے لیے انھوں نے اپنے آپ کو ستر پوشی سے بھی بے نیاز کر لیا۔بارہ سال کی سخت ترین ریاضتوں کے بعد ''جامبھک'' نامی گاؤں کے پاس ''رج پالیکا'' ندی کے ساحل پہ ان کو معرفت کا اعلیٰ ترین مقام 'کیولیہ' حاصل ہوا۔اسی وقت سے انھیں ''کیولین'' کہا جانے لگا۔مادی خواہشوں پر فتح پانے کی وجہ سے جین، ارہت (قابل پرستش)، مہاویر (عظیم بہادر) جیسے القاب سے آپ کو پکارا جانے لگا۔

معرفت کے حصول کے بعد چہار طرف گھوم پھر کر آپ اپنے مذہب کی اصلاح و اشاعت میں لگ گئے۔اس دوران علاحدہ متعدد معتقدین کے آپ نے گیارہ خاص شاگردوں کی ایک جماعت بنائی، جس نے آپ کے بعد جین مت کی اشاعت اور ترقی کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا۔

پاواپوری (پٹنہ کے نزدیک ایک مقام) میں آپ نے ۷۲ سال کی عمر میں ۵۲۷ ق م میں وفات پائی۔

جین مت کے عقائد

جین مت کے بنیادی عقائد درج ذیل ہیں:

[۱] جیو اور اجیو

دنیا جیو (روح) اور اجیو (غیر ذی روح) اور ان کے تعلق سے پیدا ہوئے کرشموں کا نام ہے۔یہ کائنات ازلی ہے۔ہمیشہ سے اسی طرح چلی آ رہی ہے۔نہ اس کا کہیں آغاز ہوا اور نہ کبھی اس کا اختتام ہوگا۔اس لیے اس کے خالق کو تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ اپنے قدرتی قانون سے چل رہی ہے۔اس کا انتظام کرنے والا کوئی ایشور نہیں ہے اور نہ اس کو کوئی پیدا یا فنا کرنے والا ہے۔

جیو کی تعریف

جیو ''روح'' یعنی جو جیتا ہے یا ذی روح ہے۔ روح لاتعداد ہے۔ روح اپنی خالص حالت میں لامتناہی ادراک، لامتناہی علم، لامتناہی برکت اور لامتناہی قوت سے موصوف ہے۔ یعنی وہ کامل مطلق ہے لیکن بالعموم چند خاص ناجی روحوں کو چھوڑ کر دوسری تمام روحوں کی قوت و پاکیزگی کرم کے مادہ کے باریک نقاب سے پوشیدہ ہے۔

اجیو

یعنی جو ذی روح نہیں ہے۔ یہ پانچ ہیں:

(۱) پدگل

یعنی مادے جو لطیف اجزاء کی شکل میں موجود ہیں اور ''جیو'' میں داخل ہو کر اس کو کثیف اور میلا کر دیتے ہیں اور اس کی فطری طاقتوں کو چھپا دیتے ہیں اور محدود بنا دیتے ہیں۔

(۲) آکاش یا آسمان

یہ ایسا لطیف وجود ہے جو دنیاوی عالم اور نجات یافتہ روحوں کے اعلیٰ عالم پر چھایا ہوا ہے جس میں تمام چیزیں ''دھرم، ادھرم، جیو اور پدگل'' داخل ہیں۔ وہ کوئی سلبی وجود نہیں ہے اور نہ محض مزاحمت یا خلا ہے بلکہ واقعی ایک وجود ہے جو دوسری چیزوں کو ایک دوسرے میں داخل کرنے میں معاونت کرتا ہے۔

(۳) دھرم

یہ ایسا لطیف مادی جوہر ہے جو دنیاوی عالم سے متحد ہے اور عالم کے اوپری حصہ پر چھایا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے چیزوں میں حرکت ہوتی ہے۔ دھرم کو حرکت کا اصول کہا جاتا ہے، ہم اس کو ایسی علت کہہ سکتے ہیں جو حرکت کو ممکن بناتی ہے یا ایسے حالات فراہم کرتی ہے جن میں کوئی فعل انجام پا سکے۔ یہ اس پانی کی طرح ہے جس میں مچھلی حرکت کرتی ہے۔ جس طرح پانی محض ایک انفصالی شرط ہے یا مچھلی کی حرکت کے لیے حالات فراہم کرتا ہے لیکن مچھلی کو حرکت کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا البتہ اگر مچھلی حرکت کرنا چاہے تو پانی اس کی حرکت کی لازمی معاونت کرتا ہے، اسی طرح دھرم، روح یا مادہ کو حرکت میں نہیں لا سکتا لیکن اگر وہ حرکت کرنا

چاہیں تو وہ بغیر دھرم کے نہیں کر سکتے، لہٰذا دنیاوی عالم کے پرے نجات یافتہ روحوں کے عالم میں کوئی دھرم نہ ہونے کی وجہ سے ان روحوں کو کامل سکون رہتا ہے۔ وہ وہاں حرکت نہیں کر سکتی ہیں کیوں کہ وہاں کوئی لازمی حرکی عنصر یا دھرم نہیں ہے۔

(۴) ادھرم

وہ تتو یا جوہر ہے جو مزاحمت پیدا کرتا ہے اور جس کی وجہ سے چیزیں ایک حالت میں ٹھہر جاتی ہیں۔

(۵) کال

یعنی زماں بھی ایک وجود ہے جس میں تمام واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ کال چیزوں کی کیفیت میں تغیرات پیدا نہیں کرتا بلکہ چیزوں کی نئی کیفیت کے تغیر کے عمل میں مدد دیتا ہے۔ زماں لمحے، گھنٹے اور دن کے طور پر متصور ہوتا ہے اور ''سمے'' کہلاتا ہے۔

(۲) عقیدۂ کرم

نفس و جسم اور گفتگو کے افعال سے مسلسل ایک مادہ خارج ہوتا رہتا ہے جو خارج ہوتے ہی ''بھاؤ کرم'' کہلاتا ہے اور پھر یہ خود کو ''درویہ کرم'' میں تبدیل کر لیتا ہے اور خود کو روح میں ڈالتا ہے اور جذبات کے ہیجان سے اتصال پا کر روح سے چپک جاتا ہے۔ یہ روح کے اصلی مزاج کو چھپا لیتا ہے جس کی کثافت سے روح اسی دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔

(۳) جیو کے قید و نجات سے تعلق رکھنے والے ماحول

[۱] ''اسرو'' روح کی اس حالت کا نام ہے جب کہ وہ کرم کی گندگیوں میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ گیان اور آنند کی سب طاقتیں کرم کی گندگیوں سے چھپ جاتی ہیں اور اس کو قید میں ڈال دیتی ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ کرم کے ذرے آتما پر اس طرح پھیل جاتے ہیں جیسے تیل سے بھیگے ہوئے کپڑے میں تیل کے ذرے داخل ہو کر اسے کالا اور میلا کر دیتے ہیں۔

[۲] ''بندھ'' اسرو کا نتیجہ بندھن ہوتا ہے جس کی وجہ سے جیو خود کو بالکل بھول کر ایک ناچیز شے سمجھنے لگتا ہے اور سب کی طرح تکلیف اٹھاتا ہے۔ نتائج کے چکر میں پھنس کر مجبور ہو جاتا ہے اور غصہ، غرور، لالچ وغیرہ کی کثافت یعنی گندگی سے ملوث ہو کر وہ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

[۳] ''سمورا'' ''اسرو'' کے میلان کو روکنے کا نام ''سم ورا'' ہے جو آزادی کے راستے میں پہلا قدم ہے۔

[۴] ''نرجرا'' کئی ایک گزشتہ جنموں سے گھر کیے ہوئے کرم کے ذرات کو مکمل طور پر نکال کر باہر پھینک دینا اور ان سے آزاد ہونے کو ''نرجرا'' کہا جاتا ہے۔

[۵] ''موکش'' کرموں کا چکر جب بالکل فنا ہو جاتا ہے اور جیو اپنے خالص گیان اور آنند کی حالت کو محسوس کرنے لگتا ہے اور دنیا کی طرف سے منہ موڑ لیتا ہے تو اس حالت کو ''موکش کیولیہ اوستھا'' کہتے ہیں۔ اس حالت میں جیو آتما پدگل سے بالکل الگ ہو کر آزاد ہو جاتا ہے اور سیدھے آسمان پر جا ٹکتا ہے جہاں روح لامحدود گیان، طاقت اور آنند کا تجربہ کرتی ہے۔

[۶] جیو کرم سے رہائی سمیک درشن (صحیح ایمان) سمیک گیان (صحیح علم) سمیک چرتر (صحیح کردار) کے اکٹھا ہونے سے ملتی ہے، اس رہائی کا نام مکتی ہے۔

[۷] شدھ، مکت یافتہ (نجات یافتہ) جیو ہی کا نام پرماتما ہے۔ وہ سنساری جیو کے لیے نمونہ بن کر اس کے راہِ نجات میں رہبر کا کام دیتا ہے اس لیے ہر انسان کو اپنی بہتری اور مکتی حاصل کرنے کے لیے اس کی پرستش واجب ہے۔

[۸] اہنسا سب سے بڑا دھرم ہے۔

[۹] جینی سادھو کے لیے برہمچریہ کی زندگی گزارنا واجب ہے یعنی عورت، خوشبو اور زینت سے مکمل اجتناب۔

[۱۰] حواس خمسہ پر مکمل قابو پانا ضروری ہے کیوں کہ یہی حواس انسان کے اندر خواہشات اور تمنائیں پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے انسان ''نروان'' نہیں حاصل کر پاتا۔

جین مت میں علماء کے مراتب

جین مت میں علماء کے پانچ طبقات بیان کیے گئے ہیں۔

[۱] ارہت

یعنی جسم رکھنے والی وہ نجات یافتہ روحیں جنھیں ہر چیز کا علم حاصل ہو گیا ہو (یعنی جسم رکھتے ہوئے خدا بن گئیں)۔ ان کی تعداد چوبیس ہیں جنھیں تیرتھینکر کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔

[۲] سدھ

یعنی وہ نجات یافتہ روحیں جنھیں وفات کے بعد نجات ملی ہو۔ایسی روحوں کی تعداد بھی چوبیس ہے۔

[۳] آچاریہ

راہبانہ سلسلے کے وہ سردار جو حصول نجات کے قریب پہنچ چکے ہوں۔

[۴] اپاڈھیائے

معلم سادھو، یہ اچاریہ کے تابع ہوتا ہے۔

[۵] سادھو

وہ عام سادھو جس نے ابھی اپنے تجرد وتقشف کا آغاز کیا ہو۔

جین مت کے مصادر

مذہبی امور پر مہاویر جین سوامی کے پچپن لیکچر اور لیکچر کے دوران کیے گئے ۳۶ سوالوں کے جوابات اور آپ کے مریدوں اور شاگردوں کے خطبوں اور پند ونصائح کے مجموعہ کو جین مت میں مقدس کتب کا درجہ حاصل ہے۔

تاریخ تدوین

مہاویر جین سوامی نے اپنی تعلیمات کو نہ تو خود مرتب کیا اور نہ ہی آپ کی زندگی میں وہ تحریر کی گئیں بلکہ وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں اور آپ کے انتقال کے ۱۷۰ سال بعد پاٹلی پتر (پٹنہ) میں منعقدہ پہلی جین کونسل میں منظم صورت میں مرتب کی گئیں اور اس کے بعد بھی وہ یادداشت کے سہارے ہی محفوظ رہیں۔ان منظم تعلیمات کو ''داودشانگ'' کا نام دیا گیا۔دگامبر فرقہ کے نزدیک ان تعلیمات کو پھر ۱۵۶ م میں ''کنڈاکنڈاسوامی'' نے مدون کیا جنھیں ''پروا'' کہا جاتا تھا جن کی تعداد چودہ تھی۔پھر آپ کے شاگرد اوماسوامی نے آپ کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے جین مت پر ایک مستند اور جامع کتاب تالیف کی جو ''تتوارتھ آدیگما سوتر'' کے نام سے معروف ہے۔

سویتامبر فرقہ کے نزدیک یہ تعلیمات تقریباً ایک ہزار سال تک سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں اور ایک ہزار سال کے بعد ۴۵۳ ق م میں ولابھی (Valabhi) کے مقام پر منعقدہ چوتھی جین کونسل میں دیوردھی کی صدارت میں سنسکرت زبان اور پراکرت میں لکھی گئیں جب کہ یہ تعلیمات اس سے پہلے اردھ ماگدھی زبان میں تھیں۔ یہ مدون روایات اسانید سے خالی ہیں اس لیے ان کی صحت وضعف کا اندازہ لگانا ایک مشکل امر ہے۔ نیز ایک ہزار سال سے زائد عرصے میں محض حافظہ کی مدد سے ان تعلیمات کی نسل در نسل منتقلی سے ان میں بڑی تعداد میں تبدیلیاں اور کمی بیشی ہوتی رہی، بلکہ یہ سلسلہ ان تعلیمات کے تحریری شکل میں آجانے کے بعد بھی جاری رہا، جس کا اندازہ ان تحریروں کے اندازِ بیان، اسلوب اور موضوع کے برتنے میں اختلاف سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

سویتامبر فرقہ کے نزدیک جو کتابیں مقدس شمار ہوتی ہیں وہ ۴۵ آگماؤں (مقدس صحیفوں) پر مشتمل ہیں، ان میں گیارہ انگ: [۱] آچار [۲] سوترکت [۳] استھان [۴] سموائے [۵] بھگوتی [۶] جناتھ دھرمکھتاس [۷] اوپاسکھ شاس [۸] انت کرت وشاس [۹] انترپ پاتکھ شاس پرش [۱۰] دیاکرن [۱۱] دساک ہیں۔ یہ کتابیں مہاویرا اور ان کے شاگرد Indra Bhuti کے درمیان مذہبی امور پر ہوئے مکالموں پر مشتمل ہیں۔

بارہ اپ انگ (ذیلی انگ) ہیں: [۱] اوپ پاتک [۲] راج پرشنی یہ [۳] جیو [۴] بھگم [۵] پرگیانیا [۶] جم بودویپ [۷] پرگیاپتی [۸] چندر پرگیاپتی [۹] سوریہ پرگیاپتی [۱۰] نریاولی [۱۱] کلپاوتم وشکاپشیکا پش بچولیکا [۱۲] درشنی وشاس۔

چار مول سوتر یعنی متن: [۱] اوترادھیاین [۲] آوشیک [۳] وش وے کالک [۴] پندر نریکتی۔

چھ چھید سوتر (یعنی اصولوں سے متعلق چھ کتابیں) ہیں: [۱] ونشٹھاؤ [۲] دیوھاؤ [۳] وش شرت سکندھ [۵] بھرت کلپ [۷] پنچ کلپ۔

دو چورنکا یعنی کتب فہرست اور دس پرکیرنکا (متعدد مصادر سے ماخوذ کتابیں) شامل ہیں۔ پرکیرنکا یہ ہیں: [۱] چتو شرن [۲] سمستار [۳] اوترپرتے اکھیان [۴] بھگتاپرگیا [۵] تن دول دیالی [۶] چنڈاوتج [۷] دیویندر ستو [۸] گنی دتج [۹] مہابرتے پاکھیان [۱۰] ویرستو۔

دگامبران صحیفوں کو نہیں مانتے، ان کے نزدیک یہ تمام مقدس کتابیں ناپید ہو چکی ہیں اوران قدیم ناموں سے موسوم کتابیں جعلی ہیں۔

ان مقدس صحیفوں کی تشریح وتفسیر کا سلسلہ پہلی صدی عیسوی سے ہی جاری ہے، جس کی وجہ سے مقدس کتابوں کی بے شمار تفاسیر منظرِ عام پر آئیں، یہ تشریحات وتفاسیر پراکرت، سنسکرت، چینی اورمہاراشٹری زبانوں میں ہیں۔

ان تفاسیر کے علاوہ بعد کے جین عالموں نے آزادانہ طور سے بھی مقدس کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے جین تعلیمات اورعقائد پر طبع زاد کتابیں تصنیف کیں، پھران عالمانہ کتابوں کی بھی شرحوں اورحاشیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ ان کے علاوہ جین عالموں نے بہت سے اخلاقی قصے بھی لکھے ہیں جن میں ''سمراچچ کہااوپ اورمت بھاوپرپن چا'' کافی مشہور ہیں۔

جین مت کی اشاعت

''کیولیہ'' کے مقام پر فائز ہونے کے بعد مہاویرجین سوامی نے اپنی عمر کے بقیہ حصے کو جین مت کی اشاعت میں صرف کردیا۔آپ کی انتھک کوششوں سے جین مت مشرقی ہندوستان کی ریاست ''مگدھ'' سے نکل کر مغرب میں بنارس تک اورآپ کے انتقال کے بعد آپ کے خاص گیارہ شاگردوں کی کوششوں سے منڈاسر اوراجین تک پہنچ گیا۔

چوتھی صدی قبل مسیح کے نصف میں جین مت کے آٹھویں سربراہ ''بھدرا بہو'' کی کوششوں سے جین مت کا دائرہ نیپال سے شرون بیلگولا (میسور) تک وسیع ہوگیا اورپہلی صدی قبل مسیح میں مشہور جینی رہنما کلک آچاریہ کی کوششوں سے مغربی ہندوستان میں بھی اس کے قدم جم گئے اورجنوب کی متعدد ریاستوں کے حکمرانوں کی پُرجوش سرپرستی کی وجہ سے جنوبی ہندوستان میں جین مت ہر خاص وعام کا مذہب بن گیا۔

جین مت کی مقبولیت واشاعت کے اہم اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) عقیدۂ مساوات

جین دھرم نے ویدک ادب کے برخلاف ہر ذات وصنف کے لوگوں کے لیے مذہبی تعلیم کے دروازے کھول دیے۔مہاویرجین سوامی کا کہنا تھا کہ'' کائنات میں پائی جانے والی تمام چیزوں کی

روح ایک جیسی ہے لہٰذا حصولِ نجات کے لیے مرد وزن، برہمن و شودر کی تفریق کی بنا پر تفریق کرنا درست نہیں ہے۔'' اس کی وجہ سے شودروں اور عورتوں میں اس مذہب کو کافی پذیرائی ملی۔

(۲) عوامی اور علاقائی زبانوں کا استعمال

برہمنی مت سے متعلق تمام مذہبی ادب اور اس کی تعلیم و تدریس سنسکرت زبان میں تھی جب کہ عوام کی زبان وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت بدل چکی تھی اس لیے ہندوستان کے عوام کے لیے برہمنی مت کے افکار و خیالات سے براہِ راست استفادہ ممکن نہیں رہ گیا تھا۔

مہاویر نے برہمنی مت کے برخلاف اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے عوامی زبانوں کا استعمال کیا اور اس طرح وہ عوام سے براہِ راست رابطہ قائم کرنے اور ان کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب رہے۔

(۳) سرکاری سرپرستی

مہاویر جین سوامی شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جس کی بنا پر مگدھ ریاست کے بااثر لوگوں نے جین مت قبول کر لیا اور اس کی اشاعت میں اہم رول ادا کیا۔ بعد کے مختلف ادوار میں بھی جین مت کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی چنانچہ اڑیسہ کے راجہ کھارویل اور اشوک کے پوتے سمپراتی نے پرجوش طریقے سے جین مت کی سرپرستی فرمائی۔ گجرات میں شاک حکومت کے کئی راجہ اور چھٹی صدی عیسوی سے بارہویں صدی عیسوی تک جنوبی ہندوستان میں قائم ہونے والی متعدد ریاستوں (جیسے گنگا کڈمبا، چالوکیہ اور راشٹر کوٹ وغیرہ) کے حکمراں خاندانوں نے بھی اس مذہب کی اشاعت اور ترقی کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

(۴) تنظیم کا قیام

مہاویر نے جین مت کے پیروؤں کی تنظیم قائم کی۔ اس تنظیم کے ممبروں کو سیدھی سادی زندگی گزارنی ہوتی، وہ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے نیز مہاویر کا وعظ سن کر عوام میں تبلیغ کرتے۔ مہاویر کے انتقال کے بعد ''جین سنگھ'' کی صدارت ''سودھرمن'' کے ذمہ کی گئی۔ انھوں نے اپنے بائیس سالہ دورِ صدارت میں اپنی انتھک کوششوں سے جین مت کو عروج پر پہنچا دیا۔ آپ کی وفات کے بعد ''جمبکو'' صدر منتخب کیے گئے جنھوں نے ۴۴ سال جین سنگھ کی صدارت کی اور اپنے دور

صدارت میں دھرم کی اشاعت سے متعلق قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ ''جین سنگھ'' نے مختلف کونسلیں منعقد کر کے جینی ادب کو مدون کیا اور امتدادِ زمانہ سے در آنے والی خرابیوں کی اصلاح کر کے مذہب کو حالات کے مطابق قابلِ عمل بنا کر پیش کرنے کی بیش قیمت خدمات انجام دیں۔

جینی فرقے

جین مت کے مشہور فرقے دو ہیں:

[۱] سویتامبر [۲] دگامبر

تفریق کا آغاز اور اس کے اسباب

جین مت میں فرقہ بندی کا آغاز ۸۰ میں ہوا۔ فرقہ بندی کی توجیہ میں دونوں فرقوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ سویتامبر فرقہ کے مطابق اس کی ابتدا ''شوبھاتی'' نامی ایک سادھو سے ہوئی، جس نے ایک معمولی سی بات پر ناراض ہو کر بالکل ننگے رہنے کی بدعت شروع کی اور اس طرح ننگے رہنے والے دگامبر (دگ کے معنی فضا، آسمان اور امبر کے معنی لباس یعنی فضا کا لباس پہننے والے) سادھوؤں کی جماعت قائم ہوئی، جنھوں نے اپنے کو سویتامبر (شویت کے معنی سفید اور امبر کے معنی لباس یعنی سفید کپڑے کا لباس پہننے والے) سادھوؤں سے الگ کر لیا اور دونوں جماعتیں الگ الگ فرقہ بن گئیں۔

دگامبر فرقہ کے نزدیک جین مت میں شروع ہی سے سادھوؤں کے ننگے رہنے کا اصول تھا جیسا کہ خود مہاویر جین کی زندگی سے ثابت ہے کہ انھوں نے جینی ریاضت کے ابتدائی حصہ میں ہی لباس کی قید سے بھی آزادی حاصل کر لی تھی البتہ جب چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں شمالی ہندوستان میں قحط سالی کے باعث بھدرا بھو کی زیرِ نگرانی بارہ ہزار سادھو جنوبی ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے تو شمالی ہندوستان میں باقی رہ جانے والے سادھوؤں نے بہت سی بدعات اختیار کر لیں جن میں سب سے زیادہ مختلف فیہ سادھوؤں کا لباس پہننا تھا۔ جب بھدرا بھو کچھ عرصہ بعد شمالی ہندو واپس آئے تو انھوں نے یہاں کے سادھوؤں کی ان بدعات پر اعتراض کیا جس پر ان سے غیر مطمئن سادھوؤں نے اپنی ایک الگ جماعت کی تشکیل کر لی جو ''اردا پھلکا'' کہلائی اور جس نے بعد میں ۸۰ کے قریب سویتامبر فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔ مشہور جین محقق ہرمن جیکو کی

رائے میں دونوں فرقوں کے اختلافات جینیوں کی دو الگ الگ جماعتوں کے عرصہ دراز تک ایک دوسرے سے دور اور غیر متعلق رہتے ہوئے پیدا ہوئے ہوں گے اور یہ کہ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں دونوں جماعتیں اپنے باہمی اختلافات سے باخبر ہوئی ہوں گی۔

دونوں فرقوں کے اہم اختلافات

دونوں فرقے جین مت کے بنیادی اصولوں سے متفق ہیں البتہ بعض عقائد اور جزئی مسائل میں اختلافات پایا جاتا ہے جن کی تعداد ۸۴ ہے۔ اہم مختلف فیہ عقائد و مسائل درج ذیل ہیں۔

[۱] دگامبر فرقہ کے نزدیک نجات دنیا اور اسباب دنیا سے مکمل علیحدگی کے بغیر ممکن نہیں اسی لیے اس فرقہ کے سادھو ننگے رہتے ہیں اور اپنے ساتھ صرف کتاب مقدس، مور چھل اور طہارت کے لیے ایک لوٹا رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں ثقافتی مرکزوں، ہوائی اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں اور مذہبی مقامات پر ننگی تصویریں اسی فرقہ کی نمائندگی کرتی ہیں۔

دگامبر فرقہ کے برعکس سویتامبر فرقہ کے سادھو بنیادی ضرورتوں کے تحت وسائل حاجیہ کا استعمال کرتے ہیں نیز دن میں دو بار برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں جب کہ دگامبر سادھو دن میں صرف ایک بار ہاتھ پر رکھ کر کھانا کھاتے ہیں۔

[۲] دگامبر فرقہ کے نزدیک عورتیں نہ تو سادھو بن سکتی ہیں اور نہ ہی موکش پا سکتی ہیں کیوں کہ ان کے بغل میں ایک چھوٹا سا کیڑا ہوتا ہے جو بغل کی حرکت سے مرجاتا ہے نیز ہر ماہ میں انھیں حیض آتا ہے جس کی وجہ سے گہرا مراقبہ ان کے لیے ممکن نہیں البتہ عورتیں آئندہ جنم میں مرد کی شکل میں جنم لے کر موکش حاصل کرسکتی ہیں جب کہ سویتامبر فرقہ کے نزدیک عورت اپنے ہی روپ میں موکش حاصل کرسکتی ہے۔

[۳] دگامبر کے نزدیک عارف کامل (سمپورن رشی) بلا غذا کے زندگی گزارتے ہیں جب کہ سویتامبر فرقہ کے نزدیک انسان کسی بھی حالت میں غذا سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

[۴] دگامبر فرقہ کے نزدیک جین مت کی تمام اصلی کتابیں چند صدیوں بعد ہی ضائع ہوگئیں اور ان قدیم ناموں سے موسوم کتابیں جعلی ہیں جب کہ سویتامبری ان کو اصلی مانتے ہیں۔

اسی طرح مہاویر جین سوامی کی زندگی کے حالات کے سلسلے میں بھی دونوں فرقوں میں

باہم اختلاف پایا جاتا ہے جس میں اہم چیزیں دو ہیں:

الف: مہاویر کا جنین، دیونندا کے رحم سے الگ کر کے ترشالہ کے رحم میں نہیں ڈالا گیا جیسا کہ سویتامبروں کا دعویٰ ہے۔

ب: دگامبروں کے مطابق مہاویر جین نے کبھی شادی نہیں کی اور اوائل عمری میں ہی سنیاس اختیار کر کے ریاضت میں لگ گئے تھے جب کہ سویتامبری یہ مانتے ہیں کہ مہاویر جین کی شادی بھی ہوئی اور انوجا نام کی ایک بچی بھی پیدا ہوئی نیز وہ اپنے والدین کی رضامندی نہ پانے کی وجہ سے ان کے انتقال تک سنیاس نہیں لے سکے بلکہ والدین کے انتقال کے بعد بڑے بھائی کی اجازت حاصل کر کے سادھو بنے۔

تہوار

جین مت کے تمام ہی بنیادی اور اہم تہوار مہاویر جین سوامی کی زندگی کے اہم واقعات (رحم مادر میں ان کا استقرارِ حمل، یوم پیدائش، اسباب دنیا سے علیحدگی، علم مطلق اور نروان کا حصول) کی مناسبت سے منائے جاتے ہیں۔

جین مت میں پائے جانے والے تہواروں میں سب سے اہم تہوار پاریوسانا (Paryusana) ہے۔ یہ تہوار ماہ اگست وستمبر میں منایا جاتا ہے۔ اس میں پوری دل جمعی کے ساتھ دوسروں کی خدمت کرنا، راہبوں کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنا اور ریاضت ومراقبہ کی خاطر کسی گوشۂ تنہائی میں معتکف ہو جانا مستحب وپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ تہوار کئی دن تک رہتا ہے جس میں ایک دن اعتراف جرم کی تقریب کے لیے مخصوص ہوتا ہے، جس کا مقصد دانستہ یا نادانستہ طریقہ سے کیے گئے گناہوں کے اثرات کا ازالہ ہے۔

اس تہوار کے آخری دن فقراء ومساکین میں خیرات تقسیم کی جاتی ہے اور مہاویر جین سوامی کے مجسمہ کے ساتھ گلی کوچوں میں جلوس نکالا جاتا ہے۔

اولی (Oli) کا تہوار سال میں دو مرتبہ نو دنوں کے لیے منایا جاتا ہے۔ اس میں مہاویر کے مجسمے بنائے جاتے ہیں اور ان مجسموں کے سامنے عقیدت ومحبت کے نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔

مہاویر جین سوامی کے نروان پانے کی مناسبت سے اکتوبر و نومبر کی چودھویں رات کو جینی چراغاں کا تہوار مناتے ہیں، جس میں گھر، گلیوں اور بازاروں کو چراغوں سے مزین کیا جاتا ہے۔ جن پنچمی کے پانچ یوم بعد عبادت کا تہوار منایا جاتا ہے جس میں مندروں میں جا کر تیرتھینکروں کے فرضی مجسموں کی پرستش کی جاتی ہے۔ نیز ماہ اپریل میں مہاویر کی پیدائش کی مناسبت سے بھی خوشیوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔

ان تہواروں کے علاوہ جینی بعض ایسے تہوار بھی مناتے ہیں جو ہندوؤں اور جینیوں میں مشترک ہیں جیسے ہولی، نرتھا وغیرہ۔ جنوبی ہند میں موسم بہار کی مناسبت سے ایک تہوار منایا جاتا ہے جسے Pongal Festival کہا جاتا ہے۔

جینیوں کے علاقے اور ان کی آبادی

جین مذہب اپنے الحاد اور مسائل حیات سے فرار اختیار کرنے کی بنا پر ہندوستان سے باہر نہ پھیل سکا اور یہاں بھی ان کی آبادی مسلم دور حکومت میں سمٹ کر صرف گجرات تک رہ گئی تھی۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی رو سے ان کی تعداد سولہ لاکھ اٹھاون ہزار چار سو پانچ (۱۶۱۸۴۰۵) ہے۔ اقتصادی اعتبار سے یہ کافی مضبوط ہیں کیوں کہ ان کی اکثریت بینکوں میں کام کرتی ہے۔

جین مت کے زوال کے اسباب

جین مت کے زوال کے اہم اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) پرجوش داعیوں کا فقدان

جین دھرم کی تنزلی کا بنیادی سبب بعد کی صدیوں میں پرجوش و مخلص مبلغین کا فقدان ہے۔ آنے والی صدیوں میں ایثار و قربانی کی وہ روایات نہ رہیں جو مہاویر اور ان کے رفقاء میں پائی جاتی تھیں جس کی وجہ سے ان کے اندر خود فراموشی کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ عبادات و ریاضت کی جگہ تساہلی و کسل مندی نے لے لی۔ قناعت پسندی اور سادگی جاتی رہی جس سے تبلیغ و اشاعت کا وہ جذبہ بھی جاتا رہا جو کبھی پہلے ان کے اسلاف کے اندر پایا جاتا تھا۔

(۲) داخلی افتراق وانتشار

۸۰ ء کے لگ بھگ جین مت دو بڑے فرقوں میں تقسیم ہوگیا اور بعد کی صدیوں میں جینی عالموں کی کوششوں کا محور تبلیغ واشاعت کے بجائے اپنے اپنے فرقہ کی توسیع واستحکام قرار پایا، جس سے اشاعت کا کام رک گیا اور داخلی انتشار وتفریق کی بنا پر جین مت رو بہ زوال ہوگیا۔

(۳) دوسرے مذاہب کا عروج

جین مت کے زوال میں چھٹی صدی عیسوی میں ہندو دھرم کے مشہور ومعروف فرقے (شیومت اور وشنومت) کے ظہور نے کافی اہم رول ادا کیا۔جنوبی ہند میں شیومت کا ظہور ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن صوبوں میں جین مت کو تحفظ حاصل تھا وہاں اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ پھول راجاؤں نے مدورا کے جین مندروں کو شیو مندروں میں تبدیل کردیا۔آخری چالوکیہ راجہ نے جین بتوں کو ہٹا کر شیو بتوں کو نصب کردیا۔مہاتما رامانوج سوامی نے میسور میں وشنو دھرم کا اثر بتدریج غیر محسوس طریقے سے بڑھانا شروع کیا۔اڑیسہ میں بھی وشنومت کے مبلغوں نے اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا۔مزید برآں بودھ دھرم کی تبلیغی کوششوں نے جین مت کی رہی سہی ساکھ کو بھی ختم کردیا۔

ان اہم اسباب کے علاوہ جین دھرم کے زوال میں رابطہ عامہ میں کمی، سرکاری سرپرستی کا فقدان اور مخالفین کی سازشوں کا اہم رول رہا ہے۔

ہندو دھرم پر جین مت کے اثرات

ہندو دھرم اور بدھ مت پر جین مت نے بڑے اہم اثرات ڈالے ہیں جن کی تفصیلات یہ ہیں۔

(۱) بتوں کی پوجا اور مندروں کی تعمیر

ویدک عہد میں قربانی، دان اور ریاضت ہی معرفت الٰہی کا ذریعہ تھی، لیکن رفتہ رفتہ جین مت سے متاثر ہونے کی بنا پر ان چیزوں کی اہمیت کم ہوتی گئی اور ان کی جگہ بتوں کی پوجا کا رواج عام ہوگیا۔

(۲) اہنسا

ویدک عہد میں ہندو دھرم میں ہر طرح کے جانور کی قربانی حتی کہ گائے کی قربانی کرنا بھی نہ صرف جائز بلکہ خدا کو پہچاننے کا ذریعہ یا عین خدا مانا جاتا تھا۔ بھاگوت گیتا میں ہے: ''میں ہی یدنیہ خوار ہوں۔ میں ہی سب کا مالک ہوں''۔ یعنی یدنیہ خود خدا ہے۔ یدنیہ تمام گناہوں سے نجات پانے کا ذریعہ ہے چنانچہ بھاگوت پران میں لکھا ہے کہ: '' نارائن نے تمام دنیا کو قتل کر ڈالنے کے گناہ سے محض گھوڑے کی قربانی کر کے نجات حاصل کر لی''۔ اس کے علاوہ قربانی کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے تمام مرادیں پوری ہوتی ہیں اور بہشت ملتی ہے۔ برہما نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ یدنیہ کو پیدا کیا تھا اور پھر اسے مخاطب کر کے کہا تھا:

''لو یہ قربانی تمہاری سب مرادیں پوری کرنے والی ہے۔ یدنیہ کرو اور پھولو پھلو۔''

عام جانوروں کے مقابلے میں گائے کی قربانی اور اس کا گوشت کھانے کا زیادہ رواج تھا۔ رنتی دیو راجہ کے باورچی خانہ میں روزانہ دو ہزار گائیں کٹتی تھیں۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنی گائیں کاٹیں کہ ان کے خون سے ایک ندی بہہ گئی جس کا نام ''چرمن وتی'' رکھا گیا اور وہ بے حد متبرک سمجھی گئی حتی کہ اسے گنگا کا مرتبہ دیا گیا۔ کالی داس نے ان ہی قربانیوں کی وجہ سے رنتی دیو کی بہت تعریف کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

> ''تم بھی آگے بڑھنا اور رنتی دیو کی اس بڑی نیک نامی کی عزت میں سر جھکا دینا جو گائے کی قربانی کرنے کی وجہ سے دنیا میں پھیلی اور اب بھی بہتی ہوئی ندی ''چرمن ندی'' کی صورت میں موجود ہے۔''

والمیکی مہاراج کے آشرم میں وششٹھ مہاراج آن کر اترے تو والمیکی نے ان کی ضیافت میں گائے ذبح کی۔ اس پر ان کے ایک شاگرد ڈنڈانیہ نے اعتراض کیا تو ایک دوسرے شاگرد ''سوگھانکی'' نے اسے دھرم شاستر کا یہ حکم پڑھ کر سنایا کہ: ''معزز مہمان کے لیے مدھوپرکہ کے ساتھ جوان گائے کا گوشت ضرور ہونا چاہیے'' رامائن میں لکھا ہے کہ: رام مہاراج نے متاواتر شومیدھ اور واجپی نامی قربانی کیں جن میں بہت دولت خرچ کی۔ ان کے علاوہ کشوما اور گوسو (گائے کی قربانی) بھی کی اور اس میں بہت سی دولت لٹا دی۔ سری کرشن کے متعلق ثابت ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیل نے ان پر حملہ کیا تو انھوں نے اسے پچھاڑ کر اس کا سینگ نکال لیا اور اسی سے اس کو مار ڈالا۔

ویدپرست آریوں کے یہاں گاؤ کی قربانی کی اتنی عظمت تھی کہ وہ بڑے سے بڑے ثواب کے کام کو گائے کی قربانی سے تشبیہ دیتے تھے۔ انوپروہ میں لکھا ہے کہ: ''جو کوئی آٹھویں دن خشکہ (بھات) کھا کر ایک سال گزار دے اس کو گائے کی قربانی کے برابر ثواب ملتا ہے۔''

یودھشٹر نے بھیم سے پوچھا کہ بزرگوں کے شرادھ (یعنی فاتحہ) میں کون سا کھانا ایسا ہے کہ جس کا ثواب جاری رہتا ہے۔ اس کے جواب میں اس نے بہت سے کھانوں اور گوشتوں کی تفصیل بتائی اور اس میں گائے کے گوشت کا ثواب ایک سال بتایا۔ منو نے بھی اپنی دھرم شاستر میں ''گئو ماس'' کا ثواب ایک سال بتایا ہے۔ دوسرے جانوروں کے مقابلے میں گائے کے گوشت کی فضیلت ''منو'' کے اس قول سے بھی معلوم ہوتی ہے:

''گائے کے گوشت، دودھ اور دودھ کی تیار کی ہوئی چیزوں کا ثواب ایک برس رہتا ہے۔'' (دیکھیے صدائے رستاخیز: سید ابوالاعلیٰ مودودی: ص ۳۶۲ تا ۳۵۸)

قربانی گاؤ اور اس کی حلت کے متعلق مذکورہ بالا تفصیلات و احکام کے باوجود بھی ہندو دھرم جین مت کے ''جیوہتیا سے پرہیز'' کے اصول سے کافی متاثر ہوا اور رفتہ رفتہ اس اصول کا اتنا اثر بڑھا کہ قربانی سے احتراز، گوشت کھانے کو ناجائز اور گائے کے ذبح کرنے کو قطعاً حرام سمجھا جانے لگا اور ہندو دانشوروں نیز مفکرین نے اسے مزید تقویت پہنچائی تاکہ اس رابطہ کے ذریعہ ہندو فرقوں کو باہم مربوط کر کے ایک بنایا جا سکے کیوں کہ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور بنیاد نہ تھی جس پر ان کا اتفاق ہو سکتا۔

(۳) عقیدہ آواگون

ویدوں میں جنت اور دوزخ کا صاف و صریح تذکرہ پایا جاتا ہے۔ رگ وید میں ہے:

''سورج کے حصول کے لیے جدوجہد کرو تاکہ آگ کی قدر و منزلت کو پہچان سکو۔ یقیناً ہمارے تمام ہی رسول بھرت، بکو، اور رات رشو دونوں زندگی پر یقین رکھتے تھے۔'' (۱/۱۱/۶۰/۱۰)

رگ وید ہی میں ایک دوسری جگہ ہے: ''جب میں تم لوگوں کو ابدی کھانا کھانے کی اجازت دوں تو اے اگنی تو ان لوگوں میں شامل ہو جانا جو ابدی اور لازوال زندگی کے حصول کے لیے سرگرداں رہتے ہیں۔ (۱/۹/۴۴/۵)

آخرت کا یہ تصور بتدریج ذہنوں سے مٹتا گیا اور اس کی جگہ پنر جنم کے عقیدے نے لے لی جو جین مت کا بنیادی عقیدہ ہے۔

(۴) رہبانیت

ہندو مذہب میں انسانی زندگی کے چار مراحل بتائے گئے ہیں جس میں سب سے افضل دور گرہست آشرم ہے۔ منوسمرتی میں ہے: ''گرہست آشرم کا عہد تمام ادوار سے افضل ہے۔'' (باب ۳/ ۷۸)

رہا جین مت تو اس میں سنیاس کی زندگی کی بڑی ہی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے جس سے ہندو اور بودھ راہب کافی متاثر ہوئے اور عائلی زندگی کے مقابلے میں رہبانیت کو ترجیح دینے لگے۔

(۵) عریانیت

ہندو دھرم اور بدھ مت کی اصل کتابوں میں عریانیت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا البتہ جین مت میں دنیا کے تمام علائق حتیٰ کہ کپڑوں سے بھی رشتہ کاٹے بغیر پنر جنم سے نجات ممکن نہیں۔ دگامبری اپنے سادھوؤں کے لیے کپڑے کے استعمال کو حرام سمجھتے ہیں۔ رفتہ رفتہ دگامبری سادھوؤں سے متاثر ہونے کی بنا پر ہندی سماج میں عریانیت کو زہد و تقویٰ کی علامت اور کپڑوں کے استعمال کو دنیاداری سمجھا جانے لگا۔

یہ وہ اہم اثرات ہیں جو جین مت نے ہندی الاصل مذاہب پر ڈالے ہیں۔

جین مت پر اسلام کے اثرات

اسلام نے جین مت پر کافی گہرے اثرات ڈالے ہیں جنھیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: [۱] خصوصی اثرات [۲] عمومی اثرات

(۱) خصوصی اثرات

اس سے مراد وہ اثرات ہیں جو اسلام نے جین مت پر بلا شرکت غیرے ڈالے ہیں۔

الف: عقیدۂ توحید کی چھاپ

جین مت جو شرک اور اصنام پرستی کا موجد ہے اسلام کے صاف و شفاف عقیدۂ توحید سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ ہند میں اسلام کی سیاسی بالادستی کے دور میں جین مت میں متعدد اصلاحی تحریکیں نمودار ہوئیں جنھوں نے بت پرستی کی شدید مخالفت کی، جیسے پندرہویں صدی کے اواخر میں تارن سوامی کی قائم کردہ تحریک ''تارن پنتھی'' جو تیرتھینکروں یا دوسرے جین بزرگوں کی مورتی پوجا کی سخت مخالف ہے۔ اسی طرح سویتامبر فرقے میں ۱۶۵۳ م میں اس کی اصلاح شدہ شکل استھانک واسی جماعت اور ۱۷۶۰ م میں قائم شدہ ''تیرہ پنتھی'' جماعت مورتی پوجا کی شدید مخالف ہے۔

ب: مذہبی کتابوں کی تقدیس کی خصوصی اہمیت کا تصور

اسلام سے پہلے جین مت میں مذہبی کتابوں کی تقدیس کا کوئی خاص تصور نہ تھا لیکن مذہب اسلام کے دینیاتی عقائدی نظام میں مذہبی کتابوں کی تقدیس کے خصوصی تصور سے جین مت کافی متاثر ہوا۔ اس نے بھی اپنے دینیاتی نظام میں مذہبی کتابوں کی تقدیس کی خصوصی اہمیت کا تصور پیش کیا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان میں جینی مذہبی کتابوں کی اشاعت دیگر ہندوستانی مذاہب کے مقابلہ میں کافی زیادہ ہے۔

(۲) عمومی اثرات

اس سے مراد وہ اثرات ہیں جو اسلام نے پوری مشترک ہندوستانی تہذیب پر ڈالے ہیں اور جنھیں مختصراً درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

[۱] اسلام نے ہندوستانیوں کے کھانے پینے، رہنے سہنے اور دوسرے عام معاشرتی طریقوں میں ترقی دی۔

[۲] ہندوستانی سماج و مذاہب میں بے ہودہ رسومات اور توہمات کا زور کم کیا۔

[۳] فن عمارت کو خاص طور پر ترقی دی۔

[۴] فن جنگ میں خاص ترقی ہوئی اور توپ و بارود کو رواج دیا۔

[۵] بعض علوم مثلاً علم النجوم، طبابت اور خاص کر تاریخ و جغرافیہ کا ذوق پیدا کیا۔

[۶] نئے نئے پھل پھول لائے، باغبانی اور فلاحت کو بڑھایا اور عام ذوق میں اصلاح کی۔

جین مت اور اسلام میں وجوہ اتفاق

جین مت اور اسلام عقائد کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور الگ مذہب ہیں لیکن اس کے باوجود بھی دونوں مذاہب میں بعض تعلیمات مشترک ہیں جنھیں درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

[۱] دونوں مذاہب میں جھوٹ بولنا، چوری کرنا، زنا کرنا حرام ہے، چنانچہ جین مت کے پانچ بنیادی عہد میں ستیہ (راست گفتاری)، استیہ (چوری نہ کرنا) اور برہمچریہ (پاک بازی) شامل ہیں جب کہ قرآن مجید میں مذکورہ بالا تینوں جرائم کی شناعت وحرمت کا بیان جگہ جگہ موجود ہے۔

[۲] دونوں مذاہب میں مذہبی کتابوں کی تقدیس اور مقامات مقدسہ کی زیارت مسنون ومستحب ہے۔

[۳] دونوں مذاہب میں طمع ولالچ کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے اور کامیابی کے حصول کے لیے اس سے اجتناب کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ایک حدیث میں ہے: حب الدنيا رأس كل خطيئة "دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔" چنانچہ زکوٰۃ کی مشروعیت اور صدقات وخیرات کی ترغیب کا اصل مقصود نفس کو طمع ولالچ سے پاک کرنا ہے اور اہنسا جو جین مت کی بنیادی اور مرکزی اخلاقی تعلیم ہے اس سے مراد صرف جسمانی طور پر جان داروں کو تکلیف پہنچانا ہی نہیں بلکہ خیالات اور گفتگو میں تکبر، نفرت، تعصب، عدم احتیاط اور دنیاوی لالچ کا شکار ہونا بھی جین مت میں اہنسا کی خلاف ورزی سمجھی جاتی ہے۔

جین امت اور اسلام میں وجوہ اختلاف

[۱] جین مت کا تعلق شرمن روایات سے ہے جس کی امتیازی خصوصیت خدا کے تصور سے، بے نیاز ہونا ہے جب کہ اسلام کا تعلق سامی مذاہب سے ہے جس کی مرکزی و بنیادی تعلیم توحید ہے۔ چنانچہ جین مت نہ صرف شرک کا حامل ہے بلکہ اصنام پرستی کا موجد بھی ہے جب کہ

اسلام کی اصل واساس ہی توحید ہے اور قرآن کریم کی ایک تہائی آیات عقیدۂ توحید کی تشریح وتعبیر سے متعلق ہیں۔

[۲] جین مت عقیدۂ کرم وآواگون کا قائل ہے جب کہ اسلام کے بنیادی عقائد میں عقیدۂ آخرت داخل ہے۔

[۳] جین مت کی رو سے انسان کی دنیاوی زندگی غیر اطمینان بخش، دکھی اور خسارے کا سودا ہے جس سے چھٹکارا پانے کے لیے جین مت نفس کشی اور رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ اسلام میں دنیا کو آخرت کی ابدی زندگی کی کھیتی سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے اور آخرت دار الجزا۔

[۴] جین مت میں رہبانیت مرغوب ومستحسن ہے جب کہ اسلام میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

[۵] جین مت میں مجسمہ سازی اور مورتی پوجا کو کافی اہمیت حاصل ہے، چنانچہ جنوبی ہندوستان میں جین ولیوں کے متعدد مجسمے نصب ہیں، شرون بیل گولا کے مقام پر جین ولی بھو بلی کا وہ عظیم الجثہ مجسمہ ہے جو ساڑھے چھپن فٹ اونچا ہے جب کہ اسلام میں مجسمہ سازی مطلقاً حرام ہے۔

☆☆☆

مزید مطالعہ کے لیے

اردو

۱-جین دھرم کے مقدس مقامات: بابو نیمی واس، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

۲-سنسکرت کے چار ادھیائے (ہندی): رام دھاری سنگھ دنکر

۳-دنیا کے بڑے مذہب: عماد الحسن آزاد فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

۴-سہ روزہ دعوت ہندوستانی مذاہب نمبر

۵-رسالہ گگن ممبئی، مذاہب نمبر

عربی

۱-حضارة الهند، غوستاف لوبون.

۲-مهافيرا: مؤسس الجينية، ثقافة الهند-ديسمبر ۱۹۵۱م.

٣۔الفلسفة الجينية، محي الدين الألوالي.

٤۔تاريخ الاسلام فى الهند، عبد المنعم النمر.

٥۔فلسفة الهند القديمة، مولانا محمد عبدالسلام الرامبوری.

٦۔أديان العالم الكبرى، د. أحمد شلبي۔ط ٦۔النهضة المصرية.

٧۔حقائق عن الهند، منشورات ادارة الاستعلامات الهندى.

٨۔اديان العالم الكبرى، حبيب سعد.

٨۔المدخل الى دراسة الأديان والمذاهب، العميد عبدالرزاق محمد أسود.

٩۔فصول فى اديان الهند الكبرى: ضياء الرحمن الاعظمى۔

١٠۔الموسوعة الميسرة فى الاديان والفرق والمذاهب المعاصرة : الندوة العالمية للشباب الاسلامى، الرياض۔

انگریزی

1- H.G. Wells: A Short History of the World.

2- Berry: Religions of the World.

3- History of Budhist Thought: Edward Thomas.

4- Weech and Rylamds: Peoples and Religions of India.

5- Frost, S.E., ed. The Sacred Writings of the world's Great Religions. New York: McGraw-Hill. 1972.

6- Jaini, Jagmanderial. Outlines of Jainism. Cambridge: Cambridge University Press, 1916.

7- Stevenson, Margaret. The Heart of Jainism. London: Oxford University Press, 1915.

باب ششم

ہندو دھرم

لفظ ہندو کی تحقیق

لفظ ہندو کے متعدد معانی آتے ہیں۔

[۱] دریائے سندھ کی جانب نسبت کرکے اس دریا کے آس پاس بسنے والوں کو سندھو کہا جاتا تھا۔ سنسکرت کا ''س'' فارسی میں ''ہ'' سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً سفت اور ہفت یا مور یہ اور ہور یہ۔ سندھو اور ہندھو یا سوما یا ماہ اور ماس وغیرہ۔ چنانچہ آریوں کا جو پہلا گروپ ہندوستان آیا انھوں نے سندھو ندی جو ایران اور ہند کی سرحد پر پڑنے والی پہلی ندی ہے کو ہندو کہا اور اس سندھو ندی کے پار جتنے لوگ بستے تھے انھیں ہندو کہا۔

[۲] ہندو فارسی لفظ ہے جس کے معنی سیاہ کے ہیں چنانچہ حافظ شیرازی کا شعر ہے

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا بخال ہندواش بخشم سمرقند و بخارا

''اگر وہ شیرازی معشوق ہمارے دل کو تھام لے تو میں اس کے سیاہ تل کے عوض سمرقند و بخارا کے علاقے بخش دوں۔''

ہندوستان کی اصل آبادی چونکہ سیاہ فام تھی اس لیے آریہ انھیں ہندو کہتے تھے اور اپنے لیے آریہ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ رگ وید سے لے کر منوسمرتی کے زمانے تک آریوں نے اپنے آپ کو لفظ ہندو سے بچایا۔ وید اور سمرتی میں ہندو لفظ آریہ قوم کے لیے قطعاً نہیں بولا گیا بخلاف اس کے انھوں نے اپنے سفید رنگ ہونے پر جا بجا فخر کیا ہے۔ جیسا کہ وید کے بعض گیتوں

سے ثابت ہے اور جب پنجاب و سندھ کا علاقہ مفتوح ہو کر ایران کی اشکانی سلطنت کا حصہ بن گیا تو ہندوستان والوں کے لیے عام طور پر لفظ ہندو استعمال ہونے لگا۔

[۳] فارسی میں ہندو کے ایک معنی غلام کے بھی آتے ہیں۔ اس ملک میں عام طور سے لوگ کانوں میں چھوٹی چھوٹی بالیاں پہنا کرتے تھے۔ لوگ جب باہر سے یہاں آئے اور یہ بالیاں دیکھیں تو انھیں خیال ہوا کہ شاید یہ غلام ہیں کیوں کہ ان کے یہاں امتیاز کے طور پر یہ غلاموں کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ (ہندو دھرم ایک مطالعہ:۱۱)

ہندو دھرم کی اصطلاحی تعریف

ہندو دھرم میں کسی متفق علیہ عقیدہ اور اصول نہ ہونے کی بنیاد پر ہندو محققین بھی کوئی متعین تعریف نہیں کر سکے ہیں۔ مہاتما گاندھی لکھتے ہیں:

"پرامن طریقہ سے حق کی جستجو کا نام ہندو مت ہے۔ آدمی خدا کو مانے بغیر بھی اپنے آپ کو ہندو کہہ سکتا ہے۔ ہندو مت حق کی جستجو کا دوسرا نام ہے۔ ہندو مت حق و صداقت کا مذہب ہے۔ حق ہمارا خدا ہے۔ ہمارے یہاں خدا سے انکار کی مثالیں موجود ہیں لیکن حق سے انکار کی کوئی مثال نہیں۔" (تلاش ہند ج ۱ ص ۱۳۵)

مہاتما گاندھی نے حق اور امن کے الفاظ استعمال کیے ہیں، لیکن بہت سے مشہور ہندو کہتے ہیں کہ گاندھی جی نے امن یا عدم تشدد کا جو مفہوم سمجھا ہے وہ ہندو مت کا کوئی لازمی جز نہیں اور اس کے لیے حق ہی ایک چیز رہ جاتی ہے۔ ظاہر ہے یہ کوئی متعین تعریف یا مفہوم نہیں ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندو دھرم کی تعریف اس طرح کی ہے:

> "بلحاظ عقیدہ ہندو ازم غیر متشکل پہل دار اور ہر شے برائے ہر کس ہے۔ اس کی تعریف متعین کرنا سخت دشوار ہے بلکہ مروج معنوں میں اسے دیگر ادیان کی طرح مذہب کہنا بھی مشکوک ہے۔ اس نے ماضی میں بھی ارفع وادنیٰ اور کبھی کبھی تو متضاد رسوم وافکار کو گلے لگایا ہے۔ اس کی اصل روح زندہ رہو اور رہنے دو میں پوشیدہ ہے۔"

ان کی روشنی میں ہندو دھرم کی یوں تعریف کی جا سکتی ہے: ہندو مذہب ایک مشرکانہ مذہب ہے جسے ہند کی اکثریت مانتی ہے اور جس کی تشکیل پندرہویں صدی قبل مسیح سے لے کر

موجودہ دور تک ہوتی رہی۔ یہ ایک اخلاقی، روحانی اور ہمہ گیر جامع نظام حیات کا حامل مذہب ہے۔ مختلف خداؤں پر یقین رکھنے والا ہر عمل اور علاقہ کا جدا جدا خدا کا قائل مذہب ہے۔
ہندو دھرم کو قدیم زمانے میں برہمنی مت، آریہ دھرم اور سناتن دھرم بھی کہا جاتا تھا۔ اس مناسبت سے لفظ برہمن اور آریہ کی تحقیق نذر قارئین کی جارہی ہے۔

آریہ کی وجہ تسمیہ

آریہ سنسکرت زبان کے مصدر ''آر'' سے مشتق ہے، جس کے معنی کاشت کاری اور زمین پھاڑنے کے ہیں لہٰذا آریہ کے معنی کاشت کار ہوئے۔ بابل ونینوی کی آشوری زبان میں آری کے معنی جتے ہوئے کھیت یا کاشت شدہ زمین کے آتے ہیں جب کہ بنجر زمین کو لاآری کہتے ہیں۔ اس ملک کی کوشی زبان میں ارارا کے معنی فصل کے کاٹنے کے آتے ہیں۔
آر، چمڑے سینے کے اوزار اور بیل ہانکنے کے ڈنڈے کو بھی کہتے ہیں، جس کے سرے پر ایک نوک دار کیل لگی ہوتی ہے۔ اس طرح آریہ کے معنی چمڑا سینے اور بیل ہانکنے والا ہوئے۔ چونکہ یہ غیر آریہ سیاہ فام، پست فطرت، چپٹی ناک والے، کم ہمت، چھپ چھپ کر حملہ کرنے والے تھے لہٰذا قدرتی طور پر لفظ آریہ میں روشن چہرہ، اونچی ناک والے، بلند حوصلہ اور شریف کا مفہوم پیدا ہو جانا چاہیے تھا چنانچہ یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہونے لگا۔
آریہ جو ہندوستان میں آئے وہ کاشت کار تھے اسی بنا پر انہیں آریہ کہا جاتا تھا۔ اس کی سب سے اہم دلیل ویدوں میں جا بجا کاشت کاری اور اس کے متعلقات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یجر وید کا ایک گیت ملاحظہ ہو: ''اور انسانو! تم ہلوں کو جوئے میں لگا کر کھیتی کی خاطر زمین کو اچھی طرح جوتو اور اس کو اچھی طرح جوت کر اس میں جو وغیرہ اناج بوو۔ جو محنت کرنے والا کاشت کار ہے اس کو چاہیے کہ بیلوں کے ذریعہ ہل میں پھال لگا کر بیلوں کو جوتے۔''

برہمن کی وجہ تسمیہ

آریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ برہما نے انہیں اپنے منہ سے پیدا کیا جو ان کے بارگاہ الٰہی میں مقرب ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا صرف انہیں ہی برہما کے دین کی تشریح و توضیح کا حق حاصل

ہے۔ چنانچہ برہما کی جانب نسبت کر کے انھیں برہمن کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ طبقہ جو برہما کے دین کا محافظ و مبلغ ہے۔

نیز لفظ براہمن ''برہ ورد ھے'' مادہ سے مشتق ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں تفصیل یا یکیہ۔ چونکہ برہمن کے توسط کے بغیر کوئی بھی یکیہ (قربانی) نہیں کی جا سکتی اس لیے انھیں برہمن کہا جاتا ہے۔

برہمن کی ایک اور وجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے جو یہ ہے کہ برہمن چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کی رسالتوں کے منکر ہیں اور صرف آپ کی نبوت کے قائل ہیں اس مناسبت سے انھیں برہمن کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو صرف رسالت ابراہیمی کے ماننے والے ہیں۔ اس سلسلے میں ابو الفضل السکسکی لکھتے ہیں:

و سموا براھمة لاقرارھم باللّٰہ تعالیٰ و تکذیبھم بالوسائط و ھم الرسل الا ابراھیم علیہ السلام فانھم یقولون برسالتہ فسموا لذالک براھمة۔ (البرھان فی معرفة الادیان:۸۷)

''ذات باری کے اقرار اور ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ دیگر رسولوں کی تکذیب کی بنا پر ہی انھیں برہمن سے موسوم کیا گیا۔''

ہندو دھرم کی مختصر تاریخ

ہندو دھرم ایک قدیم مذہب ہے جس میں غیر ملکی حملہ آوروں سے میل جول کے نتیجے میں اہم تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ہندو دھرم کے ارتقائی مراحل کو اس کی تاریخ جانے بغیر صحیح طور پر سمجھنا دشوار ہے لہٰذا ذیل میں ہندو دھرم کا مختصر تاریخی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) آریوں کی آمد (۲۰۰۰ ق م-۱۵۰۰ ق م)

دو ہزار قبل مسیح کے قریب آریہ ہندوستان میں آئے اور ایک عرصے تک وہ ملکیوں سے لڑائی میں مصروف رہے لیکن پھر بھی وہ سندھ سے آگے نہ بڑھ سکے۔

آریہ کون تھے؟ کہاں سے آئے؟ اس سلسلے میں بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ یورپ سے آئے۔ بعض دیگر محققین انھیں دریائے جیحون کا باشندہ مانتے ہیں جو تلاشِ رزق کی خاطر

یورپ وایران سے افغانستان ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے۔ ایک تیسری رائے یہ ہے کہ ان کا اصل مسکن ایران ہی ہے، سندھ کے قرب وجوار میں واقع ایرانی قبائل سندھ میں داخل ہوئے۔ اس رائے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ سنسکرت زبان میں فارسی زبان کے بے شمار الفاظ پائے جاتے ہیں اور تاریخی لحاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ ہندوستانیوں نے فارس کی جانب کبھی ہجرت نہیں کی۔ اس لیے علمائے لغت کا کہنا ہے کہ آریہ اور ایرانی ایک ہی علاقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔

(۲) ویدی عہد (۱۵۰۰ق م- ۱۰۰۰ق م)

یہ وہ زمانہ ہے جب آریہ ستلج تک پہنچے اور گنگا جمنا تک بڑھے۔ اس میں انھوں نے اپنی فتوحات کی تکمیل کی اور ملک کے اصلی باشندوں کو مغلوب ومحکوم کرلیا۔ اسی زمانہ میں وید تصنیف ہوئے اور کورو پانچالوں کی جنگ ہوئی۔ ویدی عہد کی" اہم خصوصیات تھیں:

(۱) مظاہر فطرت اور خصوصاً اگنی، اندر، سوریہ اور ورون کی پرستش کا رواج

ان میں سے طاقت کا دیوتا اندر اور راستی کا دیوتا ورون خاص ہیں۔ دیوتاؤں کو راضی اور خوش کرنے کے لیے رسومات کی ادائیگی اور قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ کائنات کا نظم قربانیوں کی وجہ سے قائم ہے۔ ایک متن کے مطابق خود کائنات دیوتاؤں کے ذریعہ دی گئی قربانی کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی۔

(۲) ذات پات کے امتیاز کا نہ ہونا

(۳) عہد عروج (۱۰۰۰ق م-۳۲۰ق م)

اس میں آریوں نے اپنی فتوحات کو مزید وسیع کیا۔ یہ زمانہ جنگی اور علمی کارناموں سے ممتاز ہے۔ فلسفے کا خاص کر زور ہوا اور ہند کے اصل باشندوں پر اپنا غلبہ وتسلط برقرار رکھنے کے لیے آریوں نے ذات پات کے نظام کو وضع کیا اور اس کے لیے مذہبی بنیادیں فراہم کی گئیں۔ اس طرح ایک ایسی تحریک کا آغاز ہوا جو دنیا میں اب تک عالمگیر ہے۔ یعنی بدھ مذہب کی بنیاد پڑی۔

اس عہد کے خاص اور امتیازی کارنامے یہ تھے:

[۱] جنگ وجدل اور فتوحات

[۲] برہمنوں کی قوت اور ذات کا زور

[۳] معاشرتی اور علمی ترقی

[۴] اپنشد یعنی روحانی تعلیم کا ارتقاء

ان تینوں ادوار میں ہندو دھرم کو برہمنی مت سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے کیوں کہ اس وقت تک اس مذہبی روایت میں برہمن طبقہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس کی ساخت و پرداخت بالکلیہ برہمن طبقوں کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ برہمنی مت کے اس سنہرے دور میں جو مذہبی ادب وجود میں آیا اسے ویدک ادب کہا جاتا ہے۔ اور اس کی مناسبت سے اس دھرم کو ویدک مت بھی کہا جاتا ہے۔

(۴) عہد محکومی (بدھ مذہب کا غلبہ یا ردعمل کا دور ۳۲۰ ق م - ۵۰۰ م)

یہ بدھ مذہب کا زمانہ ہے۔ اس عہد میں راجہ اشوک اور اس کی جانشینوں کے تعاون سے بدھ مذہب کا زور وشور رہا۔ علوم وفنون کو رونق ہوئی۔ شاعری، صرف ونحو، فنون، نجوم، فلسفہ وغیرہ اور تالیف وتصنیف کا بازار گرم رہا۔ برہمنی مت اور اس کے زور کو دبا دیا گیا اور ذات پات کے نظام کے خلاف پر زور آوازیں اٹھائی گئیں۔

اس عہد میں بدھ مذہب نے ہندو مذہب اور ہندوؤں پر درج ذیل اثرات ڈالے ہیں:

[۱] طبائع میں خاص نرمی، لینت اور انکساری پیدا ہوئی، جس کا اثر نہ صرف انسانوں کے باہمی تعلقات پر ہوا بلکہ بے زبان حیوانوں تک بھی پہنچا۔

[۲] بدھ سے قبل ہندوؤں کے تمام خیالات اور علوم کا دارو مدار ویدوں پر تھا، لیکن بدھ کے بعد ان کے فلسفے اور علوم کا تعلق ویدوں سے بالکل اٹھ گیا یہاں تک کہ جدید برہمنی مت خالص ویدوں کا مذہب نہ رہا بلکہ ایسے دیوتاؤں اور بتوں کی پرستش رائج ہو گئی جن کا ویدوں میں ذکر تک نہیں۔

[۳] ذات پات کا امتیاز اٹھ جانے سے مختلف فرقوں میں میل جول بڑھ گیا اور مساوات کا خیال پیدا ہوا اگرچہ ذاتیں قائم رہیں۔

[۴] بدھ کے عہد سے لے کر اشوک تک مذبح اور گوشت کے بازار قائم رہے۔

[۵] لوگوں میں جنگ جوئی کا مادہ کم ہو گیا۔ (مورتی اسی دور کی پیداوار ہے۔ اپنے

اپنے نجی دیوتاؤں کا تصور عام ہوا۔ پرانی روایتیں قائم رہیں لیکن نئے عناصر بھی در آئے)

(۵) برہمنی مت کے دوبارہ عروج اور بدھ مت کے زوال کا عہد (۶۴۳م - ۱۰۰۰م)

اس عہد کا آغاز قنوج کے اس مناظرہ سے ہوتا ہے جو ۶۴۳م میں برہمنوں اور بدھسٹوں کے درمیان ہوا جس میں برہمنوں کو بدھ عالموں پر غلبہ حاصل ہوا اور پھر یہ مذہبی تفوق بڑھتا گیا حتیٰ کہ شنکر آچاریہ (۷۸۸م - ۸۳۰م) نے اپنے زور قلم سے بدھ مذہب کا جنازہ نکال دیا۔

(۶) عہد محکومی (مسلمانوں کی آمد)

اس عہد کا آغاز محمود غزنوی کے حملہ سے ہوتا ہے اور مغلیہ سلطنت کے زوال تک یہ عہد محیط ہے۔ اس عہد میں ہندو مذہب پر اسلام نے درج ذیل اہم اثرات ڈالے ہیں:

[۱] خالص توحید کا اثر ہندومت پر کافی نمایاں ہے۔ عقیدۂ توحید سے متاثر ہونے کی بنا پر جب ہندوؤں نے تیزی سے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو سنتوں اور سادھوؤں نے ہندو دھرم کی حفاظت کے لیے بھکتی تحریک (عشق الٰہی پر مبنی پرستش) شروع کی تاکہ عوام کو اسلام سے دور رکھا جا سکے۔ بھکتی تحریک کے مشہور رہنما درج ذیل ہیں: [۱] کبیر داس، نام دیو، سنت روی داس، جے دیو، رامانند (۱۳۶۰ ق م)، دھنا धन्ना، پیپا पीपा، بنی وغیرہ

[۲] کھانے پینے، رہنے سہنے اور دوسرے عام معاشرتی طریقوں میں ترقی دی۔

[۳] بیہودہ رسوم اور توہمات کا زور کم ہوا۔

(۷) یورپی عہد (اٹھارہویں صدی سے بیسویں صدی تک)

انگریزوں نے یہاں آتے ہی عیسائی مشنریوں کو کھلی آزادی دے دی جنھوں نے گھوم گھوم کر عیسائیت کی تبلیغ شروع کی، جس سے ہندوؤں میں بھی تبلیغ و اشاعت دین کا شوق پیدا ہوا حتی کہ آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندومت میں دوبارہ داخل کرنے کے لیے شدھی سنگٹھن تحریک چلائی جس کے خاصے اثرات بھی پڑے۔ انگریزی عہد میں سب سے اہم چیز ہندو احیاپرستی کا آغاز ہے۔ انگریزوں نے ہندوستانی مذاہب اور رسوم و رواج پر کھل کر تنقیدیں کیں۔ ان میں موجود توہم پرستی اور غیر معقول رسموں کو خوب اچھالا، جس سے ہندوؤں کی غیرت دینی بیدار ہوگئی اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ اس میں مزید شدت آتی گئی۔

آریہ اور برہمنی تمدن پر اندر اور باہر سے مختلف اور متعدد حملے پانچویں صدی قبل مسیح سے لے کر اٹھارہویں صدی عیسوی تک ہوتے رہے۔

[۱] ایرانیوں نے پانچویں صدی قبل مسیح میں اس ملک پر حملہ کیا۔

[۲] یونانیوں نے چوتھی صدی قبل مسیح میں یورش کی۔

[۳] اس کے بعد اہل باختر کے حملے تیسری یا پانچوی صدی تک ہوئے۔

[۴] پانچویں صدی قبل مسیح میں بدھ مت کا بڑا حملہ برہمنی مت اور اس کے تمدن پر ہوا۔

[۵] غیر آریہ اقوام ہند اور نیچ اقوام کے حملے خصوصاً غیر آریائی سلطنتوں کی طرف سے ساتویں اور آٹھویں صدی میں ہوئے۔

[۶] ادنی اعتقادات اور وحشیانہ رسوم کی برہمنی مذہب سے کشمکش۔

[۷] مسلمانوں کے حملے بارہویں صدی تک ۱۲۰۶ء میں پہلی مستحکم مسلم حکومت کا قیام محمد غوری (ترک) کے ذریعہ ہوا۔

[۸] انگریزی حملے۔

لیکن نہ ایرانی اس کا کچھ کر سکے اور نہ یونانی، نہ بدھ مذہب قائم رہا اور نہ غیر آریہ اقوام۔ یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی بات ہے جس سے آریہ ان تمام مخالف قوتوں کے دوران میں اپنے کو محفوظ رکھ سکے جب کہ اس کی اکثر ہم عصر قومیں دنیا سے مٹ گئیں لیکن وہ اب تک قائم ہے اور ان کی تہذیب و تمدن زندہ اور باقی ہے۔ اس کے اہم اسباب یہ ہو سکتے ہیں:

[۱] رواداری: ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے بقول ''اس کی اصل روح 'زندہ رہو اور رہنے دو' میں پوشیدہ ہے۔''

[۲] مضبوط نظام تمدن۔

[۳] ہندو رشیوں کی روحانی اور علمی ریاضت۔

[۴] عورتوں کی وفاداری اور جاں نثاری۔

ہندوازم اور دوسرے بڑے مذاہب میں فرق

ہندوازم اور دوسرے بڑے مذاہب میں تین اہم فرق ہیں:

[۱] ہندو مذہب کا کوئی موجد نہیں۔ہم نہیں جانتے کہ ہندو مذہب کیسے اور کب وجود میں آیا؟ اس کی کوئی تاریخ پیدائش نہیں۔ ہزاروں سالوں میں اس نے بتدریج اپنے ارتقائی مراحل طے کیے ہیں۔

[۲] ہندو دھرم میں ایسا کوئی عقیدہ نہیں جس کی پیروی سب پر لازم ہو۔اس میں کوئی متفق علیہ اصول یا فلسفہ بھی نہیں ہے۔

[۳] ایک غیر ادارتی مذہب ہے۔ ہندو ادارے تو یقیناً ہیں لیکن خود ہندو دھرم کوئی ادارہ نہیں ہے۔اس میں اس کے معتقدین کی ایسی کوئی جماعت نہیں جو کسی ایک خاص قسم کی عبادت کرے یا کسی عام ضابطۂ اخلاق کے مطابق زندگی گزارے۔

ہندو دھرم کے عقائد

ہندو دھرم میں کوئی متفق علیہ عقیدہ یا بنیادی اصول نہیں ہے البتہ جمہور ہندوؤں کے نزدیک درج ذیل عقائد معتبر و مستند ہیں اور ہندو دھرم کے سبھی فرقے بعض امور میں قدرے اختلاف کے ساتھ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

[۱] عقیدہ اوتار [۲] تخلیق کائنات کا نظریہ [۳] آواگون [۴] عقیدہ کرم

(۱) عقیدہ اوتار

اوتار سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ''اوپر سے نیچے اترنا اور ظاہر ہونا'' ہے۔ اور اصطلاحی مفہوم ہے:

انسانوں کی اصلاح کے لیے خدا کا انسانی شکل میں پیدا ہونا یا زمین پر اترنا اوتار کہلاتا ہے۔ شری دیانند گوپال نے اوتار کی تعریف یوں کی ہے: ''پردہ غیب سے محسوس صورت میں خدا کا ظہور۔'' اور یہی تعریف زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ خدا نے صرف انسانوں کا قالب ہی نہیں اختیار کیا بلکہ ہندو دھرم کی رو سے وہ مچھلی، سور وغیرہ کی شکل میں بھی نمودار ہوا ہے۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایشور اگرچہ ہر وقت موجود ہے پھر بھی وہ ضرورت کے مطابق مختلف اوقات میں زمین پر مختلف شکلوں میں خود اپنی یوگ مایا سے پیدا ہوتا ہے۔

عقیدہ اوتار کی مشروعیت

یہ عقیدہ ویدوں سے ثابت نہیں ہے۔ دیانند سرسوتی لکھتے ہیں: '' ایشور اوتار نہیں لیتا

کیوں کہ یجر وید میں ہے: وہ پیدا نہیں ہوتا ایک ہی حالت میں قائم رہتا ہے۔(۴۲۔۵۲) ایک دوسری جگہ ہے: وہ محیط، پاک اور غیر مجسم ہے۔(۴۰۔۸) وید کے ان ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ پرمیشور قالب اختیار نہیں کرتا۔" (ستیارتھ پرکاش، باب ہفتم:۱۸۶) البتہ ویدی عہد کی بعد کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ چنانچہ بھگوت گیتا میں ہے: "اے بھارت (ارجن) جب جب دھرم میں بگاڑ اور (ادھرم) ظلم کی زیادتی ہوتی ہے تب تب میں ہی اپنے وجود کو ظاہر کرتا ہوں (یعنی جسم اختیار کر کے ظاہر ہوتا ہوں) نیک لوگوں کو بامراد کرنے کے لیے اور برے لوگوں کو تباہ کرنے کے لیے اور دھرم کو اچھی طرح قائم کرنے کے لیے ہر زمانہ میں آتا ہوں۔" (باب:۴، اشلوک:۷۔۸) بھاگوت مہاپران میں ہے: "جب جب دنیا میں دھرم کا زوال ہوتا ہے اور پاپ بڑھ جاتا ہے تب تب قادر مطلق بھگوان شری ہری اوتار لیتے ہیں۔" (۹/ ۲۴۔۵۶) تلسی داس نے اوتار کے عقیدہ کو رام چرت مانس میں ان لفظوں میں بیان کیا ہے: "جب جب دھرم کو نقصان پہنچتا ہے کمینے، برے اور مغرور لوگوں کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ ایسے مظالم ڈھاتے ہیں جو بیان میں نہیں آسکتا، اس سے براہمن، گائے، دیوتا اور دھرتی کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے تب تب وہ مہربان خدا طرح طرح کے جسم اختیار کر کے نیک لوگوں کی مصیبتوں کو دور کرتے ہیں۔ وہ ظالموں کو مار کر دیوتاؤں (نیک لوگوں) کو قائم کرتے ہیں، اپنی ویدوں کی عظمت کی حفاظت کرتے ہیں اور دنیا میں اپنی نیک نامی پھیلاتے ہیں۔ رام کا جنم بھی اسی سبب سے ہوا ہے۔" (رام چرت مانس بال کانڈ/۱۲۱)

ظہور اوتار کے مقاصد

[۱] فاسقوں پر فرماں برداروں کو غلبہ عطا کرنا۔

[۲] کذابوں کو ہلاک کر کے دنیاوی کامیابی کا حصول۔

[۳] زمین کو پاپ سے پاک کرنا۔

[۴] بندوں کے لیے عمدہ نمونہ فراہم کرنا۔

اوتاروں کی تعداد

اوتاروں کی تعداد میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کتابوں میں آٹھ اور بعض میں سولہ اور بعض میں چوبیس کا تذکرہ ملتا ہے۔ مشہور روایت کے مطابق اوتار دس ہیں:

[۱] متسیہ (مچھلی) [۲] کورم (کچھوا) [۳] وراہ (سور) [۴] نرسنگھ (نصف انسان نصف شیر) [۵] وامن (بونا) [۶] پرشورام [۷] رام [۸] کرشن [۹] بدھ [۱۰] کلکی۔

پرانوں کے بیان کے لحاظ سے اوتار چوبیس ہیں:

[۱] نارائن [۲] برہما [۳] سنک نندن [۴] نرنارائن [۵] کپل [۶] دتاتریہ [۷] سویش [۸] ہے گریو [۹] رشبھ [۱۰] پرتھو [۱۱] متسیہ (مچھلی) [۱۲] کورم (کچھوا) [۱۳] ہنس [۱۴] دھنوتری [۱۵] وامن (بونا) [۱۶] پرشورام [۱۷] موہنی [۱۸] نرسنگھ (نصف انسان نصف شیر) [۱۹] ویدویاس [۲۰] رام [۲۱] بلرام [۲۲] کرشن [۲۳] بدھ [۲۴] کلکی۔

اوتاروں کی مختصر سوانح حیات

(۱) متسیہ (مچھلی)

راجہ من (ویوسوت منو مہاراج) جو دس لاکھ سال کی مدت سے تمام اشیاء سے دست بردار ہو کر ریاضت و عبادت میں مشغول تھا۔ ایک دن دریائے مالا کرت کے کنارے غسل کر رہا تھا کہ دفعتاً ایک مچھلی اس کے ہاتھ میں آ گئی اور راجہ سے کہنے لگی کہ تو مجھ کو حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھ۔ ایک شبانہ روز یہ مچھلی راجہ کے ہاتھ میں رہی۔ جب یہ مچھلی کچھ بڑی ہو گئی تو راجہ نے اس کو صراحی میں رکھ دیا۔ اس کے بعد اس مچھلی کے جسم کی بالیدگی کی وجہ سے راجہ نے اس کو خم میں ڈال دیا۔ جب اس مچھلی کی گنجائش اس خم میں بھی نہ ہو سکی تو اس وقت راجہ نے اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا اور اس کے بعد تالاب اور وہاں سے دریائے گنگا میں ۔ جب اس مچھلی

نے گنگا کو بھی گھیر لیا تو اس وقت یہ دریائے شور میں ڈال دی گئی۔جس وقت سمندر بھی اس کے جسم سے پر ہو گیا تو راجہ عبادت میں مشغول ہو کر اس کی حقیقت جاننے کا طالب ہوا۔جواب میں یہ سنا کہ عالم کو پانی گھیر لے گا تو فلاں کشتی میں مع ایک شائستہ جماعت انسانی اور قابل قدر کتب الٰہی اور بہترین ادویہ کے بیٹھ جا اور اس کشتی کو میری اس شاخ سے جو نمودار ہے باندھ دے۔ستر لاکھ اٹھائیس ہزار سال پانی میں طوفان برپا رہا اس کے بعد یہ اوتار مخفی ہو گیا۔متسیہ اوتار کا ذکر درج ذیل کتابوں میں کیا گیا ہے: شت پتھ براہمن، شریمد بھاگوت مہاپران، اگنی مہاپران، متسیہ پران، اتھرو وید، تیتریہ آرینک وغیرہ۔متسیہ اوتار کی پیدائش چیت ماہ منگل ۳ کو ہوئی تھی۔

(۲) کورم (کچھوا)

اس کا ذکر اتھرو وید (۱۔۱۔۴) اور اگنی پران میں آیا ہے۔اس کی ضرورت سمندر کے متھن کرنے کے وقت پیش آئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بار دیوتاؤں نے ارادہ کیا کہ دودھ کے دریا یا کشیر سمندر سے مثل گھی کے آب حیات کو نکال لیں، لیکن بجائے اس لکڑی کے جس سے مسکہ نکالا جاتا ہے ایک بڑے پہاڑ سے کام لے رہے تھے۔پہاڑ بھاری ہونے کی وجہ سے دریا میں ڈوب جاتا تھا اور بے حد مشقت و رنج اٹھانا پڑتا تھا۔خلاق عالم سنگ پشت کے جامہ میں ظاہر ہو گیا اور اس پہاڑ کو اپنے کاندھے پر رکھ لیا۔دیوتاؤں نے آسانی سے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔اس کارروائی سے چودہ قابل قدر اشیاء برآمد ہوئیں اور تمام عالم کے لیے سرمایہ عشرت مہیا ہو گیا۔کورم اوتار کی پیدائش ویشاکھ پورنیما یعنی شکل ۱۵ کو ہوئی تھی۔

(۳) وامن (بونا)

وامن اوتار کی پیدائش بھادو شکل ۱۲ کو ہوئی تھی۔اس اوتار کا ظہور ''بلی'' نامی شخص کی حکومت سے دیوتاؤں کو آزادی دلانا تھا۔اس کا مفصل تذکرہ شریمد بھاگوت اور اگنی پُران میں ملتا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''بلی'' نامی ایک شخص نے اپنی ریاضت سے سہ لوک کی سلطنت حاصل کر لی تھی، جس سے دیوتاؤں کو کافی تکلیف ہوتی تھی۔انھوں نے خدا سے التجا کی اور خدا نے بونے کی شکل میں ظہور فرمایا۔جب یہ بچہ قدرے ہوشیار ہوا تو اپنے استاد کے ہمراہ راجہ کے دربار میں گیا۔راجہ

نے اس سے اس کی خواہش کے متعلق سوال کیا۔لڑکے نے جواب دیا: میں اپنے تین قدم کے برابر تجھ سے جگہ طلب کرتا ہوں۔راجہ بے حد غصہ ہوا کہ اس نے مجھ سے اتنی حقیر چیز کی خواہش کی ہے لیکن بے حد بحث ومباحثہ کے بعد جس وقت راجہ نے اس کو قبول کر لیا لڑکے نے اپنا پہلا قدم اس قدر وسیع کر دیا کہ طبقہ زمین اور پاتال دونوں اس کے پاؤں کے نیچے آگئے۔اور دوسرا قدم اس قدر بڑھ گیا کہ تمام عالم بالا کو اس نے گھیر لیا۔آخر کار راجہ نے تیسرے کے عوض میں اپنے آپ کو باندھ کر اس کے حوالہ کر دیا۔چونکہ "بلی" نامی آدمی نیک تھا اس لیے اس کو اس مصیبت سے نجات دے کر پاتال کی حکومت عطا ہوئی اور راجہ جب پاتال لوک چلے گئے تو بھگتوں کو شانتی نصیب ہوئی۔اس دن شام کے وقت لوگوں نے چراغ جلا کر بھگوان وشنو کی پوجا کی، خوشیاں منائیں اور تمام رات ہری کیرتن کیا۔دیوالی کا تہوار اسی واقعہ کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے۔

(۴) وراہ (سور)

اس کا ظہور بھادو شکل تین کو ہوا تھا۔مقصد ظہور زمین کو پانی کے اندر سے باہر نکالنا اور ہرناکش کی حکومت سے دیوتاؤں کو آزادی دلانا تھا۔اس کا تذکرہ اتھروید، یجروید، تیتریہ آرنیک، پرپاٹھک اور شریمد بھاگوت مہاپران میں آیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ہرناکش نام کے ایک شخص نے لاکھوں سال ریاضت کر کے تمام عالم کی حکومت حاصل کر لی۔اس کے بعد اس نے تمام عالم علوی کی حکومت 'اندر' سے لے کر اپنے ایک عزیز کے سپرد کر دی جس سے تینوں لوک میں تباہ کن باتوں کا ظہور ہونے لگا۔دیوتا برہما کے ہمراہ بشن کے پاس گئے اور چارہ کار طلب کیا۔چونکہ عالم کی حکومت کی خواہش کے وقت ہرناکش نے سور کو فراموش کر دیا تھا اس لیے بشن نے دیوتاؤں کو جواب دیا کہ میں اسی شکل میں ظاہر ہو کر اس کے نقش ہستی کو مٹا ڈالوں گا اور تھوڑے عرصہ کے بعد اسی جام میں جلوہ گر ہوئے اور زمین کے اندر داخل ہو کر اس کی تخت گاہ میں آئے اور اس کو ملک عدم کی جانب روانہ کر دیا۔"

(۵) نرسنگھ

اس کا ظہور ویشاکھ ۱۴ کو ہوا تھا۔مقصد ظہور ہرنکشپ کے ظلم سے زمین کو پاک کرنا تھا۔بتایا جاتا ہے کہ ہرنکشپ وتیون موجودہ ملتان کا بادشاہ تھا۔اس کے "پرہلاد" نامی ایک بیٹا

تھا جو وشنو کا بھکت تھا۔ ہرنکشپ حکومت و طاقت کے نشہ میں چور ہوکر وشنو بھگوان کو بھی گالیاں دیا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اپنے لڑکے کو بھی بھگوان وشنو کی بھکتی سے منع کیا اور نہ ماننے پر اسے قتل کرانا چاہا، لیکن نہ اس پر تلوار کا وار کام کر سکا نہ سمندر کی لہریں، نہ ہی مست ہاتھی اور نہ ہی اژدہا اور آگ کیوں کہ اسے وشنو کی معیت حاصل تھی۔ ان واقعات کے بعد پرہلاد کا ایمان وشنو بھگوان پر مزید مستحکم ہوتا گیا جس پر ناراض ہوکر بادشاہ نے وشنو بھگوان کے مقام کو دریافت کیا۔ اس نے خدا کو ہر جگہ بتلایا اور اپنے باپ کو سمجھانے کی غرض سے ایک ستون کی جانب اشارہ کیا۔ ہرنکشپ نے اپنی شمشیر اسی ستون پر لگائی۔ قضائے الٰہی سے نرسنگھ اوتار کے روپ میں بھگوان نے ظہور فرمایا اور ہرنکشپ کو مار ڈالا اور پرہلاد کی سفارش پر ہرنکشپ کی آتما کو سورگ لوک میں بھیج دیا۔ اس اوتار کا مفصل تذکرہ مشہور مہا پران شریمد بھاگوت میں موجود ہے۔

(۶) پرشورام

اس کا ظہور ویشاکھ شکل تین کو ہوا تھا۔ اس کا ذکر اگنی پران اور والمیکی رامائن میں موجود ہے۔ آپ جمدگن برہمن کے بیٹے تھے اور والدہ کا نام رینکا تھا۔ قدرت نے جمدگن برہمن کو اس کی ریاضت کے عوض میں ایک ایسی گائے عطا فرمائی تھی جس کی ذات سے اس کی تمام خواہشات انجام پاتی تھیں۔ راجہ کارت دھرج کے دل میں یہ جان کر لالچ پیدا ہوا۔ اس نے بزور قوت اس گائے کو چھیننا چاہا۔ لیکن نہ چھین سکا چنانچہ اس نے چپکے سے جا کر ایک دن جمدگن کا کام تمام کر دیا۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے پرشورام نے راجہ سے جنگ کی جس میں راجہ کام آیا اور پرشورام نے تمام دولت یکجا کر کے جگن میں خیرات کر دی اور اس کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ بہت سارے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ پرشورام ہنوز زندہ ہیں اور آپ کے وجود کی مہندر سرزمین کوکن میں نشان دہی کی جاتی ہے۔ کارت دھرج کے علاوہ آپ نے ظالم کشتریوں سے بھی ۲۱ مرتبہ معرکہ خیز لڑائیاں کیں جس میں لاکھوں چھتری مارے گئے۔

(۷) کرشن

کرشن لفظ کا معنی کالا ہوتا ہے، چودھویں چاند کے بعد اندھیری رات والی آٹھویں تاریخ ماہ بھادو کو ان کا ظہور ہوا تھا۔ خدا آپ کے روپ میں مکمل طاقتوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا تھا۔

شریمد بھاگوت میں آپ کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے جس کا خلاصہ ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔

موجودہ زمانے کے چار ہزار سال قبل متھرا میں ''کنس'' نامی ایک ظالم بادشاہ حاکم تھا۔اس کی ایک بہن ''دیوکی'' تھی جس کی شادی واسدیو سے ہوئی تھی۔ستارہ شناسوں نے کنس کو اس امر سے مطلع کردیا تھا کہ آپ کا آٹھواں بھانجا آپ کو قتل کرکے آپ کے ملک پر قبضہ کرلے گا۔ چنانچہ کنس نے اپنی بہن اور بہنوئی کو جیل میں ڈلوایا اور جو بچہ بھی پیدا ہوتا اس کو قتل کرادیا کرتا۔ جب کرشن پیدا ہوئے تو محافظوں پر غفلت طاری ہوگئی اور دروازے کھلے رہ گئے۔شری کرشن نے اپنے والد سے کہا کہ دریا کے اس کنارے آپ کے دوست نندا کے یہاں بچی پیدا ہوئی ہے آپ مجھے اس کے گھر میں چھوڑ کر اس لڑکی کو یہاں لیتے آیئے۔جب صبح کنس کو لڑکی کے پیدا ہونے کی اطلاع دی گئی تو ستارہ شناسوں پر کافی برہم ہوا اور انھیں لعن طعن کرنے لگا کیوں کہ ان لوگوں نے اسے بچہ پیدا ہونے کی اطلاع دی تھی۔چنانچہ اس نے اس بچی کو اٹھایا اور زمین پر دے پٹخا۔لڑکی کے منہ سے یہ آواز نکلی: تمہارا قاتل زندہ ہے مرا نہیں ہے۔اس طرح کرشن کی تعلیم وتربیت نندا کے یہاں ہوئی جہاں آپ گائے چرایا کرتے تھے۔بعد میں آپ نے کنس کو قتل کرکے اہل متھرا کو اس کے ظلم سے نجات دلائی۔

(۸) رام

رام اوتار کی مفصل سوانح حیات ''رامائن'' پر گفتگو کرتے وقت نذر قارئین کی جائے گی۔

(۹) بدھ

آپ کا ظہور دنیا کے مایا جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو گیان اور ویراگ کی تعلیم دینے کے لیے ہوا تھا۔

(۱۰) کلکی

خدا کا آخری اوتار کلکی کے روپ میں بیساکھ مہینہ میں کلجگ میں ہوگا۔آپ کے والد کا نام بشن اور والدہ کا نام جسوی ہوگا۔آپ اس وقت پیدا ہوں گے جب زمین فتنہ وفساد سے بھر جائے گی اور عدل وانصاف کا نام ونشان نہ ہوگا۔

عموماً ہندوستانی قبائل ان اوتاروں کے جسم سونے اور چاندی کے تیار کرکے ان کو معبود

بناتے ہیں البتہ موجوہ ہندوستان میں صرف رام اور کرشن کی پوجا کا چلن عام ہے اور ان کی یوم پیدائش کو تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔

عقیدۂ اوتار کا معروضی مطالعہ

عقیدۂ اوتار ویدوں سے ثابت نہیں ہے۔ یہ عقیدہ بہت بعد میں وجود میں آیا۔ اس کے وجود کے اہم اسباب شخصیت پرستی میں غلو اور غیر آریائی مذاہب وافکار کو آریائی افکار ونظریات میں ضم کرنا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ عقیدہ بتدریج پروان چڑھا اور مختلف ادوار میں یہ موجودہ صورت میں پہنچا اسی لیے ان کی تعداد ان کے ناموں اور تاریخ پیدائش میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اوتار کی فہرست میں ایسی شخصیات بھی ہیں جن میں سے کئی باہم ایک دوسرے کی دشمن رہی ہیں۔ مثلاً رام اور پرشورام۔ یہ دونوں ہم عمر رہے ہیں جب کہ دو اوتار بہ یک وقت نہیں ہو سکتے۔ پرشورام چھتریوں کا دشمن تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اکیس بار اس نے چھتریوں سے لڑ کر زمین کو ان کے وجود سے پاک کیا جب کہ رام چھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان دونوں کے درمیان دشمنی ہونی لازمی تھی۔ رام چرت مانس میں ہے کہ پرشورام نے فرمایا: ''میں دنیا بھر میں چھتری کا دشمن مشہور ہوں''۔ مشہور روایت ہے کہ آپ نے کروکشیتر میں چھتریوں کا ایک مرتبہ اس قدر قتل عام کیا کہ اس کے خون سے پانچ کھنڈ بھر گئے۔

کیا عقیدۂ اوتار رسالت کی بگڑی ہوئی صورت ہے؟

عصر حاضر کے بعض مفکرین کا خیال ہے کہ عقیدۂ اوتار رسالت کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور اسے موجودہ صورت تک شخصیت پرستی میں غلو نے پہنچایا ہے۔ جس طرح عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت میں غلو کرتے ہوئے آپ کو مقام الوہیت تک پہنچا دیا اسی طرح برہمنوں نے رسولوں کی شخصیت پرستی کا شکار ہو کر انھیں خدا کا اوتار بنا ڈالا۔

اس رائے کے سب سے بڑے حامی آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی اور ستیہ پرکاش (SATYA PARAKASH) ہیں۔ ستیہ پرکاش نے ویدوں سے اس امر کے دلائل بھی پیش کیے ہیں کہ ویدوں میں رسالت کا تذکرہ موجود ہے۔ آگنن دوتن وری ماہی ہم اگنی کو رسول منتخب

کرتے ہیں۔" ویدک ادب کے قدیم شارحین دوتن کا ترجمہ معبود سے کرتے ہیں، لیکن خود وید ہی میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اگنی صرف ایک انسان تھے۔

(۲) تخلیق کائنات کا نظریہ

تخلیق کائنات کے تصور سے ہندو دھرم میں متعدد روایتیں ملتی ہیں۔ان میں سے چند نذر قارئین کی جارہی ہیں۔

منوسمرتی کی روایت

یہ تمام عالم آفرینش سے پہلے ظلمت سے ڈھکا ہوا تھا گویا حلت شب میں غیر ممیز تھا۔ پھر پرمیشور مادہ تخلیق کے ساتھ ظاہر ہوئے اور اپنی ذات سے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو سب سے پہلے انھوں نے پانی کو بنایا اور اس میں نطفہ ڈالا اور نطفہ سے انڈا بنا اور اس سے برہما پیدا ہوئے جنھوں نے انڈے کے دو ٹکڑے کیے۔نصف اول سے جنت اور نصف ثانی سے از زمین تا آسمان اور جو ہے اس کے درمیان، آٹھوں سمتیں اور لہروں والے سمندر کو پیدا فرمایا۔ پھر اپنے منہ سے برہمنوں کو، بازوؤں سے چھتری کو، ران سے ویش کو اور پاؤں سے شودر کو پیدا فرمایا۔ چنانچہ جب تک برہما بیدار رہیں گے دنیا باقی رہے گی اور جب سو جائیں گے قیامت واقع ہو جائے گی۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اور مجھے پیدا فرمایا اور قیامت کے وقوع کے بعد دوبارہ اسی طرح دنیا کو پیدا فرمائے گا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔(باب ۱/۵۔۵۲)

اس روایت پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

[۱] برہما مخلوق ہیں جنھیں پرمیشور نے مادہ تکوین سے پیدا فرمایا جب کہ ہندوؤں کے عقیدہ کی رو سے وہ خدا کی ازلی روح ہے اور تمام نچلی ارواح اسی کی جانب لوٹتی ہیں۔

[۲] غور کیجیے برہما کی صورت میں پیدا ہوئی یہ مخلوق پھر خالق بن گئی، چنانچہ اس نے جنت اور زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔

[۳] پھر اس خالق نے (جو اصلاً مخلوق تھا) ہندوؤں کے چاروں طبقات کو پیدا فرمایا اور بقیہ لوگوں کو کس نے پیدا فرمایا اس کی کوئی صراحت اس روایت میں نہیں۔

[۴] برہما کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔برہما کے خالق پرمیشور کی ذمہ داری کیا ہے نہیں معلوم۔

[۵] یہ کائنات مسلسل فنا اور پیدا ہوتی رہے گی اس کا اختتام کب ہوگا نہیں معلوم۔منو کے بیان کے مطابق اس وقت ہم لوگ ساتویں دور سے گزر رہے ہیں۔

دوسری روایت

کائناتی روح انسانی صورت میں نمودار ہوئی۔اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اپنے علاوہ کسی کو نہ پایا تو اس نے زور سے کہا: ''میں یہاں ہوں۔'' اور اسی طرح اسی لمحہ سے ''میں'' وجود میں آیا۔اسی لیے ہر انسان اپنے تعلق سے گفتگو کے وقت لفظ میں کا استعمال کرتا ہے۔اس کائناتی روح یا پہلے انسان نے اپنی تنہائی کی وجہ سے خوف محسوس کیا اسی لیے انسان تنہائی میں خوف محسوس کرتا ہے۔پھر اس نے خود سے سوال کیا میں کیوں ڈر رہا ہوں جب کہ میرے علاوہ اس دنیا میں کوئی اور نہیں ہے اور انسان تو دوسرے سے ڈرتا ہے۔اس نے محسوس کیا کہ میں تنہائی کی وجہ سے سعادت سے محروم ہوں چنانچہ ساتھی کی تلاش میں اس نے اپنے دو حصے کیے،ایک حصہ اسی حالت میں باقی رہا دوسرے نے ایک عورت کا روپ دھار لیا اور یہ عورت اس کی بیوی بنی اور پھر یہیں سے انسان کی پیدائش کا سلسلہ چلا۔(الاساطیر الھندیہ عن الکون وخلقہ: ۴۳)

دیوی بھاگوت پران کی روایت

شری نامی ایک دیوی جو شری پور کی ایک ملکہ تھی اس نے یہ پوری دنیا بنائی اور برہما، وشنو اور مہادیو کو پیدا فرمایا۔جب اس دیوی کی خواہش ہوئی تب اس نے اپنا ہاتھ گھسا، اس ہاتھ میں ایک آبلہ پیدا ہوا اور اس میں سے برہما جی کی پیدائش ہوئی۔اس سے دیوی نے کہا کہ مجھ سے شادی کر۔برہما نے کہا: تو میری ماں ہے، میں تجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔یہ سن کر ماں کو غصہ آیا اور اس نے لڑکے کو جلا کر خاک کر دیا اور پھر ہاتھ گھس کر اسی طرح دوسرا لڑکا پیدا کیا، اس کا نام وشنو رکھا۔اس کو بھی اسی طرح کہا۔اس نے جب اس کی بات نہ مانی تو اس کو بھی راکھ کر دیا، پھر اسی طرح تیسرے لڑکے کو پیدا کیا اس کا نام مہادیو (شیو) رکھا اور اس سے کہا تو مجھ سے شادی کر۔مہادیو بولا میں تجھ سے شادی نہیں کر سکتا، تو دوسری عورت کا جسم بنا لے۔دیوی نے ویسا ہی کیا۔تب مہادیو بولا یہ دو جگہ راکھ سی کیسی پڑی ہے؟ دیوی بولی یہ دونوں تیرے بھائی ہیں۔انھوں نے حکم نہ مانا اس لیے راکھ کر دیے گئے۔مہادیو نے کہا۔میں اکیلا کیا کروں گا۔ان کو زندہ کر دے اور

دو عورتیں اور پیدا کر۔ تینوں کی شادی تینوں سے ہوگی۔ دیوی نے ایسا ہی کیا پھر تینوں کی شادی تینوں سے ہوگئی۔

غور کیجئے مذکورہ بالا روایت میں ماں کے ساتھ شادی نہ کی ہمشیرہ سے کرلی۔ تو کیا ہمشیرہ سے شادی کرنا ہندو دھرم میں جائز ہے۔ نیز یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس دیوی کا جسم اور اس شری پور کا بنانے والا اور دیوی کے والدین کون تھے؟ اگر کوئی یہ جواب دے کہ دیوی ازلی ہے تو کہا جائے گا کہ جو چیز ترکیب سے پیدا ہوتی ہے وہ ازلی بھی نہیں ہوسکتی۔ (دیکھئے ستیارتھ پرکاش)

مذکورہ بالا تینوں روایتوں کے علاوہ اور بھی متعدد روایات مقدس مذہبی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ وید میں اس کائنات اور اس کی جملہ اشیاء کو قربانی کا نتیجہ اور ویدانت میں ارادہ باری تعالیٰ سے پیدا شدہ مانا جاتا ہے۔ (دیکھئے: ہندوازم: ص ۶۱۔ ۶۴، رگ وید: ۱۰/ ۸۰، ۲۔ ۴)

تخلیق کائنات کے تعلق سے یہ متضاد روایات غیر محفوظ اور غیر الہامی ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

(۳) آواگون

آواگون ہندی لفظ ہے اسے پنر جنم بھی کہتے ہیں۔ اس کے لغوی معنی ہیں بار بار جنم لینا اور مرنا۔ اعمال کے لحاظ سے روح کا ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں واپس آنا تناسخ کہلاتا ہے۔ چنانچہ انسان کی روح اس کے جسم سے نکل کر حیوانات اور کیڑے مکوڑوں کے جسم میں منتقل ہوجاتی ہے اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ پرانوں کے مطابق جب انسان اپنی زندگی کے مقصد ''بندگی رب'' کو بجالانے میں ناکام رہتا ہے تو اس کی روح ۸۴ ہزار جانوں، چڑیوں اور کیڑوں مکوڑوں کے قالب میں آنے کے بعد پھر انسان کے قالب میں ظاہر ہوتی ہے۔

اس عقیدہ کے مطابق انسان چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا نیک یا بد جو بھی عمل کرتا ہے اس کا ایک اثر مرتب ہوتا ہے۔ اس طرح تمام عمر انسان سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں ان کے اثرات مرتب ہوکر محفوظ ہوتے رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان فنا نہیں ہوتا نہ کسی اور دنیا میں ہمیشہ کے لیے چلا جاتا ہے بلکہ اسی دنیا میں کسی اور صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی اس دوسری زندگی کی نوعیت اور کیفیت اس کی پچھلی زندگی کے اعمال کے اثرات سے متعین ہوتی

ہے۔پھر اس دوسری زندگی کے اعمال اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں اور دوبارہ مرنے کے بعد پھر انسان اثرات کے لحاظ سے اچھی یا بری حالت ، برہمن یا اچھوت، انسان یا جانور یا کسی اور صورت میں پیدا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوتے ہوئے ازل سے ابد تک جاری وساری رہے گا۔ نہ اس سلسلہ کی کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا اور نہ ہی اس سلسلہ میں متعلق رہتے ہوئے انسان کے لیے کبھی چین وقرار ممکن ہے۔

ہندو دھرم میں عقیدۂ آواگون کا مقام

جس طرح کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسلام کی علامت ہے، تثلیث عیسائیت کی علامت اور سبت کی تقریب یہودیت کی اسی طرح تناسخ کا عقیدہ ہندو مذہب کی پہچان ہے۔ جو شخص تناسخ پر ایمان نہیں رکھتا وہ ہندو نہیں اور اسے ہندوؤں میں شمار نہیں کیا جاتا۔

آواگون کے اسباب

آواگون کے دو سبب بیان کیے جاتے ہیں:

[۱] روح کے جسم سے نکلنے کے بعد بھی اس کی ہزاروں تمنائیں اور خواہشات ایسی رہتی ہیں جو پوری نہیں ہو پاتیں اسی لیے یہ خواہشات روح کو پھر اسی دنیا میں کسی قالب میں ظہور پر مجبور کرتی ہیں۔

[۲] جسم سے نکلنے کے بعد چونکہ دوسرے لوگوں سے دنیاوی زندگی میں تعلق کے دوران بہت سارے مطالبات اور معاملات باقی رہ جاتے ہیں جن کی ادائیگی کے لیے اپنے اعمال کے ثمرات کو پانے کی خاطر روح نئے روپ یا قالب میں ظہور پذیر ہوتی ہے اور اگر یہ آگوان ثواب کی بنا پر ہے تو وہ نیکی کی طرف متوجہ رہے گی اور اسے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی تمنا ہوگی اور اگر عذاب کی بنا پر ہے تو وہ برائی اور مکروہات کی طرف متوجہ رہے گی اور ان سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے گی۔

آواگون کے دلائل

[۱] کائنات کی فطرت عقیدۂ تناسخ کو ثابت کرتی ہے چنانچہ سورج، چاند اور ستارے سب کے سب طلوع ہوتے ہیں اور پھر غروب وظاہر ہوتے ہیں اور پھر چھپ جاتے ہیں۔

ستارے بھی کبھی اس برج میں داخل ہوتے ہیں اور کبھی اس برج میں۔ ٹھیک اسی طرح روحیں بھی ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

جواب: کائنات کی فطرت اور طبیعت پر ارواح کا قیاس قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ سورج کسی دن چاند اور چاند کسی دن سورج اور ستارے کسی دن سمندر کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتے۔ یہ سب ایک محکم نظام کے تحت اپنے اپنے مدار پر گردش کر رہے ہیں جب کہ ہندو دھرم کے بموجب روحیں انسان، حیوانات اور حشرات الارض کی ہزاروں صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اگر وہ صرف انسان کی صورت میں بھی بار بار ظاہر ہوتیں تو قیاس درست نہ ہوتا کیوں کہ سورج چاند تو اپنی جگہ پر برقرار رہتے ہیں ان کا ظہور وخفا صرف زمین کی گردش کا نتیجہ ہے۔

[۲] پنر جنم کو نہ مانا جائے تو خالقِ کائنات کو غیر منصف اور غیر عادل ماننا پڑے گا، کیوں کہ کسی کو اندھا، کسی کو لولا یا لنگڑا اور کسی کو صحیح سالم پیدا فرمانا بے انصافی ہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ سب کو صحیح سالم اور ایک ہی صفت پر پیدا کیا جائے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ لولا لنگڑا یا اندھا ناقص الخلقت پیدا ہونا پچھلے اعمال کا نتیجہ ہے۔

جواب: اگر پیدائش میں اختلاف کا سبب تناسخ ہے تو پھر جوانی میں صحیح سالم انسان کس جنم کے اعمال کے نتیجے میں اندھا یا ہاتھ پاؤں کا معذور ہو جاتا ہے۔ رہا بچوں کا مختلف احوال وصفات پر پیدا ہونا تو اس کا سبب نطفہ کی خرابی ہے۔ یہ بات تمام ہی عقل مندوں کے درمیان مسلّم ہے کہ بعض خوبیاں یا خرابیاں خاندانی ہوتی ہیں نیز والدین کے بے راہ رو ہونے کی بنا پر بھی بچے ناقص الخلقت پیدا ہوتے ہیں۔

[۳] عقیدۂ تناسخ کے قائلین تیسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ روحیں ازلی اور قدیم ہیں اور تناسخ کو نہ ماننے کی صورت میں ان کا بے کار ہونا (معطل) لازم آئے گا جو اُن کی قدامت اور ازلیت کے منافی ہے۔

جواب: یہ دلیل اُن کے اس فاسد اعتقاد پر مبنی ہے کہ روح اور مادہ ازلی ہیں اور خالقِ کائنات تخلیق کے وقت ان کا محتاج تھا لیکن خدا خود ان کے عقیدہ کے بموجب کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اسے ''سروشکتی مان'' مانتے ہیں یعنی خدا قادر مطلق ہے۔ اس دلیل کی تردید قرآن نے یوں کی ہے: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل:۸۵) ''کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔''

[۴] ان کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ جو لوگ جنت وجہنم کے قائل ہیں وہ بہت ہی محدود عمل کے سبب انسانوں کو ابدی جہنم کا مستحق مانتے ہیں اور یہ چیز عدل وانصاف کے خلاف ہے لہٰذا خالقِ کائنات سے اس ظلم کی نفی کے لیے آواگون کو ماننا لازمی ہے۔

جواب: عذاب وثواب کو زمان ومکان کے حدود سے نہیں ناپا جاسکتا بلکہ جو چیز اس کی قدروقیمت کو معین کرتی ہے وہ اس عمل کی تاثیر اور معاشرہ پر پڑنے والے اس کے اثرات ہیں۔ چنانچہ خود اسی دنیا میں بعض افراد بلا کسی انعام وتشجیع کے بڑی بڑی خدمت انجام دے جاتے ہیں جب کہ بعض معمولی عمل جس کے اثرات پوری نسل انسانی پر پڑتے ہیں اس کے عامل کو اجر عظیم سے نوازا جاتا ہے۔ پھر عقیدۂ تناسخ کے قائلین بھی تو یہ کہتے ہیں کہ جنم مرن کے چکر سے نجات یافتہ ارواح روح اعلیٰ سے جاملتی ہیں اور ابدالآباد کے لیے لذتوں اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں پھر اس دنیا میں دوبارہ واپس نہیں لوٹتیں تو کیا یہ دائمی ثواب محدود ریاضت اور محدود عمل کے عوض میں نہیں ہے۔

عقیدہ آواگون کا معروضی مطالعہ

یہ عقیدہ شروع ہی سے ہندو فلاسفہ اور محققین کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے۔ "پرلوک اور پنر جنم" میں مذکور درج ذیل قصے سے اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔

واج سروش ایسی گائیں جو دودھ دینے کے قابل نہ ہوتیں انھیں ثواب کی نیت سے صدقہ کردیا کرتا تھا۔ اس پر ان کے فرزند "نچی کیتا" نے اعتراض کیا چنانچہ ان کے والد نے ناراض ہوکر انھیں عالم اموات میں بھیج دیا۔ ملک الموت نے اس کا استقبال کیا اور کہا کہ جو چاہو پوچھو۔ لڑکے نے کہا: موت کے بعد ہونے والے حشر وانجام کے تعلق سے دنیا میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موت کے بعد بھی روحیں باقی رہتی ہیں جب کہ بعض دیگر لوگ اس کے منکر ہیں تو اصل حقیقت کیا ہے؟ ملک الموت نے کہا: یہ مسئلہ تو بڑا ہی پیچیدہ اور مشکل ہے حتیٰ کہ فرشتے اور دیوتا بھی اس معاملہ میں متحیر ہیں لہٰذا کوئی دوسرا سوال کرو۔ لڑکے کے اصرار پر انھوں نے جواب دیا۔ یہ قصہ صراحتہً اس پر دلالت کررہا ہے کہ آواگون کا عقیدہ شروع میں ہندو فلاسفہ کے درمیان متفق علیہ نہ تھا ورنہ ملک الموت ابتدا میں اس کا جواب دینے سے گریز کی راہ اختیار نہ کرتے۔ عصر حاضر کے بعض ہندو مفکرین بھی اس عقیدہ کو نہیں مانتے جن میں راہل سنکر

تیان، فریدہ چوہان، ستیہ پرکاش اور درگا شنکر قابل ذکر ہیں۔

پنر جنم کے برعکس ان لوگوں نے ویدوں سے مسئلہ آخرت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح کے چند اشلوک ملاحظہ ہوں: سورج کی شعاعوں کی حصول کی کوشش کرو تا کہ آگ کی قدر پہچان سکو۔ یقیناً ہمارے رسول بھرت، بکو، اور مات رشو دونوں زندگی پر یقین رکھتے تھے۔

(رگ وید: ۱/۱۱/۶۰/۱۰)

جب میں انھیں ابدی کھانا کھانے کی اجازت دوں تو اے اگنی تو ان لوگوں میں شامل ہو جانا جو ابدی اور لازوال زندگی کے حصول کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ (رگ وید: ۱/۹/۴۴/۵)

آواگون عقل کی میزان پر

سائنس نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ انسان کی پیدائش سے کروڑوں سال قبل دنیا میں صرف جمادات، نباتات اور حیوانات بستے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حیوانات، نباتات وغیرہ انسانی اعمال کا نتیجہ نہیں۔ انسانی عقل بھی یہی فتویٰ دیتی ہے کہ انسان کی پیدائش سے قبل وہ تمام چیزیں موجود ہوں جو اس کی زندگی کے لیے از حد ضروری ہیں، جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تمام چیزیں انسان کی پیدائش سے قبل تھیں۔ نیز یہ عقیدہ درج ذیل اسباب کی بنا پر درست نہیں ہے:

[۱] تمام مذاہب عالم کا یہ متفقہ فیصلہ اور عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیوب سے پاک ہیں جب کہ عقیدۂ تناسخ خدا کی صفات خالقیت اور غفوریت کے خلاف ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا کوئی روح پیدا نہیں کر سکتا۔ اس طرح یہ عقیدہ خدا کی صفات کے منافی ہے۔

[۲] ہماری اس دنیا کی تمام نعمتیں گھوڑا، گائے، بیل، گھی، دودھ، پھل نظریہ تناسخ کی رو سے پہلے جنم کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یہ تمام نعمتیں نہ صرف بابرکت ہیں بلکہ انسانی زندگی کا انھی پر دارومدار ہے۔ جب یہ تمام نعمتیں گناہوں کا ثمرہ ٹھہریں گی تو لامحالہ گناہوں کو ہی زندگی کا دارومدار ٹھہرانا پڑے گا۔

[۳] اس عقیدہ کی رو سے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ تمام معلمین و موحدین جن کو دکھ دیے گئے وہ سب اپنے پچھلے جنم میں بدکار اور فاسق تھے۔ اس عقیدہ کی رو سے یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انھیں اپنے پچھلے جنم کی بداعمالیوں کی وجہ سے دکھ دیے گئے۔

[۴] اس عقیدہ سے تمام دنیا کا قانونی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا قتل ہو گیا۔ اس عقیدہ کی رو سے یہ اس کے پچھلے جنم کا نتیجہ ہے تو پھر قاتل کو پھانسی کیوں دی جائے۔ اس نے تو خدا کی منشا کے مطابق کام کیا۔ اس طرح ایک غریب مسکین اور بے بس سے ہمدردی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ تو اپنے پچھلے جنم کے کسی برے عمل کی سزا بھگت رہا ہے اس کی مدد کرنا خدا کی منشا کے خلاف ہوگا اور ہمدردی کرنے والا جرم کا ارتکاب کرے گا۔

[۵] انسان کو اس کے اعمال کی پوری جزا تناسخ کی صورت میں نہیں مل سکتی کیوں کہ ایک انسان اپنی پچاس ساٹھ سال کی زندگی میں جو اچھے یا برے کام کرتا ہے اس کی ذمہ داری میں نہ معلوم اوپر کی کتنی نسلیں شریک ہیں جو گزر چکی ہیں اور آج یہ ممکن نہیں کہ انھیں جزا یا سزا پہنچ سکے۔ پھر اس شخص کے اچھے یا برے اعمال جو وہ آج کر رہا ہے اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جائیں گے بلکہ ان کے اثرات کا سلسلہ آئندہ صدہا برس تک چلتا رہے گا۔ جب کہ یہ اثرات چل رہے ہیں اور پھل رہے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ آج ہی اس دنیا کی زندگی میں اس شخص کو اس کے کسب کی پوری جزا مل جائے درآنحالیکہ ابھی اس کسب کے اثرات کا لاکھواں حصہ بھی رونما نہیں ہوا ہے پھر اس دنیا کی محدود زندگی میں اور اس کے محدود امکانات سرے سے اتنی گنجائش ہی نہیں رکھتے کہ یہاں کسی کو اس کے کسب کا پورا بدلہ مل سکے۔ آپ کسی ایسے شخص کے جرم کا تصور کیجیے جو دنیا میں جنگ عظیم کی آگ بھڑکاتا ہے اور اس کی اس حرکت کے بے شمار برے نتائج ہزاروں برس تک اربوں انسانوں تک پھیلتے ہیں۔ کیا کوئی بڑی سے بڑی جسمانی، اخلاقی، روحانی یا مادی سزا بھی جو اس دنیا میں دی جانی ممکن ہے؟ کیا اس کے اس جرم کی پوری منصفانہ سزا ہو سکتی ہے؟ اسی طرح کیا دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا انعام بھی جس کا آپ تصور کر سکتے ہیں کسی ایسے شخص کے لیے کافی ہو سکتا ہے جو مدۃ العمر نوع انسانی کی بھلائی کے لیے کام کرتا رہا ہو اور ہزاروں سال تک بے شمار انسان جس کی سعی کے ثمرات سے فائدہ اٹھائے چلے جا رہے ہوں؟

ہندوؤں پر اِس عقیدہ کے اثرات

اس عقیدہ نے ہندوؤں پر بڑے بڑے اثرات ڈالے ہیں:

[۱] اس عقیدہ نے ہندوؤں کو ہمیشہ کے لیے پست کر دیا، ان پر ایک مایوسانہ افسردگی طاری ہو گئی۔

[۲] اس عقیدہ سے تقدیر پرستی کا روگ بھی پیدا ہوا کیوں کہ انسان کی قسمت اس کے گزشتہ جنم کے اعمال سے متعین ہو جاتی ہے جو اس کی اپنی کوشش سے نہیں بدل سکتی۔ یہ تصور انسان کے لیے کتنا ہیبت ناک ہوگا کہ اس کو آدمیوں، جانوروں اور پودوں کی شکل میں ہر بار ایک نیا جنم لینا ہوگا اور وہ خواہ کتنے ہی نیک اعمال کرے لیکن اس دنیا کے بکھیڑوں اور مصیبتوں سے اس کی نجات کا کوئی امکان نہیں ہوگا یہاں تک کہ دیوتاؤں کو بھی اپنے نئے جنم میں زندگی کے پست ترمدارج سے گزرنا پڑے گا۔

آخری بات

ہندو دھرم کے اجزائے ترکیبی میں برہمنوں کی ذہنیت سے ایسا لگتا ہے کہ یہ عقیدہ اس لیے ایجاد کیا گیا ہے تا کہ یہاں کی اصل آبادی کو ابدالآباد تک کے لیے غلام اور تابع بنایا جا سکے، جب یہ عقیدہ ذہنوں میں راسخ ہو جائے گا کہ ہم پچھلے جنم کے برے اعمال کے نتیجے میں شودر ذات میں پیدا ہوئے تو انسان اس حالت پر راضی رہے گا اور اس سے نکلنے کی کوشش نہ کرے گا بلکہ اپنی تقدیر پر راضی ہو کر اپنے فرائض انجام دیتا رہے گا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہند کے مفتوحین کے دلوں میں فاتح قوم یعنی آریوں کے تئیں نفرت کے وہ جذبات نہیں پائے جاتے جو پوری دنیا کے مفتوحین کے دلوں میں فاتحین کے تئیں پائے جاتے ہیں۔

ہندومت کے مصادر

ہندومت کی مقدس کتابیں نو ہیں: (۱) وید (۲) اپنشد (۳) پران (۴) مہابھارت (۵) شریمد بھگوت گیتا (۶) رامائن (۷) یوگ واششٹھ (۸) ویدانت (۹) دھرم شاستر۔

(۱) وید

وید سنسکرت لفظ ہے جو ''ود'' سے نکلا ہے، جس کے معنی جاننا، سوچنا، موجود ہونا، غور کرنا اور علم کے آتے ہیں۔ وہ تعلیمات جنھیں راہبوں اور سنیاسیوں نے دو ہزار قبل از میلاد کے طویل عرصہ میں اپنے شاگردوں کو قلم بند کرایا تھا ان کے مجموعہ کو وید کہتے ہیں۔ اس علمی تگ و تاز کے حاصل کو بھی وید کہتے ہیں جو ہندوستان کے رہنے والے آریوں نے مختلف اطراف و جوانب سے دو ہزار قبل از میلاد کے طویل عرصہ میں جمع کیا تھا۔

مؤلف

ہندوؤں کے نزدیک اسے ''منو'' نام کے ایک شخص نے الہام کیا ہے اور ایک روایت کے بموجب قدیم رشیوں نے اپنے اعلیٰ روحانی مقامات کی بنا پر ان سچائیوں کو سن لیا تھا اور پھر ان کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا۔ اسی لیے تمام ویدک ادب کو شرتی (سنا ہوا، الہامی) مانا گیا ہے اور یہ خدا یا انسان کسی کا تصنیف کردہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس بعض ہندو مفکرین کا خیال ہے کہ وید مختلف سادھوؤں اور راہبوں کے افکار و خیالات کا مجموعہ ہے۔ لال بہاری ورما لکھتے ہیں: ''وید کسی مخصوص کتاب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ مختلف سادھوؤں کے افکار و خیالات کا مجموعہ ہے۔'' پنڈت شری رام شرما کے نزدیک اس میں تین سادھوؤں کے افکار و خیالات درج ہیں۔

ویدوں کی تقسیم

ویدوں کی دو مشہور تقسیم یہ ہے۔

(۱) زمانۂ تصنیف اور موضوع کے لحاظ سے وید کے چار حصے ہیں:

[۱] سمہتا: یعنی متن، یہ قدیم آریائی دیوی دیوتاؤں کی شان میں کہے گئے ہیں۔ یہ بھجنوں اور اس سے متعلق گیتوں کا مجموعہ ہے۔

[۲] براہمن: یعنی شرحیں، اس میں مذہبی رسومات، آدابِ زندگی، یگیہ اور ہون کے قاعدوں نیز ضابطوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

[۳] آرنیکا: ارینہ جنگل کو کہتے ہیں۔ آرنیکا سے مراد وہ کتابیں ہیں جو جنگل کی پرسکون فضا میں تصنیف کی گئیں۔ ان میں ظاہری اعمال کے مقصود اور روحانی مطالب کو اجاگر کرنے نیز ظاہر سے باطن کی طرف متوجہ ہونے کا رجحان زیادہ پایا جاتا ہے اور قربانی کے بجائے فکر و مراقبہ پر کافی زور دیا گیا ہے۔

[۴] اپنشد: یعنی روحانی تعلیمات۔ اپنشدوں میں وحدۃ الوجود پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ انھیں ویدانت بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہاں پہنچ کر ویدوں میں بیان کی گئی تعلیمات اپنے آخری عروج پر پہنچ گئی ہیں۔

(۲) یگیہ اور ہون میں ویدک منتروں اور بھجنوں کے مواقع استعمال کے لحاظ سے ویدک ادب کو چار ویدوں میں بانٹا گیا ہے۔ ان میں سے ہر وید کا پہلا حصہ "سمہتا"، دوسرا "برہمن"، تیسرا "آرنیکا" اور چوتھا "اپنشد" کہلاتا ہے۔ چاروں وید بالترتیب یہ ہیں:

[۱] رگ وید [۲] سام وید [۳] یجر وید [۴] اتھر وید۔

(۱) رگ وید

اس کے لغوی معنی دعا اور تعریف کے آتے ہیں۔ مغربی محققین کے نزدیک یہ ۱۰۰۰ ق م سے ۵۰۰ ق م کے درمیان کا تالیف کردہ ہے۔ رگ وید کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعض حصے افغانستان اور بلوچستان کے علاقے میں لکھے گئے ہیں اور بعض حصے بیاس اور سرسوتی کے درمیان کیوں کہ ان میں جو موسم بیان کیے گئے ہیں وہ وہیں پائے جاتے ہیں۔

بعض حصوں میں پنجاب کے میدانوں اور دریاؤں کا ذکر ہے جس کی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ حصہ یہاں بھی لکھے گئے ہیں مگر یہ یقینی نہیں۔

رگ وید میں دس اجزا (منڈل) ۶۴ ابواب (ادھیائے) ۱۰۱۷ عناوین ابواب (سوکت) اور ۱۰۵۵۲ اشعار (منتر) ہیں۔

رگ وید میں سب سے زیادہ اگنی (آگ کا دیوتا) کا ذکر آیا ہے۔کیوں کہ ویدوں کو جمع کرنے والے" ویدویاس" ایران کے مشہور مذہبی رہنما "زرتشت" کے ہم عصر تھے۔زرتشت آتش پرست تھے۔بعض تاریخی روایات کے بموجب ویدویاس ایران گئے تو وہاں زرتشت سے ملاقات کے دوران وہ مجوسی مذہب سے کافی متاثر ہوئے اور ویدوں میں زرتشت کی بیشتر تعلیمات درج کردیں۔یہی وجہ ہے کہ رگ وید میں اگنی کا ذکر بار بار آیا ہے۔اگنی کے علاوہ رگ وید میں ۱۵۰ سے زائد دیوتاؤں کا تذکرہ پایا جاتا ہے جن میں مشہور درج ذیل ہیں۔

اندر (بجلی اور طوفان کا دیوتا)، سوریہ (سورج)، اوشا (صبح کا دیوتا)، گیان (علم کا دیوتا)، کام (شہوت کا دیوتا)، ورن (آسمان کا دیوتا)، وایو (ہوا کا دیوتا)۔رگ وید کے منتر صبح و شام کی پوجا میں پڑھے جاتے ہیں نیز شادی کے موقع پر اور مُردوں کے جسموں کے جلاتے وقت بھی اس کے منتروں کا جاپ کیا جاتا ہے۔

(۲) یجر وید

یجر اور وید سے مرکب ہے۔یجو کے معنی ہیں یجن یعنی پوجا کرنا۔یجر ان منتروں کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعہ یگیہ (قربانی) کی جاتی ہے۔اس وید میں قربانی کے قوانین اور طریقوں سے بحث کی گئی ہے۔اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:[۱] شُکل یجر وید [۲] کرشن یجر وید۔ آخری حصے میں الٰہیات کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔حجم کے اعتبار سے یہ رگ وید کا ایک تہائی ہے۔

(۳) سام وید

سام کے لفظی معنی امن وشانتی اور راحت کے آتے ہیں، لیکن یہاں اس کا مطلب شانتی نہ ہو کر گیت ہے۔اس میں علم نغمات کی تفصیل ملتی ہے۔ہندوستانی موسیقی کے ساتوں نغموں کا ماخذ یہی کتاب ہے۔یہ وید ۱۸۱۰ اشعار پر مشتمل ہے جن میں ۷۵ کے علاوہ بقیہ سبھی منتر رگ

وید میں بھی پائے جاتے ہیں۔ایک تحقیق کے مطابق اس میں ۱۵۴۹ منتر ہیں۔اس وید کے منتر پوجا میں اور دیوتاؤں سے نصرت و مدد طلب کرتے وقت گائے جاتے ہیں۔نیز ان قربانیوں کے موقع پر جن میں ''سوم رس'' کو خاص اہمیت حاصل ہے۔اس کے بعد بھجنوں کو پڑھنے کے لیے ایک پروہت مخصوص ہوتا ہے جس کو ''ادگاتر'' کہتے ہیں۔

(۴) اتھر وید

اتھر اور وید سے مرکب ہے۔اتھر کے معنی ہیں خوش حالی اور فلاح۔اتھرو کے معنی آگ اور اتھرون کے معنی پجاری کے ہوتے ہیں۔اس وید میں پجاریوں کے ذریعہ آگ کی مدد سے خبیث اور شیاطین سے لوگوں کی مدد کر کے ان کی بھلائی اور خیر خواہی کا فریضہ انجام دینے کی تفصیل ہے۔اس وید کے منتروں کو پڑھنے والے مخصوص پروہت کو ''ادھواریو'' کہتے ہیں۔اس میں شیاطین کو بھگانے، خونخوار جانوروں اور درندوں سے محفوظ رہنے، تجارت اور جوئے میں فائدہ کے حصول نیز امن وراحت کو پانے کی دعائیں موجود ہیں۔اسی لیے اتھر وید کے معنی بعض لوگوں نے جادو ٹونا بھی بتایا ہے۔اس کا انیسواں اور بیسواں باب رگ وید سے ماخوذ ہے اور بقیہ ابواب کا طرز بیان تین ویدوں سے کافی مختلف ہے۔

ویدوں کے طریقہ ہائے تفسیر

ویدوں کے مشہور تفسیری مسالک تین ہیں: (۱) ستر ام سایان کا طریقہ تفسیر (۲) ماکس ملر کا طریقہ تفسیر (۳) دیانند سرسوتی کا طریقہ تفسیر۔

(۱) ستر ام سایان کا طریقہ تفسیر

اس مفسر کا تعلق عہد وسطیٰ یعنی مسلمانوں کے دور سے ہے۔یہ ویدوں کے ان قدیم شارحین میں سے ہیں جنھوں نے اپنے زمانے میں رائج مذہبی رسوم ورواج کے زیر اثر ویدوں میں مذکورہ تلمیحات اور قصوں کو مہابھارت کے اقتباسات کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ہندوؤں کے نزدیک ستر ام کی تفسیر انتہائی مستند اور قابل اعتماد ہے۔ماکس ملر کہتے ہیں: ''اگر ستر ام نے ویدوں کی تفسیر نہ کی ہوتی تو ہمارے لیے ویدوں کے اسرار ورموز کو سمجھنا مشکل ہو جاتا۔''

(۲) ماکس ملّر (MAX MULLER) کا طریقۂ تفسیر

ماکس ملّر جرمن کے رہنے والے تھے۔آپ پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے مغربی طرز تحقیق کی روشنی میں ویدوں کو سمجھنے کی کوشش کی اور ویدوں کی تعلیمات سے یورپ والوں کو متعارف کرایا۔اسی لیے ہندو آپ کی بڑی قدر کرتے ہیں اور آپ کو"موکش مولار" کے لقب سے نوازتے ہیں یعنی ماکس جس نے آواگون کے چکر سے نجات پالی۔

(۳) دیانند سرسوتی کا طریقۂ تفسیر

دیانند سرسوتی (۱۸۲۴-۱۸۸۳) انیسویں صدی کے ایک مشہور و معروف دینی مصلح گزرے ہیں۔آپ نے ہندوستان میں قدیم آریائی تہذیب کے غلبہ کی کوشش کی اور اس کے لیے ۱۸۵۷ پنجاب میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی جس کے اغراض و مقاصد میں سب سے خطرناک مقصد" شدھی" کی دعوت ہے۔"شدھی" کے معنی پاک کرنے کے آتے ہیں جس سے مراد اُن کے نزدیک مسلمانوں کو دوبارہ ہندو دھرم میں واپس لانا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائیں۔ان کا خیال یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ شخص نجس ہو گیا ہے لہٰذا دوبارہ ہندو بنا کر اُس کو پاک کرنا ضروری ہے۔

دیانند نے ویدوں میں مذکورہ تاریخی واقعات کا انکار کرتے ہوئے ان تمام ہندو رسموں کو مسترد کر دیا جو قدیم زمانہ سے ہندوستان میں چلی آرہی تھیں۔ویدوں میں مذکورہ دیوتاؤں کی انھوں نے یہ تاویل کی کہ درحقیقت یہ تمام نام خدائے واحد کے متعدد مظاہر قدرت کا اظہار ہے۔آپ کی تفسیر استعارات، مجاز اور تشبیہات سے پر ہے۔آپ کی یہ تفسیر ہندو سماج میں قبول عام حاصل نہ کر سکی۔

وید اور تحریف

ہندوؤں کے نزدیک وید الہامی ہیں،لیکن خود ویدوں میں پائی جانے والی داخلی شہادتوں اور قرائن سے وید میں تحریف کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) منتروں کی تعداد میں اختلاف

سوامی دیانند نے رگ وید آدی بھاشیا بھومکا ہندی کے صفحہ ۸۶ پر لکھا ہے کہ اتھر وید کا پہلا حصہ منتر"ارم شنتو دیوی" ہے۔لیکھرام کے نزدیک بھی اس کا پہلا منتر"ارم شنتو دیوی" ہی

ہے جب کہ موجودہ وید کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ منتر چھبیسواں ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے پچیس منتر بعد میں ملائے گئے ہیں۔

یجر وید مطبوعہ ممبئی میں ۲۵ ادھیائے اور ۷۴ منتر ہیں جب کہ یجر وید مطبوعہ اجمیر میں ۴۸ منتر ہیں۔پنڈت بردے نرائن ایم۔ایس۔سی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

”ستونکرشی دیوغیرہ تصانیف میں وید منتروں اور ان کے لفظوں نیز حرفوں تک کی جو گنتی دی ہوئی ہے وہ موجودہ ویدوں میں نہیں ملتی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں میں کئی منتر ملائے گئے ہیں اور نکالے گئے ہیں۔“ (رسالہ گنگا ص ۲۴۳،مطبوعہ جنوری ۱۹۳۱)

منتروں کی تعداد میں اختلاف کے ساتھ ساتھ خود ویدوں کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔پنڈت سانتی دیوشاستری لکھتے ہیں:

”پہلے تو آج تک یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ وید چار ہیں یا تین۔منوسمرتی اور شت پت براہمن کی رو سے رگ وید،یجر وید اور سام وید،یہ تین وید ہیں اور منڈک اپنشد کی رو سے وید چار ہیں۔“ (رسالہ گنگا فروری ۱۹۳۱ صفحہ ۲۳۲)

(۴) سوکتوں کے آخر میں ان کے مؤلفین کی تصریح

وید کے ہر سوکت کے آخر میں اس کے مرتب کا نام موجود ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وید اِن ۱۴۴ رشیوں کا کلام ہے جن کے نام سوکتوں کے آخر میں پائے جاتے ہیں نیز خود وید کے بعض منتروں میں بھی رشیوں نے یہ صراحت کی ہے کہ منتروں کے خالق ہم ہیں۔چند منتر ملاحظہ ہوں:

[۱] ”اے گھوڑے والے ہم تمہارے لیے نیا منتر بناتے ہیں۔“ (رگ وید:۴:۱۶:۲۱)

[۲] ”ہم آسمانی باز کے مانند تیز رفتار اگنی کو مخاطب کر کے نیا منتر بناتے ہیں۔“ (۷:۱۵:۴)

[۳] ”تمہاری پرستش کے لیے جو نئے گیت بنائے گئے ہیں یہ منتر تمہیں خوش کریں۔“ (۷:۶۱:۶)

[۴] ”گوتم کی اولاد نے تیری ثنا اور تعریف میں یہ منتر بنائے ہیں۔“ (۱:۶۳:۹)

[۵] ”ہم قابل تعریف اگنی کے لیے اپنی عقل سے اس منتر کو بناتے ہیں۔جیسے بڑھئی رتھ بناتا ہے۔“ (۱:۹۵:۱)

(۳) ویدوں میں متعدد ہندوستانی راجاؤں کے دان کی تعریف

ویدوں میں متعدد ہندوستانی راجاؤں کے دان کی تعریف کی گئی ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وید انسانی کلام ہیں یا ان میں انسانی کلام کا وافر حصہ شامل ہے۔ اس قبیل کا ایک منتر ملاحظہ ہو: ''مجھ کو راجہ پوروا اور راجہ یدو نے غلام اور سو گائیں دان میں دیں۔'' (رگ وید: ۱۰/۴۷)

(۴) ویدوں میں انسانیت کش تعلیمات کا پایا جانا

ویدوں میں فحش باتوں اور متناقض منتروں کے ساتھ ساتھ ایسی تعلیمات بھی پائی جاتی ہیں جو غیر انسانی اور غیر اخلاقی ہیں۔ بطور نمونہ چند تعلیمات سطور ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

''شودر کو نیک صلاح نہیں دینی چاہیے۔'' (رگ وید: ۸/۷۰/۱۱۰)

''نیچی ذات والا اگر اونچی ذات والے شخص کا پیشہ اختیار کرتا ہے تو راجہ اس کی دولت چھین کر اسے ملک بدر کردے۔'' (رگ وید: ۳/۵۳/۱۱۰)

''لڑکی باپ کی جائداد کی وارث نہیں۔'' (اتھروید: ۱/۱۷۔ یجروید: ۵/۸)

''اگر کسی عورت کے دس خاوند ہوں مگر اس کے بعد برہمن اس کا ہاتھ پکڑ لے تو وہ برہمن کی ہوجاتی ہے، برہمن ہی خاوند ہے نہ چھتری اور نہ ویش۔ تمام لوگوں میں اس امر کا اعلان کرتا ہوا سورج روز چلتا ہے۔'' (اتھروید: ۵/۲۷/۹)

ان تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ وید غیر الہامی ہیں اور اگر الہامی رہے بھی ہوں تو ان میں انسانی کلام کا کافی حصہ پایا جاتا ہے۔ اس امر کا اعتراف خود ہندو مفکرین اور دانشوروں نے بھی کیا ہے۔

پنڈت رادھا کرشنن لکھتے ہیں: '' ویدوں کی تعلیم حقیقی معرفت خداوندی سے فروتر ہے اور ہمیں نجات نہیں بخش سکتی۔'' (فلاسفی آف اپنشد، ص ۲۵)

پنڈت جواہر لال نہرو رقم طراز ہیں: '' بہت سے ہندو ویدوں کو خدائی کتاب سمجھتے ہیں۔ میرے خیال میں ہماری یہ بڑی بدقسمتی ہے کیوں کہ اس طرح ان کی حقیقت ہم سے اوجھل ہوجاتی ہے۔ وہ صرف اس زمانے کی معلومات کا مجموعہ ہے۔ یہ بہت سی چیزوں کا غیر مرئی خزینہ ہیں۔'' (دیکھیے تلاش ہند: ۱۴۲)

پنڈت گنگا پرساد لکھتے ہیں: وہ منتر (رگ وید منڈل: ۸، منتر ۳۸) اتنا فحش ہے کہ معمولی سنسکرت جاننے والا بھی اسے پڑھنے کی ہمت نہ کرے۔ ابھی تو لوگ اس لیے پڑھ لیتے ہیں کہ نہ پڑھنے والا سمجھتا ہے نہ سننے والا، لیکن کیا آریہ سماج کی یہی حالت رکھنی ہے۔ اس منتر کو نہ نکالا گیا تو اس کے خلاف یا تو شدید مخالفت ہوگی یا تو لوگ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھ کر چھوڑ دیا کریں گے۔"

ویدک ادب کی تعلیمات

وید اور توحید

موجودہ ویدوں میں وحدانیت کا کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا بلکہ اس میں مظاہر پرستی اور متعدد دیوی دیوتاؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ صرف رگ وید میں مذکورہ خداؤں کی تعداد ایک سو پچاس ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابتدا میں ویدوں میں وحدانیت کی تعلیم پائی جاتی تھی جو تحریف کی نذر ہوگئی۔

عقیدۂ رسالت

عقیدۂ اوتار موجودہ ہندو دھرم کا مستند و معتبر عقیدہ ہے، لیکن ویدک ادب میں اس عقیدہ کا کوئی ذکر نہیں جب کہ اس کے برعکس اس میں رسالت کا تذکرہ ملتا ہے۔

رگ وید کا ایک مختصر منتر ہے: "اگنن دوتن وری ماھی۔"

"ہم اگنی کو رسول منتخب کرتے ہیں۔" (ترجمہ ستیہ پرکاش)

اگنن: رسول کا نام

دوتن: رسول

وری: صیغہ متکلم ہے جس کے معنی ہیں ہم منتخب کرتے ہیں۔

ویدوں کے قدیم شارحین دوتن کا ترجمہ معبود سے اور اگنی کا آگ کے دیوتا سے کرتے ہیں، لیکن خود وید ہی میں موجود ایک دوسرے منتر سے اس تفسیر کی تردید ہوتی ہے۔ وہ منتر یہ ہے: منوشیا سوا کنمن یقیناً میں اگنی تو صرف ایک رسول ہوں۔" ظاہر ہے جب خود وید میں ہی اس کی صراحت موجود ہے کہ اگنی ایک رسول تھے تو پھر لفظ دوتن جو ایک مشترک لفظ ہے اس کا ترجمہ رسول سے نہ کر کے معبود سے کرنا کیوں کر جائز ہوگا۔ (فصول فی ادیان الہند الکبریٰ: ۱۱۲)

عقیدۂ آخرت

ہندو دھرم میں سارے مذاہب کی طرح جنت و دوزخ[1] اور یوم آخرت کا تصور نہیں پایا جاتا بلکہ وہ پنر جنم کا قائل ہے، لیکن یہ عقیدہ بھی ویدوں سے ثابت نہیں ہے بلکہ خود وید کے بعض منتروں سے اس کے برعکس عقیدۂ آخرت کی تائید ہوتی ہے۔ رگ وید میں ہے: ''سورج کے حصول کی جدوجہد کرو تا کہ آگ کی قدر پہچان سکو۔ یقیناً بھرت، بکو، اور مات رشو یہ پیغمبر دونوں زندگی پر یقین رکھتے تھے۔'' (۱/۱۱/۶۰/۱۰)

رگ وید ہی کا ایک دوسرا منتر ہے: ''جب میں تمہیں ابدی کھانا تناول کرنے کی اجازت دوں تو اے اگنی تو ان لوگوں میں شامل ہوجا جو ابدی اور لازوال زندگی کے حصول کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔'' (۱/۹/۴۴/۵)

عورتوں کے متعلق احکامات

[۱] عورتوں کے ساتھ محبت نہیں ہوسکتی۔ عورتوں کے دل فی الحقیقت بھیڑیوں کے بھٹ ہیں۔ (رگ وید: ۱۰/۹۵/۱۵)

[۲] اندر (دیوتا) نے خود کہا ہے کہ عورت کا دل استقلال سے خالی ہے اور قول کی رو سے ایک نہایت ہلکی شے ہے۔ (رگ وید: منڈل ۸، سوک، ۳۳ منتر ۱۶)

[۳] عورت اور شودر دونوں کو نردھن (مال و دولت سے محروم) کیا گیا ہے۔ (یجر وید ادھیا ۸)

[۴] لڑکی باپ کی جائداد کی وارث نہیں۔ (اتھر وید کانڈ ۱، سوکت ۱۷ منتر ۱)

[۵] جن لڑکیوں کے بھائی نہ ہوں ان کی شادی نہیں ہوسکتی۔ (اتھر وید کانڈ ۱۱، سوکت ۱۷، منتر ۱)

ویدک ادب کی ان تعلیمات کے برعکس اسلام عورت کو معاشرہ میں جائز مقام دیتا ہے اور اس کے بنیادی حقوق (یعنی ملکیت، حق تعلیم، حق رائے) کا تعین کرتا ہے، اس کو ترکہ میں حصہ دلاتا ہے اور بیوہ عورت پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔

وید اور ذات پات

ہندو دھرم میں ذات پات کی تقسیم کی بنیاد رگ وید کے ۱۲ منتر پر ہے: ''ذات باری

---

(۱) پرانوں میں جنت اور دوزخ کا تفصیلی ذکر سورگ، نرک کی مختلف قسموں کے ساتھ موجود ہے۔

نے برہمنوں کو اپنے منہ سے، چھتری کو اپنے بازوؤں سے، ویش کو اپنی ران سے اور شودر کو اپنے پاؤں سے پیدا کیا۔" (۱۰/۹۰/۱۲)

ویدوں میں برہمنوں کو اس قدر فوقیت دی گئی ہے گویا کہ وہ مسئولیت سے پرے ہیں۔ چنانچہ اتھر وید میں ہے: " اگر کسی عورت کے دس خاوند ہوں مگر اس کے بعد برہمن اس کا ہاتھ پکڑ لے تو وہ برہمن کی ہو جاتی ہے۔ برہمن ہی اس کا خاوند ہے نہ کھتری نہ ویش، تمام لوگوں میں اس امر کا اعلان کرتا ہوا سورج ہر روز چلتا ہے۔" (کانڈر ۱۵، سوکت، ۱۷ ر منتر ۸۔۹)

ویدوں کی اخلاقی تعلیم

وید کے بعض منتر صفائے قلب، قول و فعل میں صداقت اور شرافت پیدا کرنے والے خیالات پر مشتمل ہیں۔ اس قبیل کے چند اشلوک ملاحظہ ہوں:

[۱] تمام اشیاء مجھے دوست خیال کریں، میں بھی تمام اشیاء کو دوست سمجھوں۔ (یجر وید)

[۲] آؤ ہم سب ایک دوسرے کی حفاظت کریں، سب مل کر کھائیں پئیں، مل جل کر بہادرانہ کام کریں اور ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔

[۳] خواہ میں زمین پر ہوں یا آسمان پر خدا کرے صداقت کا فرشتہ ہمیشہ ہمارا نگہبان ہو۔

[۴] اے قادر مطلق تمام امراض اور ناپاک خیالات کو نکال، دشمنی کے خیالات کو ہم سے دور رکھ۔ (رگ وید)

[۵] میں ہر بشر سے محبت کروں خواہ وہ رزیل ہو یا شریف۔ (اتھر وید)

[۶] ایک دوسرے سے ایسے جوش محبت سے پیش آؤ جیسے ایک گائے اپنے بچھڑے سے۔

[۷] اے بیٹی! اپنے والدین کی مطیع ہو، اپنے خاوند سے ہمیشہ لطیف کلمات میں کلام کرو۔ (اتھر وید)

[۸] بھائی اپنے بھائی سے نفرت نہ کرے، بہن بہن پر نامہربان نہ ہو، نیک نیتی کے ساتھ ایک دوسرے سے گفتگو ہو۔ (اتھر وید)

[۹] پہلے مہمان کو دے تو، اس کی مہمان نوازی کرلو تو خود کھاؤ۔ (اتھر وید)

[۱۰] طمانچے کا جواب طمانچے سے نہ دو، شراپ کے بدلے شراپ نہ دو بلکہ طمانچوں

اور بد دعاؤں کے بدلے دعاؤں کی بوچھار کرو۔(رگ وید)

یہ ہیں ویدک ادب کے وہ چند اشلوک جو قارئین کے سامنے علم الاخلاق کے انتہائی اعلیٰ اصول پیش کرتے ہیں، جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ وید یا تو الہامی رہے ہوں گے یا کسی الہامی کتاب سے اس کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہوگا۔

(۲) اپنشد

اپنشد کے لغوی معنی حصول علم کے لیے استاد کے پاس بیٹھنے کے آتے ہیں۔ یہ ویدوں کی تفسیریں ہیں جن میں مختلف روحانی علوم اور ان کے سادھوؤں اور راہبوں کے روحانی و باطنی تجربات ہیں جنھوں نے ریاضت اور نفس کشی کو اپنا شیوہ بنایا اور کائنات کے اسرار و رموز کی معرفت کے لیے جنگلوں اور بلند بالا پہاڑوں کو اپنا جائے استقرار بنایا تاکہ موت کی حقیقت پر غلبہ پا کر دوسری زندگی میں لازوال مسرتوں کو پا سکیں۔

اپنشد کی اہمیت

ہندوستانی علم حقیقت اور مذہبی اصولوں کا سرچشمہ ہونے نیز ویدک دھرم کے علم حقیقت کو قائم کرنے اور استحکام بخشنے والے گرنتھ یہی اپنشد مانے گئے ہیں۔ اپنشد ایسا سرچشمہ تصور کیے جاتے ہیں جن سے علم کی مختلف نہریں نکلی ہیں۔ ہندوستانی تصوف اور یورپی عیسائی ریاضت و نفس کشی کا ماخذ و منبع یہی اپنشد رہے ہیں۔

مؤلف اور زمانۂ تالیف

اپنشد چھٹی صدی قبل مسیح سے اکبر کے دور حکومت تک لکھے جاتے رہے۔ اکبر کے دور میں ''اللہ اپنشد'' لکھا گیا، جس میں الوہیت سے بحث کی گئی۔ اس کے مؤلف مجہول ہیں۔

اپنشدوں کی تعداد

اپنشدوں کی اصلی تعداد میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مکتکو اپنشد کے مطابق اپنشدوں کی تعداد ۱۰۸ ہے۔ اڈیار لائبریری مدراس نے غیر مطبوعہ اپنشدوں کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے جس سے

اپنشدوں کی تعداد بڑھ کر ۱۷۹ ہوگئی ہے۔ان میں سے ۱۰۸ اپنشد پنڈت شری رام شرما کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ بریلی سے شائع ہوئے ہیں۔انھوں نے انھیں تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

[۱] گیان کھنڈ (علم کا باب)، [۲] برہماودیا کھنڈ (برہما کا علم)، [۳] سادھنا کھنڈ (علم یوگا)۔

معتبر اپنشد بارہ مانے گئے ہیں۔ان کے نام یہ ہیں:

[1] ISHAVASYA [2] KEN [3] KATH [4] PRASHNA [5]MUNDAK

[6] MANDUKYA [7] ETRE [8]TETEREY [9]CHANDOKYA

[10] BRIHDARANYAK [11] KOSHITAKI [12] SHWETASHWETAR.

ان اپنشدوں کی تفسیر و تشریح شنکر آچاریہ، رامانج، نمبارک اور ولبھ نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے کی ہے۔

اپنشدوں کا موضوع

وہ اپنشد جو عہد قدیم میں لکھے گئے ہیں ان میں کائنات میں غور وفکر اور اس کے اسرار سے بھی بحث کی گئی ہے اور جو بعد کے ادوار میں لکھے گئے ہیں ان میں برہما کی بندگی اور دینی فرائض کی بجا آوری پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

اپنشدوں میں ''انا الحق'' یعنی لفظ ''ادم'' کے اسرار سے بھی بحث کی گئی ہے۔اسی اپنشد سے حسین بن منصور الحلاج اور سرمد صوفی نے متاثر ہوکر ''انا الحق'' یعنی میں ہی حق یعنی خدا ہوں کا نعرہ بلند کیا تھا۔

اپنشدوں میں بعض ایسی گہری بحثیں بھی ملتی ہیں جو دلوں کو چھوتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ داراشکوہ ان سے بے حد متاثر ہوا۔ان کا فارسی ترجمہ کیا جو ''سرّ اکبر'' کے نام سے موسوم ہے۔ اسی فارسی ترجمہ کو فرنچ سیاح برنیر اپنے ساتھ فرانس لے گیا جہاں ۱۸۰۱ اور ۱۸۰۳ میں یہ ترجمہ فرنچ اور لیٹن زبان میں شائع ہوا جن سے جرمن کا مشہور فلسفی شوپنہار کافی متاثر ہوا اور اس نے انھیں پلیٹو اور کانٹ کے بعد اپنے تیسرے گرو کا مقام دیا۔

اپنشد کی تعلیمات

اپنشدوں میں جو مذہبی عقائد بیان کیے گئے ہیں ان کا مختصر ذکر درج ذیل ہے:

برہما یا خدا

برہما ہر شے پر محیط ہے۔اس کا جسم تمام اجسام کا مجموعہ ہے۔اس کا دماغ تمام دماغوں کا مجموعہ ہے۔سب کے ہاتھوں سے وہ کام کرتا ہے۔سب کے پیروں سے چلتا ہے۔سب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔سب کے کانوں سے سنتا ہے۔

تخلیق کائنات

اپنشدوں میں بیان کیا گیا ہے کہ خالق کسی خارجی مادہ سے دنیا کو پیدا نہیں کر سکتا بلکہ خود اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے، جس طرح مکڑی جالا بنتی ہے اور پودے زمین سے اگتے ہیں۔

روح

ایک جگہ آتما (انفرادی روح) اور برہما (آفاقی روح) کا تعلق بیان کیا گیا ہے۔
"جیسے چھوٹی چھوٹی چنگاریاں آگ سے اڑتی ہیں اسی طرح سے آسمان سے تمام عالمین، دیوتا، ارواح، حیوان اور کل زندہ مخلوق برآمد ہوئی۔"

ادراک حقیقت

محدود ذہن لامحدود حقیقت کو نہیں پا سکتا۔حقیقت آتما (روح) سے ملتی ہے اس کے لیے ورت (روزہ) رکھنے، گیان دھیان (مراقبہ) کرنے پر گزارہ کرنے، خاموشی اختیار کرنے سے اعمال سے انفرادی روح برہما کا ادراک کر سکتی ہے۔

آواگون

برہما تمام کائنات کی روح تو ہے لیکن نہ وہ کسی کو نجات دیتی ہے نہ سزا۔انسان دنیا میں اپنے پاپوں (گناہوں) کی وجہ سے بار بار جنم لیتا ہے۔اگر گنہ گار ہے تو اس کی روح جانوروں، کتے، سور، بلی وغیرہ میں چلی جاتی ہے۔تناسخ یا آواگون کا چکر جاری ہے۔اس کو توڑ کر مکتی (نجات) مل سکتی ہے۔

(۴) پران

پران کے لغوی معنی ہیں قدیم قصے اور کہانیاں۔ان میں تاریخ اور مہاپرشوں کی سوانح

حیات ہیں۔ان میں گہرے اور عمیق مسائل کو علاقائی حکایات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

مؤلف

ہندوؤں کے نزدیک اس کتاب کے مؤلف وید ویاس جی ہیں جنھوں نے ویدوں کے بعد اسے مرتب کیا۔اس ایک پران سے ویاس جی کے شاگردوں نے چار پران بنا لیے۔اس کے بعد ان کی تعداد ۱۸ پھر ۳۶ اور ۳۶ سے بڑھ کر ۵۴ اور پھر ۶۰ اور پھر ۱۰۸ سے بھی زائد تک جا پہنچی۔

پران کی اہمیت

پران ہندوؤں کی مقدس کتب کا نہایت اہم اور ناگزیر حصہ ہیں۔وہ بنیادی طور سے ویدوں میں بیان کی ہوئی روحانی صداقتوں کی توسیعات اور ان کی تمثیلی تشریحات ہیں۔اہمیت کے اعتبار سے ویدوں کے بعد ان کا مقام سمجھا جاتا ہے اور مہابھارت کی طرح انھیں پانچواں وید، عوام کا وید اور اتنا ہی قدیم و مقدس خیال کیا جاتا ہے جتنے خود وید ہیں۔

پرانوں کے مشتملات

ہر پران میں مندرجہ ذیل پانچ بنیادی صفات یا موضوعات پر بحث کی گئی ہے:

[۱] مسئلہ تخلیق [۲] پیدائش [۳] دیوتاؤں اور اکابر کا شجرۂ نسب

[۴] مختلف منوؤں کے ممالک اور ادوار حکومت

[۵] سوریہ بنسی اور چندر بنسی بادشاہوں کے احوال۔

مذکورہ بالا امور کے علاوہ ان میں متفرق موضوعات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔یہ فرقہ وارانہ دیومالائی کہانیوں سے لے کر نصائح آمیز باتوں کا مرقع ہیں۔

تعداد

پرانوں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اصل پران اٹھارہ ابواب پر مشتمل رہا ہوگا۔پھر اس کے ہر باب کو علیحدہ کر کے اٹھارہ مستقل پران بنا لیے گئے اور پھر اس میں اضافہ ہوتا رہا۔البتہ ہندو علماء کے نزدیک صرف درج ذیل اٹھارہ پران ہی زیادہ مستند مانے جاتے ہیں:

[۱] برہم پران [۲] پدم پران [۳] وشنو پران [۴] شیو پران

[۵] شریمد بھگوت پران [۶] نارد پران [۷] مارکنڈے پران [۸] اگنی پران

[۹] بھوشیہ پران [۱۰] برہم دیورت پران [۱۱] لنگ پران [۱۲] وراہ پران
[۱۳] اسکند پران [۱۴] وامن پران [۱۵] کورم پران [۱۶] متسیہ پران
[۱۷] گروڑ پران [۱۸] برہمانڈ پران

ان میں سب سے زیادہ مقبول عام شریمد بھگوت پران ہے۔ یہ سب سے زیادہ عوامی ہے جسے ہندوانتہائی احترام کے قابل خیال کرتے ہیں۔ یہ اتنی مقدس خیال کی جاتی ہے کہ بہت سے راسخ العقیدہ ہندوؤں کے گھر میں کتابِ مقدس کی حیثیت سے اس کی روزانہ تلاوت کی جاتی ہے۔

پُرانوں میں اختلاف

پران اپنی موجودہ صورت میں باہم ایک دوسرے کے مخالف ومتعارض ہیں یہاں تک کہ کسی پران کے دو نسخے بھی باہم یکساں نہیں ہیں۔ جیسے ''شیو پران'' میں شیوؤں نے شیو کو پرمیشور مان کر وشنو، برہما، اندر، گنیش اور سوری وغیرہ کو اس کا غلام قرار دیا ہے۔ وشنوؤں نے وشنو پران وغیرہ میں وشنو کو پرمیشور مانا اور شیو وغیرہ کو اس کا غلام قرار دیا ہے۔ دیوی بھاگوت میں دیوی کو شوری اور شیو و وشنو وغیرہ کو اس کا غلام بنایا۔ گنیش کھنڈ میں گنیش کو پرمیشور اور باقی سب کو غلام بنایا ہے۔ غور کیجئے اگر ایک بات کو سچی مانیں تو دوسری کو جھوٹی اور دوسری کو سچی مانیں تو تیسری کو جھوٹی اور اگر تیسری کو سچی مانیں تو باقی سب جھوٹ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح شیو پران والے نے شیو سے، وشنو والے نے وشنو سے، دیوی پران والے نے دیوی سے، گنیش کھنڈ والے نے گنیش سے، سورج پران والوں نے سورج سے، وایو پران والوں نے وایو سے دنیا کی پیدائش اور پرلے (قیامت) لکھ کر ان میں سے جس جس کو عالم کی علت قرار دیا۔ اس کی پیدائش کی علت کسی اور کو ٹھہرادیا۔ اگر کوئی پوچھے جو عالم کی پیدائش، قیامت اور پرلے کرنے والا ہے وہ پیدا ہو سکتا ہے؟ اور جو پیدا ہونے والی چیز ہے وہ جہاں کی علت کبھی ہو سکتی ہے؟ تو صرف چپ رہنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے۔ ان سب کی جسم کی پیدائش بھی ضرور ہوئی ہوگی تو پھر وہ خود مخلوق اور محدود ہونے کے باعث دنیا کی پیدائش کرنے والے کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

(دیکھئے: ستیارتھ پرکاش باب ۱۱/۳۷۰)

تخلیق عالم کی پیدائش کے تعلق سے بھی پرانوں کی روایات متضاد اور باہم دیگر متناقض ہیں۔ مذکورہ بالا امور کے علاوہ بھی پرانوں کی حکایات باہم دگر متناقض، ناممکن اور بے شرمی سے پر

ہیں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے: ستیارتھ پرکاش باب گیارہ، مارکنڈے پران اور بھاگوت پران کی گپیں ص ۳۲۲)

ہندو سماج پر پرانوں کے اثرات

ہندو دھرم کی اصل بنیاد تو ویدوں پر ہے لیکن پران اس بنیاد کو مستحکم بناتے ہیں۔ پرانوں کے ذریعہ مذہب میں دلآویزی و دلچسپی پیدا ہوئی اور خشک گرم کانڈ بھکتی رس سے لبریز ہوسکا۔ پرانوں کے ذریعہ بودھ، جین مت اور دوسرے فلسفیانہ فرقوں کے عوام پر پڑے اثرات کو زائل کرنے میں کامیابی ملی۔ پرانوں میں بتایا گیا ہے کہ بودھوں نے تو ساری باتیں ویدوں ہی سے لی ہیں اور ان کے اعمال ویدک اعمال ہیں۔ مہاتما بدھ کے بارے میں پرانوں میں اعلان کر دیا گیا کہ وہ بھی وشنو کے اوتار ہیں۔ بدھ مت کی بعض خاص چیزیں بھی ہندو مذہب میں داخل کر لی گئیں۔ مثلاً عدم تشدد، جانوروں کو نہ مارنا، سادہ خوراک کھانا جس میں گوشت نہ ہو اور دنیا سے بے نیازی وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدھ مت کا ایک طرح سے زوال ہوگیا۔

(۴) مہابھارت

مہابھارت دو لفظوں سے مرکب ہے: ''مہا'' جس کے معنی عظیم کے آتے ہیں اور ''بھارت'' یعنی ہندوستان۔ شروع میں اس کتاب کا نام ''جے'' یعنی فتح تھا، پھر اسے بھارت سے موسوم کیا گیا۔ جب اسے قبول عام حاصل ہوا تو اسے مہابھارت کا لقب دے دیا گیا کیوں کہ یہ کتاب پرانے ہندوستان کی روایات، اساطیر اور سیاسی و معاشی آئین کا بحرالعلوم ہے۔

زمانۂ تالیف

مہابھارت ایک طویل تالیف ہے۔ اس میں دو لاکھ پندرہ ہزار اشعار ہیں۔ اگرچہ روایتی اعتبار سے اس کے مؤلف ''ویاس''، ''ویشمپائن'' اور ''سوتی'' بتائے جاتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مستقل اضافے ہوتے رہے۔ زیادہ تر مؤرخین اس کا زمانۂ تالیف ۵۰۰ ق م سے ۵۰ ق م بتاتے ہیں۔

شری پال دیو کے بیان کے مطابق ۳۰۰ ق م اس کی تالیف عمل میں آئی اور اس وقت وہ ایک لاکھ اشعار پر مشتمل تھی۔ (دیکھئے: ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی تاریخ)

مرکزی مضمون

اس رزمیہ کا مرکزی مضمون کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان تخت نشینی کی جنگ ہے۔

سبب تالیف

چھٹی صدی قبل مسیح میں آریہ تین فرقوں (وشنومت، شیومت اور دیوی مت) میں تقسیم ہو گئے تھے اور چھوت چھات، ذات پات کے خلاف دو عظیم تحریکیں (بدھ مت اور جین مت) وجود میں آگئی تھیں جس کی وجہ سے آریائی تہذیب کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس خطرہ سے نمٹنے کے لیے آریوں کو اپنے باہمی اختلاف کو بھلا کر اتحاد کی ضرورت محسوس ہوئی، جس کے خاطر ان کے علماء نے مہابھارت کو لکھ کر اتحاد کی بنیادیں فراہم کیں۔ اس کتاب میں تینوں فرقوں کے عقائد کو سمو دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ابتدا میں غیر جانب دار تصنیف تھی، جس میں ہندوستان کے بنیادی اتحاد پر نمایاں طور پر زور دیا گیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ویشنو عقائد اور نظریات سے اسے بھر دیا گیا۔

مہابھارت کی کہانی

مہابھارت کی رزمیہ داستان کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان ایک جنگ ہے جو ہستنا پور (دہلی) کے قریب ہوئی۔ کورو اور پانڈو دونوں ایک ہی چندر بنسی خاندان کے تھے۔ کورو سو (۱۰۰) بھائی تھے جن کا سردار دریودھن تھا۔ یہ دھرت راشٹر کے بیٹے تھے۔ پانڈو کے پانچ بیٹے تھے۔ یودھشٹر، بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو۔ پانڈو ہستنا پور کا راجہ تھا۔ پانڈو کے مرنے کے بعد چونکہ کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان پرانی دشمنی تھی۔ کوروؤں نے پانڈوؤں کو ملک سے نکال دیا۔ پانڈو بھارت کے مختلف علاقوں میں پھر کر وہاں کے راجاؤں سے مدد کی درخواست کرتے رہے۔ ان میں ایک پانڈو نے پنچال کے راجہ کی بیٹی درو پدی کو سوئمبر کی ایک رسم میں جیتا اور اس سے شادی کر لی۔ یہ تمام بھائیوں کی مشترک بیوی تھی۔

پانڈوؤں نے جلاوطنی سے واپس آکر ایک الگ شہر بسایا۔ کورو راجہ دریودھن اس بات سے سخت ناراض تھا۔ اس نے پانڈوؤں کو جوا کھیلنے کے لیے راضی کیا اور دھوکے سے جوے میں سب کچھ جیت لیا حتیٰ کہ پانڈو درو پدی کو بھی ہار گئے۔ شہر پر کوروؤں نے قبضہ کر کے انھیں نکال دیا

اور دروپدی کو ذلیل کر کے ان کے حوالے کر دیا۔ سب بھائی دروپدی کو لے کر جنگل میں گھومتے رہے آخر کار مختلف راجاؤں کی مدد سے دوبارہ کوروؤں پر حملہ کیا۔ اٹھارہ دن کی لڑائی میں تمام کورو شہزادے مارے گئے۔ یودھشٹر نے دوبارہ تخت حاصل کر لیا۔

ہندوؤں میں مہابھارت کی اہمیت

اس کتاب کو ہندوؤں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دیوتاؤں کے سامنے چاروں ویدوں کو ایک پلڑے میں اور مہابھارت دوسرے پلڑے میں رکھا گیا تو مہابھارت کا پلڑا بھاری تھا۔ ہندو کہتے ہیں کہ جو کوئی اس کتاب کو ایک بار پڑھے گا اس کے تمام گناہ ڈھل جائیں گے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کتاب آسمان پر لکھی گئی اور انسانی ضابطہ کے طور پر زمین پر پہنچائی گئی۔

مہابھارت کی خصوصیات

مہابھارت کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

[۱] یہ دنیا کی سب سے طویل رزمیہ تالیف ہے۔

[۲] یہ کتاب قدیم ہندوستان کی روایات، اساطیر اور سیاسی و معاشی علوم کا بحر العلوم ہے۔ اسے قدیم ہندوستان سے متعلق معلومات کا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔

[۳] یہ کتاب اگرچہ جنگی داستان ہے لیکن اس میں دیو مالائی سین اور اخلاقی درس ملا دیے گئے ہیں۔ اس میں ہندومت کی ایسی قدریں موجود ہیں جن کی اخلاقی اور قانونی بنیاد ہے۔ اس میں ایک فرد کے اپنی ذات اور معاشرت کے لیے فرائض کا تذکرہ ہے۔

[۴] یہ رنگا رنگ، بھرپور اور ابلتی ہوئی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اسے ہندی فلسفہ کے اس تصور سے دور کا بھی تعلق نہیں جس میں ترک دنیا اور زندگی کے بے حقیقت ہونے پر زور دیا جاتا ہے۔

[۵] مہابھارت کی ایک اہم خصوصیت اس کا اجتماعی مفاد پر زور دینا ہے۔ یہ چیزیں اس لحاظ سے قابل توجہ ہیں کہ عام طور پر ہندوستانی فلسفہ کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ذاتی تکمیل کو اجتماعی مفاد سے زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ مہابھارت میں ایک جگہ کہا گیا ہے کہ ”جس چیز میں اجتماعی مفاد نہ ہو یا جو کچھ کر کے تمہیں شرمندہ ہونا پڑے وہ ہرگز مت کرو۔“

مہابھارت کی اخلاقی تعلیمات

مہابھارت کا زیادہ تر حصہ اخلاق اور اصول اخلاق کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس میں سچائی، ضبط نفس، ترک لذات، کشادہ دلی، عدم تشدد اور حسن عمل میں استقلال کو کامیابی کے ذرائع بتایا گیا ہے، ذات پات یا خاندان کو نہیں۔ مہابھارت کے بقول۔ ''حسن عمل زندگی یا حیات جاودانی سے زیادہ بہتر ہے۔'' ''غم حقیقی مسرت کا پیش خیمہ ہوتا ہے''۔ جو لوگ دولت کے جویا ہیں ان کے متعلق کہا گیا ہے: ''ریشم کا کیڑا اپنی دولت کے ہاتھوں مرتا ہے۔''

(۵) شریمد بھگوت گیتا

بھگوت گیتا کے معنی ہیں نغمۂ خداوندی۔ یہ حقیقت میں مہابھارت کا ایک حصہ ہے۔ یہ ۷۰۰ شعروں کی ایک چھوٹی سی نظم ہے۔ یہ نظم اس مکالمہ سے شروع ہوتی ہے جو مہابھارت کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے میدان جنگ میں ارجن اور کرشن کے درمیان ہوا۔ ارجن کو اس خیال سے تکلیف ہے کہ اس کے ضمیر میں لڑائی کے خیال اور اس کے نتیجوں کے تصور سے ایک ہیجان و اضطراب پیدا ہوتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ عوام کا کشت وخون، دوستوں اور عزیزوں کی خوں فشانی یہ سب کس لیے؟ جواب میں کرشن کشتریہ خاندان کے فرائض کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے جنگ کی ضرورت واہمیت سمجھاتے ہیں۔

گیتا کا موضوع

بنیادی طور پر گیتا کا موضوع انسانی زندگی کا روحانی پس منظر ہے اور روزانہ کی زندگی کے عملی مسائل کا تذکرہ اس سلسلے میں ضمنی طور پر آجاتا ہے۔

گیتا کی تعلیمات

نجات کے متعلق گیتا میں تین طریقے بتائے گئے ہیں:

[1] طریقۂ علم

یعنی آدمی کاروبارِ دنیا اور مشاغلِ حیات سے کنارہ کش ہو کر علم کی تلاش میں منہمک ہو جائے اور اس مقام پر پہنچ جائے کہ اسے روح اعلیٰ جملہ مخلوقات میں اور جملہ مخلوقات کا عکس

روحِ اعلیٰ میں نظر آنے لگے۔

[۲] طریقۂ عبادت

یعنی انسان خدائی بندگی و عبادت میں اپنی پوری زندگی لگا دے اور ریاضت و مراقبے کے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔

[۳] طریقۂ عمل

انسان زندگی کے فرائض کو بجالائے اور ازلی خواہشات کی غلامی کو ترک کر دے تاکہ اس کا نفس پاکیزہ ہو کر روحِ اعلیٰ سے جا ملے۔

طریقۂ نجات کے علاوہ گیتا میں درج ذیل تعلیمات بھی دی گئی ہیں:

[۱] روح ازلی ہے، کبھی فنا نہیں ہوتی بلکہ اس کا جسم بدلتا رہتا ہے۔

[۲] چھتری کا سب سے اہم فریضہ جنگ کرنا ہے۔

[۳] اپنی خواہشات کو فنا کرنے کے لیے اپنے نفس سے مسلسل جہاد کرو۔

[۴] انسان اپنے نفس کا دوست بھی ہے اور دشمن بھی۔

[۵] خدا کا مسکن عارفوں کا دل ہے۔

[۶] علم سے افضل کوئی شے نہیں۔

قانون کرم کے علاوہ عابدوں کے فرائض، سیاسی امور اور بادشاہوں کے احکام و قوانین پر بھی گیتا میں بحث کی گئی ہے نیز زندگی کے فرائض اور ذمے داریوں کو پورا کرنے کے لیے گیتا عمل کی ایک پکار ہے لیکن زندگی اس پکار کے پیچھے ہر جگہ ایک روحانی جذبہ اور کائنات کا وسیع اور بلند مقصد جلوہ گر ہے۔

کیا گیتا ایک تصوراتی کتاب ہے؟

بعض ہندو مفکرین اور دانشوروں کا خیال ہے کہ گیتا ایک تصوراتی کتاب ہے۔ گاندھی جی کہتے ہیں: ”میں کرشن کے تاریخی وجود کو نہیں مانتا“۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن کہتے ہیں: ”گیتا متناقض افکار و خیالات کا مجموعہ اور رشد و ہدایت سے خالی کتاب ہے۔“

وی آر نارلا نے اپنی کتاب ”بھگوت گیتا حقیقت کے آئینے میں“ میں گیتا کا مختلف

پہلوؤں سے بھر پور جائزہ لیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ گیتا تحقیق اور تجزیہ کی کسوٹی پر پوری طرح مشکوک نظر آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کیا واقعی کروکشیتر کے مقام پر کوئی جنگ لڑی گئی تھی؟ اگر ہاں تو کب اور تاریخ کے کس دور میں؟ کیا واقعی کرشن نام کا کوئی فرد تھا جس نے جنگ میں عملی حصہ لینے کے بجائے ارجن کا رتھ بان بننا قبول کیا تھا؟ کیا کرشن کی مہمیزی سے ارجن اپنے قریبی عزیزوں اور دوستوں کے قتل عام پر آمادہ ہوا تھا؟ کرشن اور ارجن کے درمیان یہ گفتگو جو دوران جنگ دن بھر جاری رہی کس نے ریکارڈ کی؟ سنجے جو اس گفتگو کا راوی ہے اس کے پاس ایسی کون سی چیز تھی جس نے دور جدید کے الکٹرانک ذرائع مواصلات ٹیلی ویژن اور سیٹلائٹس کو بھی مات کر دیا اور وہ پوری جنگ کی کمنٹری اندھے دھرت راشٹر کو سنا تا رہا تھا۔ رشی دیاس نے تو سنجے کو بینائے مطلق کی طاقت عطا کر دی مگر تعجب ہے دھرت راشٹر نے اپنی آنکھوں کے بارے میں ان سے کوئی استدعا نہ کی اور صرف کمنٹری سننے پر اکتفا کیا۔''

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کروکشیتر کے میدان جنگ میں کرشن کا یہ اپدیش سوتی نے کم از کم سو سال بعد نمسیا کے جنگل میں گا کر سنایا۔ یہ اپدیش زبانی سنایا گیا تھا اور اس کو تحریری شکل میں آنے میں مزید کئی سو سال اور بقول روایت پرست حضرات ایک لاکھ سال گزر گئے ہوں گے۔ کیا اتنی مدت گیتا محفوظ رہی؟ اس کا کیا ثبوت ہے؟ گیتا کا کوئی قدیم نسخہ دستیاب نہیں ہے۔ آٹھویں صدی کے شنکر آچاریہ سے قبل گیتا کو کسی نے قابل اعتنا ہی نہیں سمجھا تھا اور آج بھی برہمو سماج اور آریہ سماج کی نظر میں گیتا کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

کیا کروکشیتر میں واقعی کوئی جنگ ہوئی تھی؟ اگر ایسا ہے تو ویدک لٹریچروں میں کوروؤں کا نام ہر جگہ ہے مگر پانڈوؤں کا تذکرہ کیوں نہیں ہے؟ رگ وید میں ایک معمولی قبائلی لڑائی تک کا ذکر ہے جو موجودہ دریائے راوی کے کنارے ہوئی تھی، لیکن اتنی بڑی لڑائی کا اس میں بھی ذکر نہیں ہے۔

اس جنگ کے جو اعداد و شمار مہا بھارت میں مذکور ہیں وہ صاف طور پر غلط ہیں۔ مہابھارت کے مطابق ۱۱۸ کشوہنی (فوج کا ایک ڈویزن) اس جنگ میں شامل ہوئے تھے، ۱۱۱ کشوہنی کوروؤں کے اور ۷ پانڈوؤں کے ایک اکشوہنی میں ۲۱۸۷۰ ہاتھی، ۶۵۶۱۱ گھوڑسوار

۱۰۹۳۵۰ پیادے ہوتے تھے، اتنی بڑی فوج کی نقل وحرکت اس دور میں بھی ناممکن ہے۔ پھر اگر گھوڑے پر ایک سپاہی اور ہاتھی پر دو سپاہی اور ہر رتھ پر دو افراد کے حساب سے اندازہ لگائیں تو تقریباً ۴۰ لاکھ افراد نے اس جنگ میں شرکت کی تھی جب کہ مہابھارت اس جنگ میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک ارب ۶۶ کروڑ بتاتی ہے جس کا مطلب ہے کہ جنگ میں شریک ہر سپاہی چار سو مرتبہ ہلاک ہوا۔ یہ مبالغہ آرائی کی حد اور حساب سے لاعلمی کا ثبوت ہے۔

مہابھارت جس دور کی یہ جنگ بتاتی ہے وہ تاریخ کا حجری دور ہے۔ ہڑپہ تہذیب اس دور کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب تھی۔ کھدائی میں اس کے سارے اسلحہ جو برآمد ہوئے ہیں پتھر کے ہیں، پھر اس جنگ میں لوہے کے تیر، تلوار اور ہتھیار کس طرح استعمال ہوئے؟ اور رسل و رسائل کی عدم موجودگی میں اتنی بڑی فوج کس طرح اکٹھا ہوئی؟

مہابھارت کی تصنیف کو ۱۸ کی رٹ کیوں ہے، یہ سمجھنا بھی دشوار ہے۔ جنگ میں ۱۸ اکشوہنی ج تھی، یہ جنگ ۱۸ دن رہی، یدھشٹر کا انتقال اس کے بعد کو ہوا۔

اس جنگ کا تذکرہ مہابھارت کے ۱۸ ابواب میں ہے، جس کا ایک باب گیتا ۱۸ فصلوں پر مشتمل ہے۔ ابتدائی مہابھارت سنسکرت میں لکھی ہی نہیں گئی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت پانی کی گرامر ہے جس میں اتنی عظیم رزمیہ نظم کا تذکرہ تک نہیں ہے۔

مہابھارت اور بھگوت گیتا کے کرشن کون ہیں؟ اس کا فیصلہ دشوار ہے، کیوں کہ ویدک لٹریچر میں دسیوں کرشن ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک کرشن وہ جس کو رگ وید میں راکشش کہا گیا ہے۔ دوسرا اپنشد کا ہے جس کا ذکر مانڈوکیہ میں ہے، تیسرا مہابھارت کا کرشن ہے، ایک وشنو پران کا کرشن ہے جو گوالوں کی بیویوں اور لڑکیوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے، اسی پران میں ایک دوسرا کرشن ہے جو تربوا ندی کے کنارے آباد بودھوں اور جینیوں کو راکشش بنا دیتا ہے، ایک کرشن وہ ہے جس کی تصویر ہم کو برہمادت پران میں ملتی ہے، کرشن شنتو پال اور اپنے ماموں کنس کو دھوکے سے قتل کر دیتے ہیں، بھیم، درونا چاریہ اور دریودھن کو حیلے سے قتل کرنے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ ایک کرشن بھگت مفسر سکتھانگر یہ کہہ کر بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ممکن ہے ۱۸ دن کی طویل جنگ میں کوئی فرو گزاشت ہوگئی ہو۔

• منور باہری نے اپنی کتاب ''قدیم ہندوستان میں سیاست اور اقتدار'' میں لکھا ہے کہ

کرشن کی وجہ سے کروکشتیر کی جنگ میں کئی بے گناہ اموات ہوئیں۔ جب دریودھن اور بھیم میں جنگ جاری تھی تو کرشن نے چپکے سے بھیم سے کہا کہ اس کے زانو توڑ دے۔ کیوں کہ یہی اس کا کمزور مقام ہے۔ یہ حقیقت تھی جو صرف کرشن کو معلوم تھی اور پیٹ کے نیچے کے حصے پر وار کرنا اصول جنگ کے خلاف تھا۔ اس لیے کرشن کا سوتیلا بھائی بلرام جب غصے میں بھیم کی طرف بڑھا تو کرشن نے اسے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ وجہ؟ صرف یہ کہ اصل ذمہ دار کرشن تھا۔ جہاں تک کرشن کو بھگوان یا اس کا اوتار ماننے کا تعلق ہے تو پٹھاپورم کی شاستری پینڈیالا نے ان معجزات وکرامات پر وضاحت سے روشنی ڈالی ہے جو کرشن کی جانب منسوب ہیں اور لکھا ہے کہ ''پوتنا'' (iwruk) کوئی بھوتنی نہیں تھی جسے کرشن نے ختم کر دیا بلکہ بچوں کی ایک بیماری کا نام ہے اور قدیم آیورویدک کتب میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

کرشن کی ازدواجی زندگی بھی عجیب ہے۔ اُن کی بیویوں کی تعداد ۱۶۰۲۲ اور بیٹوں کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار بتائی گئی ہے۔ بہن کوئی نہیں ہے۔ کرشن نے دواریکا کا شہر آباد کیا تو ہری ونش پران کے مطابق ہزاروں کی تعداد میں طوائفیں وہاں آباد کیں۔ ہزاروں شراب خانے بنائے۔ کرشن کے بیٹے سانبا نے تو غضب ہی کر دیا وہ کرشن کی سولہ ہزار بیویوں کو لے بھاگا، جس پر کرشن نے اسے کوڑھی ہوجانے کی بددعا دی۔

گیتا میں اپنشدوں سے نہ صرف سرقہ کیا گیا ہے بلکہ بعض جگہ پوری پوری عبارتیں اٹھا کے اس میں سجا دی گئی ہیں۔ اس میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ اس قدر پیچیدہ در پیچیدہ ہے کہ اس سے ہر آدمی ہر مفہوم نکال سکتا ہے اسی لیے گیتا گاندھی کی پسندیدہ کتاب ہے اور گوڈسے کی بھی۔

مذکورہ بالا بحث سے ان لوگوں کے رائے کی تائید ہوتی ہے جن کا یہ خیال ہے کہ گیتا دراصل ایک فرضی وتخیلاتی کتاب ہے، جس کا مقصد برہمنی مت کے خلاف اٹھنے والی دو عظیم تحریکوں بدھ مت اور جین مت کے عوامی اثرات کو کم کرنا اور برہمنوں کی قیادت کو دوبارہ قائم کرنا اور خود کو فراخ دل ظاہر کرنا تھا۔ (دیکھئے: ماہنامہ 'السلام' جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء)

(۶) رامائن (Ramayana)

رامائن ایودھیا کے شہزادہ رام اور سری لنکا کے بادشاہ راون کے درمیان سیتا جی کو چھڑانے کے لیے لڑی گئی جنگ کی کہانی کا نام ہے۔جس میں رام کامیاب اور راون ہلاک ہو گیا تھا۔یہ کہانی درحقیقت ازل سے موجود خیر و شر کی کشمکش کی جانب اشارہ کرتی ہے۔اس کہانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیکی اور برائی ہمیشہ ایک دوسرے کے مدمقابل رہی ہیں اور نتیجہ کے طور پر نیکی غالب آئی ہے۔

مؤلف کتاب

مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس کے مؤلف بالمیکی (Balmiki) ہیں جو رام کے ہم عصر تھے۔البتہ زمانہ تصنیف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض مؤرخین کے نزدیک ویدوں کی تدوین کے فوراً بعد اس کی تدوین عمل میں آئی جب کہ بعض دیگر محققین اسے ۵۰۰-۲۰۰ ق م کے درمیان کی تصنیف مانتے ہیں۔

بالمیکی کی اصل رامائن کو وہ قبول عام حاصل نہ ہوسکا جو اس کے اس ہندی ترجمہ کو حاصل ہوا جسے اکبر کے عہد میں تلسی داس (۱۵۳۲-۱۶۲۳) نے کیا تھا۔البتہ انھوں نے ترجمہ میں غلطی کی اور بہت سی باتیں اپنی حسب منشا اس میں بڑھا دیں اور خاص طور سے رام جو بالمیکی کی رامائن میں ایک عظیم دور اندیش اور قابل قدر حاکم کے روپ میں نظر آتے تھے انھیں انھوں نے الوہیت کے مقام پر پہنچا دیا اور رام سے منسوب بعض ایسے قصے درج کر دیے،جس میں شودروں کا مذاق اڑایا گیا۔

رام کی مختصر کہانی

ایودھیا کے راجہ دسرتھ کی تین بیویاں کوشلیا،کیکئی اور سمترا تھیں۔کوشلیا سے رام،کیکئی سے بھرت اور سمترا سے جڑواں لکشمن اور شترگھن پیدا ہوئے۔راجہ دسرتھ کی دوسری بیوی کیکئی نے ایک جنگ میں ان کی معاونت کی تھی جس پر راجہ دسرتھ نے خوش ہو کر ان کے ایک عہد کی تکمیل کا اعلان کیا تھا۔

دسرتھ کے چاروں بیٹوں میں رام سب سے بڑے اور ذہین نیز امور سلطنت سے

واقف تھے۔اس لیے دسرتھ نے انھیں اپنا ولی عہد بنانا چاہا،جس پر کیکئی نے اپنا وعدہ یاد دلایا اور مطالبہ کیا کہ ان کے بیٹے بھرت کو تخت وتاج کا مالک بنایا جائے اور رام کو چودہ سال کے لیے بن باس دیا جائے۔دسرتھ نے وعدہ کا لحاظ رکھتے ہوئے رام کو جلاوطن کیا اور شہزادہ بھرت کو ایودھیا کا ولی عہد بنادیا البتہ اسی غم واندوہ میں وہ دنیا سے چل بسے۔بھرت جو اس واقعہ کے وقت اپنے نانیہال تھے جب انھیں اس کی اطلاع دی گئی تو وہ اپنی ماں سے کافی ناراض ہوئے اور رام کو منا کر واپس لانے کی کوشش کی،جب وہ آنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو ان کا کھڑاؤں لے کر واپس ایودھیا آئے اور تخت پر اس کھڑاؤں کو رکھ کر نیابۂ سلطنت کی ذمے داریاں ادا کرنے لگے۔

جلاوطنی کی زندگی کے ایام میں لنکا کے راجہ راون کی بہن شروپ نکھا نے لکشمن سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور اصرار کرنے پر لکشمن نے اس کے ناک،کان کاٹ لیے،جس پر راون نے سیتا کو حیلے سے اغوا کرلیا اور انھیں اپنے محل میں رکھ لیا۔رام اور لکشمن نے سیتا کی تلاش شروع کی۔راستے میں ان کی ملاقات ہنومان سے ہوئی جس کی مدد سے اس مقام کا پتہ چلا جہاں سیتا کو رکھا گیا تھا۔رام بندروں کا ایک زبردست لشکر لے کر لنکا پر حملہ آور ہوئے البتہ لنکا سے پہلے جب آپ بحر ہند کے پاس پہنچے تو سمندر کو عبور کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا چنانچہ تین دن تک لشکر وہیں رکا رہا۔رام نے غصہ میں دریا میں ایک تیر مارا جس سے سمندر میں آگ لگ گئی۔سمندر نے اپنے خشک ہونے کے خوف سے رام سے عاجزی کی۔رام نے مسکراتے ہوئے پار ہونے کے لیے راستہ مانگا۔سمندر نے کہا:اے ملک اعظم آپ کے لشکر میں دو بڑے بندر''نیل''اور''نال''ہیں جو پہاڑوں کے منتقل کرنے پر بھی قادر ہیں۔چنانچہ دونوں پہاڑ اکھاڑ لائے جسے بحر ہند میں ڈال دیا گیا اور پورا لشکر صحیح سلامت دریا پار کر گیا اور انھوں نے لنکا فتح کرلیا۔بن باس کی مدت پوری ہونے کے بعد رام ایودھیا واپس آئے۔سیتا جی کی اگنی پریکشا کرکے انھیں محل میں واپس لایا گیا۔ رام نے عدل وانصاف کے ساتھ ایودھیا پر کامیاب حکومت کی۔

یہ ہے رامائن کا مختصر خاکہ جو والمیکی نے بیان کیا تھا۔اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کے سبب رام کی عبادت کی جائے اور بقول ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کے وہ یقیناً ایک خدمت گزار بیٹے تھے،لیکن والمیکی کو رام میں کچھ غیر معمولی بات نظر آئی کہ اس نے رامائن نظم کی۔ والمیکی نے نارد سے یہ سوال کیا:اونارد!مجھے یہ بتا کہ آج زمین پر سب سے کامل انسان کون ہے؟

پھر اس کے بعد کامل انسان کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔ کامل انسان وہ ہے جو طاقت ور ہو، مذہب کا عرفان رکھتا ہو، جو شکر گزار اور سچا ہو، وہ جو مصیبت میں بھی مذہبی قدروں کو نبھانے کے لیے ذاتی مفاد قربان کر دیتا ہو، نیک اطوار، سب کے مفاد کا محافظ، سورما اور دیکھنے میں حسین، خود اختیار، غصہ پر قابو رکھنے والا، شہرت یافتہ، حسد سے بری اور جنگ کے وقت خداؤں کے دلوں میں بھی ہیبت طاری کرنے والا ہو۔'' (بال کانڈ سرگہ، اشلوک ۱ تا ۵) نارد نے اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے وقت لیا اور خوب غور و فکر کے بعد کہا کہ صرف ایک شخص ان ساری خوبیوں کا مالک نظر آتا ہے وہ ہے دسرتھ کا بیٹا رام۔ انہی خوبیوں کے باعث رام کی حمایت کی گئی، لیکن کیا رام خدا بنا دیے جانے کے اہل شخصیت ہیں؟ رام کو خدا کی طرح عبادت کے لائق سمجھنے والے ان حقیقتوں پر غور کریں۔ رام کی پیدائش معجزاتی بتائی جاتی ہے اور اس مفروضہ خیال سے کہ ان کی پیدائش رشی شرنگ کے تیار کیے گئے کے باعث ہوئی۔ یہ خرافاتی شوشہ اس کھلی حقیقت کو چھپانے کے لیے استعمال ہوا ہے کہ وہ کوشلیا سے رشی شرنگ کے تعلق سے پیدا ہوئے حالانکہ ان میں شوہر و بیوی کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ بہر حال ان کی پیدائش قابل تنفر نہ بھی ہو تو یقیناً غیر فطری اور غیر اخلاقی ضرور ہے۔

اس کے علاوہ رام کی پیدائش کے متعلق دیگر واقعات بھی ہیں جن کی بدذوقی کو بڑی مشکل ہی سے ٹھکرایا جا سکتا ہے۔ والمیکی رامائن اس بات پر زور دیتے ہوئے شروع کرتے ہیں کہ رام وشنو کے اوتار ہیں اور یہ وشنو ہی تھے جنھوں نے دسرتھ کے بیٹے رام کے روپ میں جنم لینے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ جب برہما کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے یہ محسوس کیا کہ وشنو کے اوتار رام کو پوری کامیابی دلانے کے لیے طاقت ور ساتھیوں کی مدد اور تعاون کا بندوبست کرنا چاہیے۔ اس وقت ایسا کوئی موجود نہیں تھا۔ خداؤں نے برہما کے احکام یوں پورے کیے کہ خود کو پورے کا پورا مباشرت میں لگا دیا صرف اپسراؤں کے ساتھ ہی نہیں جو بیسوائیں ہیں۔ صرف یکشاؤں اور ناگاؤں کی غیر شادی شدہ لڑکیوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ رکشا، ودیادھر گندھراؤں، کنروں اور وانروں کی جائز طور پر شادی شدہ بیویوں کے ساتھ بھی یوں وانروں کو جنم دیا جو رام کے معاون بنے۔

اس طرح رام کی پیدائش ایک عام حرام کاری کے ساتھ ہوئی۔ اگرچہ کہ ان کے ہی معاملہ میں نہ بھی ہوئی ہو یہ سب ان معاونوں کے معاملوں میں یقینی طور پر ہوئی۔ سیتا کے ساتھ ان کی شادی بھی ناقابل تنقید نہیں ہے۔ بدھ رامائن کے مطابق سیتا رام کی بہن تھیں۔ دونوں دسرتھ

کی اولاد تھے۔ والمیکی کی رامائن بدھ رامائن میں بتائے گئے اس رشتے سے میل نہیں کھاتی۔ والمیکی کے مطابق سیتا ودیہا کے راجہ جنک کی بیٹی تھی اور اسی لیے رام کی بہن نہیں، لیکن یہ قابل قبول نہیں ہے اس لیے کہ خود والمیکی کے مطابق سیتا جنک کی فطری طور پر پیدا شدہ بیٹی نہیں بلکہ ایک ایسی لڑکی تھی جو راجہ جنک کو ہل چلاتے وقت کھیت میں ملی تھی، جنک نے اس کی پرورش کی۔ اس لیے صرف ظاہری معنوں میں سیتا کو جنک کی بیٹی کہا جا سکتا ہے۔ بدھ رامائن کی کہانی فطری ہے اور آریائی شادیوں کے رواج کے خلاف نہیں۔ (آریاؤں میں بھائی بہن کی شادی جائز تھی) اگر یہ کہانی سچی ہے تو رام کے ساتھ سیتا کی شادی کوئی مثالی شادی نہیں کہ جس پر فخر کیا جائے یا اس کی نقل کی جائے۔ رام کی ایک اور بڑی خوبی یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ ایک ہی بیوی کے شوہر تھے۔ یہ سمجھنا بہت مشکل ہے۔ یہ دعویٰ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے جب کہ حقیقت میں یہ ایک بے بنیاد بات ہے۔ خود والمیکی رام کی بہت ساری بیویوں کا ذکر کرتے ہیں۔ (ایودھیا کانڈ سرگہ ۸ شلوک ۱۲) اور یہ بیویاں ان کی بہت ساری داشتاؤں کے علاوہ تھیں۔ اس معاملہ میں رام اپنے باپ کے نامی گرامی فرزند تھے جن کی نہ صرف مذکورہ تین بیویاں تھیں بلکہ اور بھی کئی تھیں۔

آیئے ایک فرد اور راجہ کی حیثیت سے ان کے کردار کا تجزیہ کریں۔ ایک فرد کی حیثیت سے بحث کرتے ہوئے صرف دو واقعات کا ذکر کافی ہے۔ ایک بالی کے ساتھ ان کا رویہ اور دوسرا خود اپنی بیوی سیتا کے ساتھ ان کا برتاؤ۔ پہلے ہم بالی کے واقعہ کو لیں گے۔

بالی اور سگریو دو بھائی تھے۔ ان کا وانر کی نسل سے تعلق تھا۔ وہ ایک شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا صدر مقام کشکندھ تھا۔ جس وقت راون نے سیتا کا اغوا کیا تھا۔ اس وقت کشکندھ پر بالی کی حکومت تھی۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد بالی مایاوی نامی ایک راکشش سے جنگ پر نکلے۔ جب ان دونوں میں لڑائی ہو رہی تھی تو مایاوی اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ نکلا۔ بالی اور سگریو نے اس کا پیچھا کیا۔ مایاوی زمین کے اندر ایک گہرے سوراخ میں چھپ گیا۔ بالی نے سگریو کو سوراخ کے دہانے پر انتظار کرنے کے لیے کہا اور خود اندر گھس گئے۔ تھوڑے وقت کے بعد خون کا ایک سیلاب سوراخ کے اندر سے نکلا۔ سگریو یہ سمجھے کہ مایاوی کے ہاتھوں بالی کا قتل ہو گیا۔ وہ کشکندھ لوٹ گئے اور بالی کے بجائے خود اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور ہنومان کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ حقیقتاً بالی کا قتل نہیں ہوا تھا بلکہ بالی کے ہاتھوں مایاوی کی موت ہوئی تھی۔ بالی نے

سوراخ کے باہر آ کر سگریو کو نہ پایا تو وہ کشکندہ کی طرف روانہ ہوئے اور یہ دیکھ کر متعجب ہوئے کہ سگریو نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا ہے۔قدرتی طور پر اپنے بھائی سگریو کی اس غداری پر انہیں بہت غصہ آیا۔سچ پوچھیں تو یہ اس کے لیے اچھا جواز بھی تھا۔سگریو کو تحقیق کرنا چاہیے تھا نہ کہ پہلے فیصلہ کر لینا کہ بالی کی موت واقع ہو گئی ہے۔دوسرا یہ کہ بالی کا ایک بیٹا انگد نامی تھا جو بالی کا جائز وارث تھا اس لیے اس کو ہی بادشاہ بنانا چاہیے تھا۔سگریو نے ان دونوں میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا۔اس کا یہ عمل صاف غاصبانہ تھا۔بالی نے سگریو کو نکال باہر کیا اور تخت واپس لے لیا۔دونوں بھائی ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔

راون کے سیتا کے اغوا کرنے کے فوراً بعد یہ واقعہ ہوا تھا۔رام اور لکشمن سیتا کی تلاش میں تھے۔سگریو اور ہنومان ایسے دوستوں کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے جو بالی سے تخت لینے میں مددگار ہوں۔یہ دونوں جماعتیں بالکل اتفاقی طور پر ایک دوسرے سے ملیں۔آپس کی مشکلوں کے اظہار کے بعد دونوں میں یہ معاہدہ ہوا کہ رام بالی کے بارے میں سگریو کی مدد کریں اور اس کو کشکندہ کے تخت پر بٹھائیں۔دوسری طرف یہ طے پایا کہ سیتا کے حاصل کرنے میں سگریو اور ہنومان رام کی مدد کریں۔طے پایا کہ جب سگریو اور بالی انفرادی جنگ میں الجھے رہیں تو رام درخت کے پیچھے چھپے رہیں اور بالی پر تیر چلا کر اسے مار ڈالیں۔منصوبہ کے تحت ایک انفرادی لڑائی کا بندوبست ہوا اور سگریو گلے میں ہار ڈالے لڑ رہے تھے۔رام نے درخت کے پیچھے چھپ کر بالی پر تیر چلایا اور سگریو کو کشکندہ کا تخت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔بالی کا یہ قتل رام کے کردار پر سب سے بڑا دھبہ ہے۔یہ ایک ایسا جرم ہے جس کے لیے بالکل ہی کوئی جواز نہ تھا۔اس لیے کہ بالی کا رام کے ساتھ کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔یہ ایک انتہائی بزدلانہ کام تھا۔اس لیے کہ بالی کے پاس کوئی بھی ہتھیار نہیں تھا۔یہ ایک منصوبہ بند اور سوچا سمجھا ہوا قتل تھا۔

خود اپنی بیوی سیتا کے ساتھ کیے گئے رویہ پر غور کیجیے۔سگریو اور بالی کی طرف سے مہیا کی گئی فوج کے ساتھ رام لنکا پر حملہ کرتے ہیں۔یہاں بھی ویسا ہی اوچھا کھیل کھیلتے ہیں جیسا کہ بالی اور سگریو کے درمیان کھیلا گیا تھا۔راون کے بھائی وبھیشن کی مدد لیتے ہیں اس وعدہ پر کہ راون اور اس کے بیٹے کو مار کر خالی تخت پر اس کو بٹھائیں گے۔رام راون اور ان کے بیٹے اندر جیت کو قتل کرتے ہیں۔پورے لنکا میں آگ لگا کر بھسم کر دیتے ہیں۔لڑائی کے اختتام پر پہلا کام یہ

کرتے ہیں کہ راون کی لاش کی باعزت تدفین ہوتی ہے۔اس کے بعد وبھیشن کی تاج پوشی میں دل چسپی لیتے ہیں اور تاج پوشی کے بعد ہنومان کو سیتا کے پاس بھیجتے ہیں اور وہ بھی یہ اطلاع دینے کے لیے کہ وہ خود اور لکشمن اور سگریو بخیر وخوبی ہیں اور یہ کہ راون قتل کر دیے گئے ہیں۔

راون کے خاتمہ کے بعد ان کو سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہیے تھا کہ وہ سیدھے سیتا کے پاس جاتے جب کہ وہ ایسا نہیں کرتے۔سیتا سے زیادہ اہم ان کے لیے تاج پوشی میں دل چسپی ہے۔تاج پوشی کے بعد بھی وہ خود نہیں جاتے بلکہ ہنومان کو بھیجتے ہیں۔ان کا بھیجا ہوا پیغام کیا ہے؟ وہ ہنومان سے یہ نہیں کہتے کہ سیتا کو لے آئیں۔وہ صرف اتنا کہلواتے ہیں کہ وہ بخیر وخوبی ہیں۔یہ سیتا ہیں جو ہنومان پر رام کے دیدار کی خواہش کا اظہار کرتی ہیں۔رام اپنی ہی بیوی سیتا کے پاس دس مہینوں سے زیادہ کے عرصے تک نہیں جاتے۔سیتا جن کا اغوا کیا گیا تھا اور جن کو راون نے قید میں ڈال رکھا تھا سیتا ان کے پاس لائی جاتی ہیں اور ان کو دیکھنے کے بعد رام ان سے کیا کہتے ہیں؟ یہ ماننا بہت مشکل ہے کہ ایک عام انسانی ہمدردی رکھنے والا انسان بھی اتنی مشکلوں میں گھری اپنی ہی بیوی کو اس طرح مخاطب کرے گا جس طرح کہ رام نے سیتا سے کیا۔ ان کی سیتا سے ملاقات ہوئی جو کہ والمیکی جیسی مستند شخصیت کی زبانی بیان ہوئی ہے۔

رام سیتا سے یوں مخاطب ہوتے ہیں: ”میں نے تمہارے قید کرنے والے کو شکست دینے کے بعد تمہیں مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا ہے۔میں نے اپنی عزت کے بدلے دشمن کو سزا دی۔لوگوں نے میری فوجی عظمت دیکھ لی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ میری محنتوں کا پھل مجھے مل گیا ہے۔میں یہاں راون کو مارنے اور اپنی بے عزتی کا داغ دھونے آیا تھا۔میں نے یہ مصیبت تمہارے لیے نہیں اٹھائی ہے۔“ رام کے سیتا کے ساتھ کیے گئے اس برتاؤ سے بڑھ کر کیا کوئی اور ظالمانہ حرکت ہو سکتی ہے۔وہ اسی پر نہیں رکتے،آگے مزید کہتے ہیں: ”تمہارے طور طریقہ پر میں شک کرتا ہوں۔تم راون کے ہاتھوں خراب ہو چکی ہوگی۔تم پر نظر ڈالتے ہوئے بھی مجھے کلفت ہوتی ہے۔اے جنک کی بیٹی تم جہاں بھی جانا چاہتی ہو جا سکتی ہو۔مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔میں نے تم پر فتح پالی ہے اس سے میں مطمئن ہوں۔یہی میرا مقصد تھا۔میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ راون تم جیسی خوب صورت عورت سے لطف اندوز ہوئے بغیر رہ سکا ہوگا۔“

ظاہر ہے سیتا رام کو کم ظرف اور کمینہ کہتی ہیں اور صاف طور پر کہہ دیتی ہیں کہ اگر ہنومان

نے آتے ہی کہہ دیا ہوتا کہ تم نے مجھے اس بنا پر دھتکار دیا ہے کہ میرا اغوا کیا گیا تھا تو میں خودکشی کرلیتی اور تمہیں ان سب مصیبتوں سے نجات دلاتی۔ رام کے لیے کوئی اور ثبوت نہ دینے کے خیال سے سیتا اپنے باعصمت ہونے کی شہادت کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ وہ آگ میں سے گزرتی ہیں اور صاف نکل آتی ہیں۔ تمام دیوتا اس ثبوت سے مطمئن ہو کر سیتا کی پاک دامنی کا اعلان کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہی رام سیتا کو لے کر ایودھیا واپس ہونے پر رضا مند ہوتے ہیں۔

ایودھیا واپس آنے کے بعد بھی وہ ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ وہاں وہ بادشاہ بنتے ہیں اور سیتا ملکہ۔ لیکن رام تو بادشاہ ہی رہتے ہیں، سیتا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ملکہ نہیں رہتیں۔ اس برتاؤ سے رام کی رسوائی اور اوچھاپن ظاہر ہوتا ہے۔ رامائن میں والمیکی نے بیان کیا ہے کہ رام اور سیتا کی بادشاہ اور ملکہ کی حیثیت سے تاج پوشی کے چند دن بعد سیتا حاملہ ہوتی ہیں۔ ان کو حاملہ دیکھ کر چند بدخصلت اہلیان شہر نے سیتا پر بہتان تراشی کی کہ شاید انھیں راون سے ہی حمل ہوا جب کہ وہ لنکا میں تھیں اور رام نے اس قسم کی عورت کو اپنے ساتھ رکھا ہے۔ اس شر پسند بکواس کا ذکر بھدرا نامی ایک درباری مسخرے نے رام سے کیا۔ ظاہر ہے کہ رام پر اس بہتان کا بہت برا اثر پڑا اور بدنامی کے احساس کا بہت دکھ ہوا جو کہ فطری امر ہے، لیکن غیر فطری بات اس طریقہ کار میں ہے جو انھوں نے اس بدنامی سے بچنے کے لیے اختیار کیا۔ اس بدنامی سے بچنے کے لیے انھوں نے نہایت آسان اور سرعت آفریں راستہ اختیار کیا یعنی سیتا کو جو کہ حمل کے بڑھتے ہوئے ایام میں تھیں جنگل میں اکیلا چھوڑ دیا۔ بے یار و مددگار، بے آب و دانہ، اطلاع کے بغیر اور ایک انتہائی عیارانہ طریقہ پر۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیتا کو اس طرح نکال باہر کرنے کا خیال اچانک اور فوری ردعمل کے طور پر تو نہیں آیا ہوگا۔ اس خیال کی پیدائش، اس پر غور و فکر اور منصوبہ بندی پر زیادہ تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہے۔

سیتا کے بارے میں شہر میں پھیلی ہوئی افواہوں کا ذکر جب بھدرا رام سے کرتا ہے تو رام اپنے بھائیوں کو بلاتے ہیں اور اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سیتا کی عصمت اور پاک دامنی لنکا میں ثابت ہو چکی ہے۔ دیوتاؤں نے اس پر مہر ثبت کر دی ہے اور ان کو سیتا کی معصومیت، عصمت اور پاک دامنی پر پورا پورا اعتماد ہے، تاہم عوام سیتا پر بہتان لگاتے ہیں اور مجھ کو بھی مورد الزام گردانتے ہیں اور شرمندہ کرتے ہیں۔ کوئی بھی اس قسم کی بدنامی کو

برداشت نہیں کرسکتا۔ عزت بہت بڑی دولت ہے۔ دیوتا اور بڑے بڑے انسان اس کی تحفظ کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اس بدنامی اور بے عزتی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اس بے عزتی اور بدنامی سے بچنے کے لیے میں تم لوگوں کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ یہ مت سوچو کہ میں سیتا کو چھوڑ دینے میں کوئی لیت ولعل کروں گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیتا کو چھوڑ دینے کا فیصلہ اس لیے کیا گیا تھا کہ عوام کے لگائے گئے بہتان سے بچنے کا یہی آسان طریقہ ہے۔ یہ نہ سوچا گیا کہ آیا یہ طریقہ اچھا ہے یا برا۔ سیتا کی زندگی کسی شمار میں نہ تھی۔ شمار میں تو صرف ان کی نیک نامی اور شہرت تھی۔ ہاں انھوں نے اس بکواس کو بند کرانے کے مردانہ طور پر غور نہیں کیا جو ایک حکمراں کی حیثیت سے وہ کرسکتے تھے اور ایسے شوہر پر کرنا لازمی تھا جو اپنی بیوی کے باعصمت ہونے کا یقین رکھتا ہے۔ انھوں نے عوام کی بکواس کے آگے سر جھکا دیا اور بہت سے ہندو ایسے ملیں گے جو اس واقعہ کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ رام جمہوریت پسند بادشاہ تھے اور بالکل اسی طرح اور بھی بہت کہیں گے کہ رام ایک کمزور اور بزدل بادشاہ تھے۔ کچھ بھی ہو اپنی عزت اور شہرت کو قائم رکھنے کا یہ شیطانی منصوبہ رام اپنے بھائیوں پر ظاہر کرتے ہیں لیکن سیتا پر نہیں جو کہ وہ واحد ہستی تھیں جن پر یہ منصوبہ اثر انداز ہونے والا تھا اور جنھیں اس کے جاننے کا حق تھا، لیکن ان کو بالکل تاریکی میں رکھا گیا۔ رام نے اس منصوبہ کو انتہائی رازداری میں رکھا اور اس پر عمل درآمد کے لیے موقع کے منتظر رہے۔ سیتا کی مظلوم بدنصیبی بہت جلد یہ موقع فراہم کردیتی ہے۔ حاملہ عورتیں بہت ساری چیزوں پر بہت سارا اشتیاق ظاہر کرتی ہیں۔ رام کو یہ بات معلوم تھی تبھی ایک دن انھوں نے سیتا سے پوچھا کہ آیا انھیں کسی چیز کا بہت اشتیاق ہے؟ انھوں نے ہاں کہی۔ رام نے پوچھا کس چیز کا؟ سیتا نے جواب دیا کہ وہ کم سے کم ایک رات کے لیے گنگا کے کنارے رشی کے آشرم میں رہنا چاہتی ہیں اور پھلوں نیز جڑی بوٹیوں پر گزارہ کرنا چاہتی ہیں۔ رام سیتا کی رائے پر اچھل پڑے اور کہا: ''خوش رہو جان من کل ہی تمہارے وہاں پہنچنے کا میں بندوبست کردوں گا۔'' سیتا اس وعدے کو چاہنے والے شوہر کا پرخلوص وعدہ سمجھتی ہیں، لیکن رام کیا کرتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ سیتا کو چھوڑ دینے کے منصوبہ پر عمل پیرائی کا بہترین موقع ہے۔ ایک خفیہ اجلاس کے لیے انھوں نے اپنے بھائیوں کو بلایا اور ان پر سیتا کو چھوڑ دینے کی آرزو کو پورا کردینے کے فیصلے کا اظہار کیا۔ وہ اپنے بھائیوں سے کہتے

ہیں کہ وہ سیتا کی سفارش نہ کریں اور تنبیہ کرتے ہیں کہ اگر وہ ان کے راستے کی رکاوٹ بنیں گے تو وہ ان کو اپنے دشمن جانیں گے۔ پھر وہ لکشمن سے کہتے ہیں کہ وہ کل سیتا کو رتھ میں بٹھا کر لے جائیں اور گنگا کے کنارے رشی کے آشرم میں چھوڑ آئیں۔ لکشمن کی سمجھ میں نہ آیا کہ سیتا کے بارے میں رام کے فیصلے کے اظہار کی جرأت کہاں سے آئے گی۔ اس مشکل کو بھانپ کر رام لکشمن سے کہتے ہیں کہ سیتا نے خود ندی کے کنارے آشرم کے قریب گزارہ کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے اور لکشمن کے دماغ کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔

یہ سازش راتوں رات طے ہوئی۔ دوسری صبح سمانتا سے رتھ میں گھوڑے جوتنے کے لیے کہا گیا جس کی سمانتا نے تعمیل کی۔ لکشمن محل میں داخل ہوئے۔ سیتا سے مل کر یاد دلایا کہ انھوں نے آشرم سے قریب چند دن گزارنے کی جو خواہش ظاہر کی تھی اور اس کو پورا کرنے کا وعدہ رام نے کیا تھا اور یہ ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے۔ وہ رتھ کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں: ”چلیے ہم چلیں“۔ اپنے دل میں ممنونیت کے جذبات لیے سیتا رتھ میں بخوشی سوار ہو جاتی ہیں اور لکشمن کے ساتھ نیز سمانتا کی کوچوانی میں سیتا منزلِ مقررہ کی طرف روانہ ہو جاتی ہیں۔ آخر کار وہ گنگا کے کنارے پہنچے اور مچھیروں کی مدد سے ندی کے پار ہوئے۔ لکشمن سیتا کے قدموں میں گر پڑے اور آنکھوں میں گرم گرم آنسو بھر کر کہا۔ پاک ملکہ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کے لیے مجھے معاف فرمایے۔ مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو یہاں تنہا چھوڑ دوں اس لیے کہ لوگ رام کو بدنام کرتے ہیں کہ انھوں نے آپ کو ساتھ رکھا ہے۔“

رام کے ہاتھوں جنگل میں مرنے کے لیے چھوڑ دی گئی سیتا والمیکی کے آشرم میں پناہ لیتی ہے جو قریب ہی تھا۔ والمیکی نے انھیں پناہ دی اور اپنے پاس رکھا۔ پھر سیتا نے دو لڑکوں کو جنم دیا جو لو اور کش کہلاتے ہیں۔ یہ والمیکی کے ساتھ رہے۔ والمیکی نے ان لڑکوں کی پرورش کی اور ان کو رامائن گانا سکھایا جو انھوں نے لکھی تھی۔ بارہ برس تک دونوں لڑکے جنگل میں والمیکی کے آشرم میں رہے جو رام کے شہر ایودھیا سے زیادہ دور نہ تھا۔ ان بارہ برسوں میں اس مثالی شوہر اور چہیتے باپ نے کبھی یہ خبر نہ لی کہ سیتا کا حشر کیا ہوا۔ آیا وہ زندہ بھی ہیں یا مر گئیں۔ بارہ برس بعد رام سیتا سے عجیب و غریب طریقہ سے ملتے ہیں۔ رام نے ایک یگیہ کرنے کا فیصلہ کیا اور تمام رشیوں کو حاضر ہونے کی دعوت دی۔ حالانکہ ان کا آشرم ایودھیا سے قریب ہی تھا اس کے باوجود والمیکی

خود اپنے طور پر سیتا کے دونوں بیٹوں کو اپنے ساتھ لے کر حاضر ہوئے اور ان کا اپنے چیلوں کے نام سے تعارف کرایا۔ یگیہ کے دوران یہ دونوں لڑکے حاضرین مجلس کے روبرو رامائن کا پاٹھ کرتے رہے۔ رام بہت خوش ہوئے۔ ان کے بارے میں تحقیق کی تو انھیں پتہ چلا کہ یہ دونوں سیتا کے بیٹے ہیں۔ تب ان کو سیتا کا خیال آیا۔ اب دیکھیے وہ کیا کرتے ہیں۔ ان معصوم لڑکوں سے جن کو اپنے والدین کے گناہوں کا علم نہ تھا وہ بدقسمتی کا شکار تھے کہتے ہیں کہ وہ والمیکی سے کہہ دیں کہ اگر سیتا پاک دامن ہیں تو اپنے آپ کو مجلس میں حاضر کریں اور اس پر قسم کھائیں اور خود اپنی نیز ان کی بدنامی کے داغ دھوئیں۔ یہ وہ کام تھا جو انھوں نے پہلے بھی لنکا میں کیا تھا۔ یہ وہ عمل ہے جو سیتا کو نکال باہر کرنے سے پہلے بھی کیا جا سکتا تھا۔ یہ وعدہ بھی نہیں کیا گیا کہ اپنے کردار کی صفائی پیش کر دینے کے بعد انھیں واپس لے لیا جائے گا۔ والمیکی سیتا کو اجلاس میں لے آتے ہیں۔ جب وہ رام کے سامنے کھڑی ہوتی ہیں تو والمیکی کہتے ہیں: ''اودسرتھ کے بیٹے! یہی ہے وہ سیتا جس کو تم نے لوگوں کی کہی سنی پر چھوڑ دیا تھا۔ اگر تم اجازت دو تو یہ اپنی پاک دامنی کی قسم کھائیں گی۔ یہ ہیں تمہارے جڑواں بیٹے جن کو میں نے اپنی کٹیا میں پالا ہے۔''

رام کہتے ہیں: ''مجھے معلوم ہے کہ سیتا پاک دامن ہے اور یہ لڑکے میرے ہیں۔ انھوں نے لنکا میں ایک بار اپنی پاک دامنی کا بھی امتحان دیا تھا اور میں نے انھیں واپس لے لیا تھا، لیکن یہاں لوگوں کو اب بھی شک ہے۔ اس لیے سیتا کو چاہیے کہ یہاں امتحان دیں تاکہ تمام رشی اور عوام دیکھ لیں۔''

نظریں نیچی کیے ہوئے اور ہاتھ جوڑ کر سیتا نے قسم کھائی ''چونکہ میں نے اپنے دل میں کبھی رام کے علاوہ کسی اور مرد کا خیال تک نہیں کیا تھا، اس لیے مادر گیتی سے چاہتی ہوں کہ وہ شق ہو جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ چونکہ میں نے ہمیشہ رام کو چاہا ہے۔ الفاظ میں، خیال میں، اور اعمال میں مادر گیتی سے چاہتی ہوں کہ شق ہو جائے اور میں دفن ہو جاؤں۔'' جیسے ہی سیتا نے یہ قسم کھائی زمین شق ہو گئی اور یہ طلائی تخت پر بیٹھی زمین کے اندر سما گئی۔ آسمانی پھول سیتا پر برسنے لگے اور ناظرین حیرت زدہ دیکھتے رہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیتا نے مرنا پسند کیا بہ نسبت رام کے پاس جانے کے جن کا رویہ ایک وحشی سے بہتر نہ تھا۔

یہ ہے سیتا کا المیہ اور خدا کہلانے والے رام کے جرائم کی داستان۔ اب ذرا بادشاہ رام پر بھی کچھ روشنی ڈال لی جائے۔

رام کو ایک مثالی بادشاہ بتایا جاتا ہے۔ کیا یہ فیصلہ حقیقت کی بنیادوں پر کیا گیا ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ بادشاہ صورت میں رام کبھی رہے ہی نہیں۔ وہ صرف برائے نام بادشاہ تھے، جیسا کہ والمیکی نے بتایا ہے۔ انتظامیہ رام کے بھائی بھرت کے ہاتھ میں تھی۔ رام نے اپنے آپ کو بادشاہت اور رعایا کی پریشانیوں سے آزاد کر لیا تھا۔ والمیکی نے رام کے بادشاہ بننے کے بعد کے روزانہ مشاغل کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ (اتر کانڈ۔ سرگہ ۴۲۔ شلوک ۲۷)

اس کے مطابق دن کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ دوپہر تک اور دوپہر بعد۔ صبح سے لے کر وہ مذہبی رسموں، منتروں اور پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے۔ دوپہر کے بعد یکے بعد دیگرے درباری مسخروں اور زنانہ میں گزرتی تھی۔ جب زنانہ صحبت سے تھک جاتے درباری مسخروں میں واپس آجاتے اور مسخروں سے تھک جاتے تو زنانہ میں واپس ہو جاتے۔ (اتر کانڈ۔ سرگہ ۴۳ شلوک۔۱) والمیکی تفصیل سے بتاتے ہیں کہ رام زنانہ میں کس طرح زندگی گزارتے تھے۔ یہ زنانہ یا حرم ایک باغ کے اندر تھا، جس کو اشوک ون کہتے ہیں۔ رام یہاں کھانا کھاتے۔ والمیکی کے مطابق ان کی غذا ہر قسم کی لذتوں سے پر ہوتی۔ جس میں گوشت، پھل اور شراب شامل تھے۔ رام شراب کے رسیا تھے۔ وہ بڑا دریا طلب ظرف رکھتے تھے۔ والمیکی لکھتے ہیں کہ رام اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ زنانہ بھی ان کے ساتھ شراب نوشی میں شامل رہیں۔ (اتر کانڈ۔ سرگہ ۴۲۔ شلوک ۸) رام کے زنانہ کے بارے میں والمیکی نے جو کچھ بتایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بے حد شاندار تھا جس میں اپسرائیں، اراگائیں اور کناریاں تھیں جو ناچ گانے میں ماہر تھیں اور دوسری خوب صورت عورتیں بھی تھیں جو مختلف مقامات سے لائی گئی تھیں۔ رام ان کے درمیان پیتے اور ناچتے ہوئے بیٹھتے تھے۔ وہ رام کا من لبھاتیں اور رام ان کے وارے نیارے ہوتے۔ والمیکی رام کو عورتوں کا رسیا شہزادہ کہتے ہیں۔ یہ کوئی ایک روز کا معاملہ نہ تھا بلکہ ان کی زندگی کا باقاعدہ معمول تھا۔

جیسا کہ پہلے ہی بتایا گیا ہے کہ رام نے کبھی حکومت کے معاملات میں شرکت نہ کی۔ ہندوستان کے قدیم راجاؤں کے رواج کے مطابق کبھی رعایا کے مسائل کی شنوائی اور علاج کی

کوشش نہ کی۔ والمیکی نے صرف ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جب انھوں نے بذات خود رعایا کی شکایت سنی لیکن بدقسمتی سے یہ کوشش منحوس ثابت ہوئی۔ انھوں نے ایک غلطی کے ازالہ کی کوشش میں انسانی تاریخ کا سب سے بڑا جرم سرزد کیا جس کو شودر "شمبوک" کے قتل کا واقعہ کہا جاتا ہے۔

والمیکی نے کہا ہے کہ رام کے زمانہ میں ان کے ملک کے اندر عمر طبعی سے قبل موت نہ ہوتی تھی، لیکن ایک موت ایسی واقع ہوگئی۔ ایک برہمن کا بیٹا سن بلوغ سے پہلے مرگیا۔ غمگین باپ بچہ کی لاش اٹھائے محل کے دروازے پر آیا۔ لاش رکھی اور زار زار رونا شروع کیا اور اپنے بیٹے کی موت پر رام کی دہائی دیتے ہوئے کہا کہ ایسا ان کی مملکت کے اندر کسی گناہ کے سرزد ہونے کے باعث ہی ہوا ہے اور بادشاہ اس کی سزا نہ دے تو وہ سمجھے گا کہ وہی اس گناہ کا مرتکب ہے اور آخر میں دھمکی دی کہ اگر اس کا بیٹا زندہ نہ کیا گیا تو رام کے سامنے دھرنا مار کر اپنی جان دے دے گا۔ تب رام نے اپنے آٹھ ذی علم رشیوں سے صلاح لی۔ نارد نے رام سے کہا کہ ان کی رعایا میں کوئی شودر تپسیہ کر رہا ہے جو دھرم کے خلاف ہے۔ دھرم کے مطابق تپسیا کا کرنا صرف دومرتبہ پیدا ہونے والے یعنی برہمنوں کا حق ہے جب کہ شودر کا فرض صرف اتنا ہی بنتا ہے کہ دومرتبہ پیدا ہونے والوں کی خدمت کیا کریں۔ رام کو یقین ہوگیا کہ شودر نے اس طریقہ سے دھرم کے اصولوں کی مخالفت کا گناہ کیا ہے اور اسی کے سبب برہمن کا لڑکا فوت ہوگیا۔ پس رام نے اپنی ہوائی گاڑی میں بیٹھ کر مجرم کی تلاش ملک بھر میں کی۔ آخر کار جنوب کی جانب کافی دور جنگل میں ان کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو بڑی ہی کٹھن قسم کی عبادت میں لگا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب گئے، نہ پوچھا نہ کہا کہ وہ سمبو کا شودر ہوتے ہوئے اپنے اس زمینی جسم کے ساتھ آسمانوں پر جانے کے، ارادے سے کیوں تپسیا کر رہا ہے۔ نہ ڈانٹ نہ ڈپٹ، نہ نصیحت بلکہ کسی اور طریقہ سے تادیب کے بغیر جھٹ سے اس کا سر اڑا دیا اور اس کے نتیجے میں اسی وقت دور دراز ایودھیا میں پڑے مردہ برہمن لڑکے کی سانس لوٹ آئی۔ ادھر جنگل میں خداؤں نے خوشی سے راجہ رام پر پھولوں کی بارش کردی۔ یہ اس خوشی میں تھا کہ تپسیا کی طاقت کے ذریعہ آسمانوں کی اس بلند رہائشوں میں داخل ہونے کی جرأت کرنے والے شودر کو رام نے روک دیا جس کا اس کو کوئی حق نہیں تھا۔ وہ رام کے سامنے بھی ظاہر ہوئے اور اس کارنامے پر مبارک باد دی۔ جب رام نے اپنے محل کے دروازے پر پڑے ہوئے برہمن لڑکے کو زندہ کرنے کی ان سے درخواست کی تو انھیں بتایا گیا کہ وہ

کبھی کا زندہ ہو گیا ہے۔ پھر وہاں سے قریب ہی پڑے اگدتیہ کے آشرم کی طرف چل پڑے۔ وہاں بھی شمبوک کے خلاف ان کے قدم کی تعریف ہوئی اور ان کو ایک خدائی مالا دی گئی اور رام صدر مقام واپس ہوئے۔ یہ ہے رام کی کہانی۔ (دیکھئے: رام کا معمہ، ماہنامہ السلام، اپریل تا جون ۱۹۹۹ م ص ۲۲)

(۷) یوگ واشسٹھ (Yoga Vashishta)

یہ کتاب ہندو دھرم کی بنیادی کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کے مؤلف بھی غیر معروف ہیں۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں اس کی تدوین اس وقت عمل میں آئی جب آریوں نے شمالی ہند میں اپنا قبضہ جما لیا تھا اور اپنی دینی، سیاسی اور اجتماعی زندگی کو منظم کرنے میں مصروف تھے۔ یہ کتاب اخلاقی اور لاہوتی دروس پر مشتمل ہے۔ اس میں ۶۴ ہزار اشعار پائے جاتے ہیں۔ وشسٹھ راہب اپنے شاگرد رام چندر اکو لاہوتی، روحانی علوم اور ریاضت اور مراقبے کے اس علم کی تعلیم دیتے تھے جو انسان کو عالم روحانی اور ملأ اعلیٰ تک پہنچاتے ہیں حتیٰ کہ انسان کی روح برہما کی روح سے جا ملتی ہے۔ یہ کتاب انہی اسباق کا مجموعہ ہے۔ اس میں یوگا کے تین مشہور طریقوں کا تذکرہ ہے۔

(۱) اتحاد کا عقیدہ

یعنی انسان اپنے نفس پر اس قدر کنٹرول کرے کہ اس کا نفس اس کے تابع ہو جائے۔ اور جس کا نفس دنیوی آلائشوں سے پاک ہو گیا گویا اس نے تمام ہی غموں سے نجات پا لی۔

(۲) نفسانی خواہشات کی مخالفت

اس کتاب کے بیان کے مطابق انسانی زندگی غلطیوں اور گناہوں سے عبارت ہے اور نفسانی خواہشات انسان کو تباہی و بربادی کی جانب لے جاتی ہیں جن میں پھنس کر انسان ابدی غم میں مبتلا ہو جاتا ہے الا آنکہ وہ یوگا کے ذریعہ اپنے نفس کا تزکیہ کر کے خوشی کی ابدی زندگی سے ہم کنار ہو جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس کی روح دنیاوی آلائشوں سے پاک ہو کر ملأ اعلیٰ میں برہما کی روح سے جا ملے۔

اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

یہ دنیا جس میں ہر انسان مرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہاں سعادت کے حصول کا کوئی

ذریعہ نہیں ہے۔ اس دنیا میں ہر شے زوال پذیر ہے۔ اس کی خوشیاں فریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں۔ کیوں کہ ہر خوشی کے بعد غموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اگر چہ ہمیں کسی نے خریدا نہیں ہے پھر بھی ہم مسلسل اس طرح کام کرتے ہیں گویا کسی کے غلام ہوں۔

بندروں کی اچھل کود کی طرح انسانی نفس میں خواہشات رواں دواں ہیں۔ انسانی نفس کبھی آسودہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنی تقدیر پر قناعت کرتا ہے بلکہ ہمیشہ مزید سے مزید کے حصول کی سعی میں لگا رہتا ہے۔

جسم ہر بھلائی سے خالی اور تمام آفتوں کا محل ہے۔ غور کیجیے بچپن کس قدر ضعیف و عاجزی سے عبارت ہے کہ انسان ان ایام میں تعبیر پر بھی قادر نہیں ہوتا اور جوانی کے ایام بجلی کی چمک کی مانند آتے اور غائب ہو جاتے ہیں اور اپنے پیچھے انتہائی تکلیف وہ بڑھاپا چھوڑ جاتے ہیں۔ زندگی اس شمع کی لو کی مانند ہے جو صحرا میں جل رہی ہو اور جس کی لو کو ہوائیں ہر سمت اڑا رہی ہوں اور یہی حال دنیا کی تمام اشیاء کا ہے جن کا ظہور بجلی کی چمک کی مانند تھوڑی دیر کے لیے ہوتا ہے اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتی ہیں۔ (دیکھئے: ادیان الھند الکبریٰ: ۱۷)

(۸) ویدانت (Vedant)

ویدانت کے معنی وید کا خلاصہ۔ ویدانت ہندوؤں کے یہاں اخلاقیات و فلسفہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ حجم کے لحاظ سے اگر چہ یہ کتاب کافی چھوٹی ہے لیکن ہندوستانی فلسفہ و رہبانیت پر اس کتاب کے اثرات دیگر مذہبی کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں ہیں۔ اس کتاب کو برہما سوتر بھی کہا جاتا ہے۔

مؤلف کتاب

بعض ہندو علماء اس کو وید ویاس کی تصنیف مانتے ہیں، لیکن متاخرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس کے مؤلف بادارایان (Badarayan) ہیں جو گوتم بدھ اور مسیح علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس کتاب میں گوتم بدھ کے ملحدانہ افکار و نظریات پر جگہ جگہ زبردست گرفت کی ہے۔

کتاب کے مشتملات

یہ کتاب چار ابواب اور سولہ فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں برہما کی عبادت اور اس کے طریقے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے باب میں وحدۃ الوجود کے نظریہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ نیز بدھ مت اور جین مت کے الحادی افکار کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں نجات کے حصول کے دو مشہور طریقوں کا تذکرہ ہے: [۱] طریقۂ بندگی [۲] طریقۂ معرفت الٰہی۔ چوتھے باب میں مجتہد کی جزاء اور نجات یافتہ روحوں کا بیان ہے۔

مضامین

اس کتاب میں ہندی فلسفہ کے بنیادی اور اہم مسائل بیان کیے گئے ہیں، جیسے معرفت خداوندی، روح اور تناسخ ارواح، موت کے بعد کے احوال، قانون جزا، علم الٰہی اور نجات وغیرہ نیز تین ابدی حقائق کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

[۱] روح کی قدامت اور ازلیت

[۲] پوری کائنات خدا ہے البتہ اس کی تجلیات کا ظہور انسانی روح میں ہوتا ہے کیوں کہ یہ روح تمام دیگر شکلوں سے بہتر اور حسین ہے۔

[۳] خالق کا پس پردہ چلا جانا اور کذب کا ظہور۔

ویدانت کے شارحین کے طریقہائے تفسیر

ویدانت کے شارحین کے دو مختلف طریقہائے تفسیر ہیں:

[۱] وحدۃ الوجود کا نظریہ جسے وہ ''ادویت واد'' کہتے ہیں۔

[۲] دو حقیقتوں کے اعتراف کا نظریہ جسے وہ ''وششٹھ ادویت واد'' کہتے ہیں۔

پہلے طریقۂ تفسیر کے مشہور علمبردار شنکر آچاریہ اور دوسرے کے رامانج ہیں۔

دونوں طریقہائے تفسیر میں اہم فرق

مذکورہ بالا دونوں طریقہائے تفسیر میں درج ذیل اور اہم بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔

[۱] شنکر آچاریہ خدا کی جملہ ذاتی اور وصفی صفات کا انکار کرتے ہیں اور خدا کو ''نرنکار'' (یعنی صفات سے خالی وعاری خدا) سے موسوم کرتے ہیں جب کہ رامانج خدا کی ذاتی صفات کے

قائل ہیں۔ان کا خیال ہے کہ ذاتی صفات کے بغیر خدا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

[۲] شنکر آچاریہ کہتے ہیں وہ تمام اشیاء جنھیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں وہ حقائق نہیں ہیں بلکہ نظر کا فریب ہیں اور یہ پوری کائنات اس خواب کے مانند ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ پوری کائنات کی مثال اس رسّی سی ہے جو رات میں سانپ دکھائی دیتی ہے چنانچہ دنیا کا یہ عمل جو کھیل کے مانند ہے جب ختم ہو جائے گا تو ذات باری کے علاوہ کوئی وجود باقی نہیں رہے گا۔

شنکر آچاریہ اس کتاب کی تفسیر میں ایک مقام پر لکھتے ہیں: "کھانے پینے، چلنے پھرنے والا یہ انسان حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی شخصیت میں خدائی حقیقت کو دیکھے۔ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ آپ انسان بھی ہیں اور خدا بھی، خالق بھی اور مخلوق بھی، اور عابد بھی اور معبود بھی۔ خدا کی ذات کا ادراک مکمل معرفت اور جملہ آلائشوں سے پاک ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ شنکر آچاریہ کے نزدیک شرک یہ ہے کہ انسان یہ گمان کرے کہ وہ اللہ کو پہچانتا ہے۔ رامانج مذکورہ بالا نظریہ کے برعکس دو حقیقتوں کے قائل ہیں۔ وہ کائنات کو خدا سے علیحدہ ایک مکمل حقیقت مانتے ہیں جو خدا ہی کا ایک جز ہے۔ان کا خیال ہے کہ نفس انسانی کو خیر و شر اختیار کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے اور اس کی نجات کا دارومدار محض اس امر پر ہے کہ برہما کا فضل اور اس کی عنایت اس کے شامل حال ہو جائے۔

مذکورہ بالا دونوں مشہور طریقوں کے علاوہ ویدانت کی تفسیر کے اور بھی نقطہ ہائے نظر ہیں البتہ انھیں قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔ جیسے نمبارک (Nimbark) کا طریقہ جو خدا کی وحدانیت کو دو میں اور دو کو ایک میں شامل مانتے ہیں۔ اور مدھو اچاریہ کا طریقۂ تفسیر جو برہما اور کائنات دونوں کی قدامت اور ازلیت کے قائل ہیں اور خالق و مخلوق کے درمیان فرق قائم کرتے ہیں۔

(۹) دھرم شاستر (DHARM SHASTRA)

دھرم شاستر کے معنی قانون کی کتابیں۔ یہ دراصل ہندو فقہ کی کتابیں ہیں۔ان کتابوں میں انفرادی اور اجتماعی زندگی، خاندانی رسوم، سماجی رسم و رواج، جرائم کی سزائیں، عدلیہ اور بادشاہ کے حقوق و احکام بیان کیے گئے ہیں۔

دھرم شاستر کی تعداد

دھرم شاستر کافی زیادہ تھیں جس میں زیادہ تر ضائع ہو گئیں، صرف ۱۶ کتابیں باقی گئیں جن میں منوسمرتی کافی مشہور ہے۔ سمرتی کے معنی شریعت اور یادگار کے آتے ہیں۔

سمرتیوں کا موضوع

فقہ کی کتابیں درج ذیل تین عناوین پر مشتمل ہوتی ہیں:

[۱] انسانی زندگی کے چاروں مراحل کے احکام۔

[۲] حدود و جنایات۔

[۳] شرعی احکام کی خلاف ورزی کرنے والے ہندو کی سزا کا بیان۔

منوسمرتی

منو طوفان نوحؑ کے بعد روئے زمین پر آنے والے پہلے انسان ہیں جن سے پھر نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔ بعض محققین کے نزدیک منو اُس راہب اکبر کا نام ہے جو قربانیوں کو قبول کرتے تھے اور جن کا زمانہ ۱۰۰۰-۶۰۰ ق م ہے۔

منوسمرتی کے اغراض و مقاصد

اس کتاب کی تالیف کے درج ذیل اہم مقاصد تھے:

[۱] بودھ مذہب کی مساوات کی تعلیم اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عورتیں اور شودر گروہ در گروہ بدھ مذہب میں داخل ہو رہے تھے، برہمنوں نے اس سے باز رکھنے کے لیے سخت اقدامات کی ضرورت محسوس کی جو منوسمرتی کی شکل میں سامنے آئی۔

[۲] اس کا ایک مقصد بودھ مذہب کا مقابلہ کرنا بھی بتایا جاتا ہے۔

[۳] شودر نسل در نسل شودر ہی بنا رہے تا کہ برہمنوں کی بالادستی ہمیشہ قائم رہے۔ واضح رہے کہ پیدائش ہی کو بنیاد بنا کر منوسمرتی ذات کا تعین کرتی ہے اور جس میں برہمن کو افضل ٹھہرایا گیا اور خصوصی اختیارات دیے گئے ہیں۔

[۴] سماج میں نظم و ضبط کو قائم رکھنا بھی اس کا ایک اہم مقصد تھا۔

اجزائے کتاب کا تعارف

منوسمرتی بارہ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں ۲۶۹۴ اشعار ہیں۔ باب اول میں تخلیقِ کائنات، کائنات میں زندگی کے وجود کی کیفیت، قیامت کا وقوع اور پھر پورے عالم کے ہمیشہ کے لیے فنا ہو جانے کا بیان ہے۔ باب دوم میں برہمچریہ آشرم کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ باب سوم میں نکاح کے احکام اور اس کی قسمیں باب چہارم میں گرہست آشرم کے احکام، ویدانت کے احکام کی اتباع اور برے اعمال سے اجتناب کا تذکرہ۔ باب پنجم میں زوجین کے احکام، وفادار عورت کے ثواب کا بیان۔ باب ششم میں ترک دنیا کے احکام، ویدانت کا مطالعہ اور اس کے معانی پر غور و فکر۔ باب ہفتم میں سلاطین کے احکام، حدود کی اقامت، قائدین کے احکام۔ باب ہشتم میں عدلیہ کا بیان، جھوٹی خبروں کی اشاعت پر سزاؤں کا بیان۔ باب نہم میں سلاطین کے احکام، مرد و عورت کے حقوق و احکام۔ باب دہم میں ہندو معاشرہ میں چاروں طبقات کے فرائض۔ باب یازدہم میں سادھوؤں کی رہبانیت باب دوازدہم میں قانون جزا کی قسمیں، آواگون کے چکر سے نجات کا طریقہ۔

منوسمرتی عقل کی میزان پر

منوسمرتی پر درج ذیل زبردست اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

[۱] ذات پات اور طبقاتی نظام کی بنیاد۔ منو نے ذات پات کے نظام کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں اور بحیثیت انسان انھوں نے انسانوں کے بیچ تفریق کی اور ایسی تفریق کی کہ دوسرے انسانوں یعنی شودروں کو انسانی حیثیت سے بہت کمتر سمجھا اور ان کے لیے سماج میں حقوق نہ ہونے کے برابر رکھے۔ پھر ان قوانین اور اصولوں کو مذہبی حیثیت دی، جس کے اثرات آج تک ہندو سماج پر پائے جاتے ہیں۔

[۲] جرائم کی سزاؤں میں معاشرتی و طبقاتی تقسیم کا لحاظ۔

منو نے اپنی کتاب میں معاشرتی تقسیم کا لحاظ جرائم کی سزاؤں میں بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر زنا کی سزا ملاحظہ ہو:

"برہمن چھتری ویش کی عورت شوہر وغیرہ سے محفوظ ہو یا نہ ہو اس سے زنا کرنے

والے شودر کا عضو تناسل قطع کرنا، تمام دولت چھین لینا اور قتل کی سزا دینی چاہیے۔(منو ۸۔۳۷۴)

''اگر ویش محفوظ برہمنی سے جماع کرے تو اسے ایک سال تک جیل خانہ میں قید کیا جائے گا۔اس کے بعد اس کا سب مال چھین لیا جائے گا، اور اسی جرم میں چھتری ہزار ڈنڈ ے اور گدھے کے پیشاب سے مونڈ موںڈوائے۔''(منو ۸۔۳۷۵)

''شوہر وغیرہ سے محفوظ برہمنی کے ساتھ جماع کرنے والے کو ہزار دینے کی سزا ہے، برہمنی کی خواہش سے جماع کرنے والے برہمن کو پانچویں ڈنڈ دینا چاہیے۔''(منو ۸۔۳۷۸)

اسی طرح منو نے صراحتہً لکھا ہے کہ سزائے قتل کا نفاذ برہمن پر نہ ہوگا۔(۸۔۳۸)

[۳] وراثت کے متعلق منو کا قانون بھی عقل، فطرت اور عدل کے خلاف ہے۔

منوسمرتی میں ہے:''ماں باپ کی تمام دولت بڑا بیٹا لے، چھوٹا اور منجھلا بھائی سب سے بڑے بھائی سے اوقات گزاری کریں جس طرح والدین سے پرورش پاتے تھے۔'' (منو۹:۱۵۲)

منو کے اس قانون سے ایک طبقہ امیر ہو جائے گا اور دوسرا غریب سے غریب تر۔

ہندو دھرم میں ذات پات کا نظام

آریہ دھرم اپنے ماننے والوں کو چار طبقات میں تقسیم کرتا ہے۔ رگ وید میں ہے:

"ایشور نے برہمنوں کو اپنے منہ سے، چھتری کو اپنے بازو سے، ویش کو اپنی ران سے اور شودر کو اپنے پاؤں سے پیدا فرمایا ہے۔" (۱۰/۹۰/۱۲)

منوسمرتی میں ہر طبقہ کے وظائف و فرائض الگ الگ تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ شودروں کو سب سے نچلے طبقہ میں رکھا گیا ہے اور انسانیت کے جملہ اوصاف و خصائل سے انھیں مجرد کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ منو کی شریعت میں ان کا مقام حیوانوں سے بھی بدتر رکھا گیا ہے۔ گائے کی تو عبادت اور پوجا کی جاتی ہے جب کہ شودروں کی استہانت کی جاتی ہے۔ چنانچہ چھاندوگیہ اپنشد میں انھیں چنڈال (یعنی نجس و حقیر شخص) سے مخاطب کیا گیا ہے (۵/۱۰/۷) اور بعض مذہبی کتابوں میں تو سرے سے اس طبقہ کا تذکرہ ہی نہیں کیا گیا ہے۔ آریوں نے ذات پات کے اس نظام کو اس لیے وضع کیا تاکہ ہندوستانی اقوام پر ان کا غلبہ و تسلط ہمیشہ برقرار رہے اور پھر اس نظام کو تنقید سے بالاتر کرنے کے لیے انھوں نے اس کی مذہبی بنیادیں فراہم کردیں تاکہ کوئی تنقید کی جرأت نہ کرسکے۔ انھوں نے اس طبقاتی نظام کی اتنے عمدہ اور خوب صورت انداز میں تشریح کی کہ مفتوح و مغلوب اقوام کے دلوں میں فاتح آریہ کے تعلق سے نفرت و عداوت کے جذبات کے بجائے احترام و تقدیس کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ خدا کی قسم یہ انسانی تاریخ کا عجیب و غریب واقعہ ہے۔

(۱) برہمن کے وظائف وفرائض

[۱] برہمنوں کی اہم ترین ذمہ داری ویدوں کی تعلیم حاصل کرنا اور دوسروں کو اسے سکھانا ہے۔(منوسمرتی باب:۱/۱۰)

[۲] برہمنوں کو جملہ طبقات پر سیادت کا حق حاصل ہے۔(۱۰/۳)

[۳] برہمن ہر حال میں احترام وتقدیس کا مستحق ہے خواہ وہ خلاف مروت امور ہی کیوں نہ انجام دے۔

[۴] جس طرح اگنی بڑے معبودوں میں سے ایک ہے اسی طرح برہمن بھی ہندوؤں کے نزدیک بڑے معبودوں میں سے ایک اہم معبود ہے۔(۹/۳۱۷)

[۵] برہمنوں کے لیے سب سے افضل عمل ویدوں کی تعلیم حاصل کرنا ہے اور چھتری کا عمل وطن کا دفاع کرنا اور ویش کا تجارت کرنا ہے۔(۱۰/۸۰)

[۶] فقیر ومحتاج ہونے کی صورت میں برہمن کے لیے بھیک مانگنا جائز ہے بلکہ دوسروں کے اموال کو لوٹ لینا بھی جائز ہے۔(۱۰/۱۰۳،۱۰۴)

[۷] اگر کسی برہمن کے چاروں طبقات سے چار بیویاں ہوں تو اس کے انتقال کے بعد اس کی میراث کے ساڑھے سات حصے کیے جائیں گے۔ برہمنیہ عورت تین حصہ، چھتری عورت دو، ویش عورت ڈیڑھ اور شودر عورت صرف ایک حصہ کی حق دار ہوگی۔(۹/۱۵۱،۱۵۲)

[۸] برہمن خواہ کتنا ہی بھیانک جرم کیوں نہ کرے حاکم اسے قتل یا اس کے اموال کی قرقی نہیں کرسکتا البتہ اگر مناسب سمجھے تو جلاوطن کردے۔

[۹] دس سال کا بھی برہمن دوسری ذات کے سوسال کے فرد کے نزدیک بھی لائق احترام و تقدیس ہوگا۔(۲/۱۳۵)

(۲) چھتری

چھتریوں کو راجپوت بھی کہا جاتا ہے۔ راجپوت مملکت راجپوتانہ کی جانب نسبت ہے، جو سندھ سے لے کر آگرہ تک اور جنوبی پنجاب سے لے کر گوالیار کے درمیان واقع ہے۔ ہندوستان کے زیادہ تر حکمراں اسی نسل سے ہوئے ہیں۔ راجستھان کے عظیم صحرا اور اس کے آس

پاس بسنے کی وجہ سے یہ کافی مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ لاہور، دہلی، قنوج اور ایودھیا ان کی مشہور مملکتیں گزری ہیں۔

آریوں نے ان کی طاقت وقوت کو دیکھتے ہوئے اور داخلی انقلاب پر قابو پانے کے لیے انھیں بادشاہ بنایا اور خود کو وزراء۔ اس لیے راجپوت جسمانی لحاظ سے طاقت ور اور ذہنی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں۔ اس طرح آریوں نے ہندوستانی علاقوں پر اپنے قبضہ کی راہوں کو ہموار کیا اور اپنی بقاوتحفظ کی ضمانت فراہم کر لی۔

چھتری کے فرائض

[۱] بادشاہ چھتری خاندان سے ہوگا۔

[۲] صرف وہی راجپوت بادشاہ، قائد، قاضی اور امیر ہو سکتے ہیں جو ویدک تعلیمات سے واقف ہوں اور جن کے دل ودماغ پر ویدک تعلیمات ہی کی حکمرانی ہو۔

[۳] بادشاہ کے لیے اس برہمن کے اموال کو لینا جائز نہ ہوگا جو بلا وارث مرجائے جب کہ وارث نہ ہونے کی صورت میں دیگر طبقات کے افراد کے اموال کو لینا جائز ہوگا۔

[۴] بادشاہ چور کے ہاتھ کٹوانے کے بعد اسے تختہ دار پر لٹکا دے۔

[۵] فیصلہ میں رشوت لینے والے کے جملہ اموال ضبط کر لیے جائیں گے۔

[۶] حکومت کو ویش کے اموال تجارت سے ۸۔۔۔۱ اور زراعت سے نصف عشر لینے کا حق حاصل ہے۔

(۳) ویش

طبقہ ویش کو تورانی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اصلاً ترکستان اور توران کے رہنے والے تھے۔ یہ ہزاروں سال پہلے ہجرت کر کے ہندوستان آئے۔ ان کے اور ہندوستان کے اصل باشندوں کے درمیان خوں ریز معرکے جاری رہے جس میں تورانیوں کو فتح اور ہندوستانیوں کو شکست نصیب ہوئی۔ آریوں نے یہاں آنے کے بعد راجپوتوں کی طرح تورانیوں سے بھی صلح کر لی۔ تورانیوں کے زراعت سے واقف ہونے کی بنا پر آریوں نے انھیں تجارت وزراعت سونپ دی۔

ویش کے فرائض

[۱] ویش زراعت وتجارت اور مویشی پالنے کا کام کریں گے۔(۳۲۸/۹)

[۲] رزق کے حصول کی ناکامی کی صورت میں ویش کے لیے برہمنوں کی خدمت کر کے زندگی گزارنا جائز ہوگا۔(۹۸/۹)

[۳] شادی کے بعد ہر ویش پر روزی کمانا فرض ہوگا۔

[۴] طبقہ ویش کے لیے جواہرات، موتیوں، مونگوں، معدنیات، کپڑے اور عطور کی قیمتوں سے واقفیت واجب ہوگی۔

[۵] تراز واور ناپ کے برتنوں، بیجوں اور زمین کی صلاح وفساد سے واقفیت بھی ویش کی ذمہ داری ہوگی۔

[۶] مختلف زبانوں سے واقفیت، تجارت کے طریقوں اور اسالیب، خرید وفروخت کے اصول وقوانین سے واقفیت بھی طبقہ ویش کے لیے ضروری ہے۔

[۷] اپنے اموال میں اضافہ کے لیے جملہ مشروع طریقوں سے کوشش کرنا اور جملہ مخلوقات کو کھلانا بھی ویش پر واجب ہوگا۔

(۴) شودر

یہ ہندوستان کے اصل اور قدیم باشندے ہیں۔آریوں سے ایک ہزار سال تک برسرِ پیکار رہے اور بالآخر آریوں کو ان پر فتح نصیب ہوئی اور یہ گرفتار ہو کر قیدی بنا لیے گئے۔ان کی ایک بڑی تعداد جنوبی ہندوستان اور پہاڑوں پر جا بسی۔آریوں نے ان کے دلوں سے شریفانہ زندگی گزارنے کا جذبہ بھی نکال دیا اور منو نے اپنی شریعت میں انتہائی حقیر وخسیس فرائض انھیں عطا فرمائے۔

شودر کے فرائض

نجس وناپاک شودروں پر واجب ہے کہ وہ گاؤں کے باہر رہائش اختیار کریں۔مٹی کے برتن استعمال کریں، گدھے اور کتے ان کے اموال ہوں، مردوں کے کفن ان کے کپڑے اور

لوہے ان کے زیورات ہوں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور رات میں گاؤں اور شہروں میں گھومنا ان کے لیے حرام ہے، ان کا لین دین اور تبادلہ صرف اپنے ہی لوگوں کے ساتھ ہو۔(۱۰/۵۱/۵۴)

[۲] کسی شودر کے لیے ضرورت سے زیادہ اموال رکھنا جائز نہیں ہوگا کہ اس سے برہمنوں کو تکلیف ہوگی۔(۱۰/۱۲۹)

[۳] برہمن کی خدمت شودر کو جنت کا حقدار بنائے گی۔(۹/۳۳۴)

[۴] برہمن کی خدمت سے ملنے والے اجر پر اگر شودر کا گزارہ مشکل ہو رہا ہو تو وہ دوسرے طبقات کی بھی خدمت کرسکتا ہے البتہ افضل یہ ہوگا کہ وہ برہمن کی خدمت ہی پر صبر کرے تاکہ جنت پاسکے کیوں کہ شودر کا سب سے افضل عمل یہی ہے۔کسی شودر کو دینی امور میں مداخلت کا حق حاصل نہ ہوگا۔(۱۰/۱۲۱/۱۲۲/۱۲۴)

[۵] برہمنوں کی خدمت کرنے والے شودر دوسرے جنم میں اعلیٰ ذات میں پیدا ہوں گے۔(۹/۳۳۵)

[۶] اگر کوئی شودر کسی برہمن سے انتقام لینے کی کوشش کرے تو حاکم اسے دردناک سزا دے۔(۹/۲۴۸)

[۷] شودر عورت سے پیدا ہونے والا برہمن کا لڑکا وراثت کا حق دار نہ ہوگا۔(۹/۱۵۵)

[۸] شودروں کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی کام کے لیے پیدا فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ بلا ملال محسوس کیے ہوئے تینوں طبقات کی خدمت کرتا رہے۔(۱/۹۱)

[۹] شودر کا کھانا روحانی نور کو زائل کر دیتا ہے۔(۴:۲۱۸)

[۱۰] جس شخص نے چنڈال کو چھولیا وہ صرف نہانے سے پاک ہوسکتا ہے۔(۵:۸۵)

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ منو شودروں کو بالذات نجس و ناپاک اور کمینہ سمجھتا ہے اور معاشرت میں شریف آریہ قوموں کو ان سے کامل پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے، نیز اس کے نزدیک شودر کا پیدائشی اور فطری وظیفہ ہی یہ ہے کہ وہ آریوں کی خدمت کرے، اسے اپنی کمائی ہوئی دولت و جائیداد پر بھی کامل حقوق ملکیت حاصل نہیں۔قانون وراثت میں بھی منو نے اعلیٰ ذات والوں اور شودروں کے درمیان امتیاز رکھا ہے۔بعض حالات

میں وہ شودر کو حق میراث سے بالکل محروم کر دیتا ہے۔ ان کی جان اور عزت کو قانون کی پناہ دینے میں حد درجہ بخل سے کام لیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں آریوں کے حقوق کی تعیین و تحفظ میں منو نے اتنی فیاضی برتی ہے کہ شودروں کی آئینی حیثیت بالکل صفر کے برابر رہ جاتی ہے۔ منوسمرتی کے چند فقرے ملاحظہ ہوں:

(۱) ''اگر برہمن کسی بلی یا نیولے یا چوہے یا مینڈک یا کتے یا الو یا کوے کو مار ڈالے تو اس کا وہی کفارہ ہے جو شودر کو مارنے پر مقرر کیا گیا ہے۔'' (۱۱:۱۳۲)

(۲) ''ایک شودر اگر آریہ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے کیوں کہ وہ برہما کے حصہ اسفل سے پیدا ہوا ہے۔'' (۸:۲۷)

(۳) ''اگر وہ ان کا نام اور ان کی ذات کا نام لے کر توہین کرے تو دس انگل لوہے کی سلاخ آگ میں سرخ کر کے اس کی حلق میں اتار دی جائے۔'' (۸:۲۷۱)

یہ ہے ہندو دھرم میں ذات پات کا نظام اور ہر طبقہ کے فرائض و وظائف۔

ہندو دھرم میں عبادات کا تصور

(ا) عبادت و پوجا

عبادت و پوجا کے دو طریقے ہیں: (الف) یگیہ (ب) پوجا۔

(الف) یگیہ

کسی معین مقام پر آگ بھڑکانا اور معبودوں کی محبت کو اپنی جانب متوجہ کرنے اور گناہوں سے کفارہ کی طلب میں ویدوں اور اپنشدوں کے مخصوص منتروں کا پڑھنا یگیہ کہلاتا ہے، جس کی مختلف شکلیں اور متعدد قسمیں ہیں۔ اس کے اہم اغراض و مقاصد میں اقتدار و سلطنت کو مضبوط کرنا، معبودوں کی اطاعت و تشکر کا اظہار شامل ہے۔ یگیہ کی یہ عبادت کسی برہمن کے توسط سے انجام دی جاسکتی ہے کیوں کہ مخلوقات اور خالق کے درمیان اصل واسطہ وہی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: الملل والنحل ۲/۲۶)

(ب) پوجا

پوجا کے معنی معبودوں کی تقدیس و تمجید اور حمد و ثنا بیان کرنا اور ان کی خدمت میں پھولوں اور زعفران ملا ہوا خوشبودار پانی پیش کرنا ہے۔ ہر معبود کی خدمت میں زعفران ملا ہوا خوشبودار پانی پیش کرنے کا علیحدہ اور مخصوص طریقہ ہے۔ بعض معبودوں کی خدمت میں ہتھیلی سے اور بعض کی خدمت میں بڑے ٹب سے پانی پیش کیا جاتا ہے۔

(۲) روزہ

نفسانی خواہشات پر کنٹرول کرنے اور اور جسمانی قوت کو کمزور کرنے کے لیے روزوں کی اہمیت عیاں راچہ بیاں کے مصداق ہے۔ اسی لیے ہر شریعت میں روزہ کسی نہ کسی صورت میں مشروع رہا ہے۔ ہندودھرم میں روزہ کی درج ذیل شکلیں اور طریقے رائج ہیں۔

چند متعین دنوں تک بلا افطار کیے ہوئے دن و رات کھانے پینے سے اجتناب کرنا، ضرورت کے بقدر پانی اور دودھ استعمال کرتے ہوئے غلوں سے اجتناب کرنا، چند دنوں تک صرف دوپہر کا کھانا تناول کرنا، غروب آفتاب کے بعد صرف دن میں ایک بار کھانا کھانا وغیرہ۔ ہمالیہ پہاڑ اور جنگلوں میں سادھوؤں اور راہبوں کی ایک ایسی قسم بھی پائی جاتی ہے جو مسلسل روزہ رکھتی ہے اور ایک مخصوص قسم کی سبزی سے صرف افطار کرتی ہے جسے ان کی حلق میں نچوڑ دیا جاتا ہے، جس سے ان کی زندگی کی رمق باقی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر جاتے ہیں۔

عام لوگ قمری تاریخ کے لحاظ سے ہر مہینے دسویں اور گیارہویں تاریخ کو کرشن و رام اور پرہلاد کی تاریخ پیدائش کے دن، سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت روزہ رکھتے ہیں اور اسی طرح دسہرہ کے دن بھی ان کے یہاں روزہ رکھنا پسندیدہ ہے۔

(۳) یاترا

یاترا کے لغوی معنی نہر پار کرنے کے آتے ہیں۔ اصطلاح میں یاترا مقدس مقامات اور معظم اشخاص کی زیارت کو کہتے ہیں۔ معظم افراد کی زیارت کا مقصود ان کی زندہ دل صحبتوں سے استفادہ اور ان کے مواعظ کو سننا ہوتا ہے۔ مقدس مقامات کی زیارت کا مقصود وہاں موجود بتوں کی پوجا ہوتی ہے۔ مشہور مقدس مقامات چار ہیں:

[۱] دوارکا (Dwarka) [۲] جگناتھ پوری (Jagnnathpuri)

[۳] بادرک آشرم (Badrek Asrm) [۴] رامیشور (Rameshwar)

گنگا و جمنا جیسی مشہور پاک ندیوں کی زیارت اور ان میں بنارس اور الٰہ آباد کے مقام پر غسل بھی مشروع ہے۔

یاترا کے آداب

[۱] یاتری پر دوران یاترا اہل و اقارب سے مکمل علیحدگی واجب ہے نیز دوران یاترا وہ اپنے اہل خانہ کی یاد بھی دل میں نہ لائے۔

[۲] میقات (جو یاتری کے گھر سے ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر شروع ہوتی ہے) اپنے لباس کو اتار کر غسل کرنا اور پھر احرام کا لباس زیب تن کرنا واجب ہے۔ (احرام کا لباس زرد رنگ کی ایک لمبی قمیص اور ازار سے عبارت ہے) ہندوستانی بانس کی بنی ہوئی ایک لاٹھی رکھنا بھی ضروری ہے جس کے اوپر ایک خاص قسم کا پیتل کا بنا ہوا پانی کا برتن لٹکانا لازمی ہے۔ میقات سے روانہ ہوتے وقت اس مخصوص ورد کو دہرانا ضروری ہے: ”ہرے کرشن، ہرے رام۔“

بت پرستی

ہندوستان میں بت پرستی کا آغاز کب ہوا یہ بات تعیین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی البتہ موہن جوداڑو اور ہڑپا کی کھدائی میں مورتیوں کی ایک بڑی تعداد برآمد ہوئی تھی جو زیادہ تر عریاں تھیں جس میں شاید اس چیز کی جانب اشارہ ہے کہ نجات اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ انسان دنیوی زندگی گزارے گا اور خواہشات نیز کپڑوں کی جانب اس کا میلان ہوگا۔ بعض مورتیاں انتہائی دلکش زیورات اور کپڑوں سے آراستہ تھیں۔ یہ مورتیاں درحقیقت وشنو فرقہ کی ہوں گی جو لوگوں کو اپنی جماعت کی جانب مائل کرنے کے لیے ظاہری زیب و زینت کا اہتمام زیادہ کرتا ہے۔

زمانہ قدیم ہی سے ہندوستان میں عورت و مرد کے اعضاء مخصوص (لنگ اور یونی) کی پوجا کا رواج بھی رہا ہے۔ لنگ پوجا درحقیقت شیو اور اس کی بیوی پاروتی کی جانب اشارہ ہے جس کے ملاپ و اختلاط سے پورا عالم پیدا ہوا۔ ہندوستان چونکہ مظاہر قدرت کی پوجا میں کافی دلچسپی لیتا رہا ہے لہٰذا لنگ اور یونی کی پوجا بھی یہاں رائج ہوگئی کیوں کہ یہی دونوں تو تخلیق اور روئے زمین پر زندگی کے وجود و بقا کے منبع ہیں۔ چنانچہ موہن جوداڑو کی کھدائیوں میں لنگ اور یونی کی مختلف مورتیاں برآمد ہوئیں۔ مسٹر وارتھ (Varth) لکھتے ہیں: ”کافی عرصے سے ہندو اپنے طبعی معبودوں کو تلاش کر رہے تھے انھیں لنگ اور یونی کی مورتیاں مل گئیں۔ ہندو جو خدا کی

آدمی اور بیل کی صورت میں پوجا کرتے رہے ہیں ان سے لنگ اور یونی کی پوجا مستبعد نہیں ہے کیوں کہ ان دونوں کی عبادت طبعی عناصر کی عبادت کے امتزاج سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔''

(Religion Of India / 261)

وید بھی لنگ پوجا کی اہمیت کے ذکر سے خالی نہیں ہیں۔رگ وید کا ایک منتر ملاحظہ ہو:

''وہ اِندر ہے جو اپنی حسن تدبیر سے جنگوں میں معرکہ آرائی کرتا ہے اور اپنے دشمنوں سے مال غنیمت چھین لیتا ہے خواہ یہ اموال سو دروازوں کے درمیان ہی کیوں نہ محفوظ کیے گئے ہوں اور ان خبیث روحوں کو بھگاتا ہے جو لنگ کی عبادت کرتی ہیں۔'' (۹/۵/۲۱)

وید کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ لنگ پوجا کا رواج آریوں کی آمد سے پہلے ہی رائج تھا جسے آریہ شروع شروع میں ناپسند کرتے تھے لیکن امتدادِ ایام نے اسے مرغوب بنا دیا۔ رامائن میں بھی لنگ پوجا کا تذکرہ ہے۔لنکا کے بادشاہ راون ہمیشہ اپنے ساتھ سونے کا ایک لنگ رکھا کرتے تھے۔سر جان مارشل نے موہن جوداڑو کی کھدائیوں میں برآمد ہونے والی لنگ کی مورتیوں کی ہیئت اور صفات، لمبائی اور چوڑائی پر تفصیلی بحث کی ہے نیز اس مواد کا ذکر بھی تفصیل سے اپنی کتاب Mohan Jodor in Indus Civilisation میں کیا ہے جس سے یہ لنگ تراشے گئے ہیں۔

ہندوؤں کے اہم دیوتاؤں میں سے ایک ماتری دیوی (سرزمین وطن) بھی ہے۔ بلوچستان کے علاقہ میں اس کے بعض بت پائے گئے تھے۔ویدوں میں ماتری دیوی کی پوجا کی فضیلت واہمیت یوں بیان کی گئی ہے کہ زمین ہی چونکہ بچے کا پہلا گہوارہ ہے، یہیں پھر وہ مستقل بود و باش اختیار کرتا ہے اور زمین ہی اس کی جملہ ضروریات پوری کرتی ہے لہٰذا وہ مستحق ہے کہ اس کی تمجید بیان کی جائے، اس کے سامنے اپنے سروں کو جھکایا جائے۔چنانچہ ہندوؤں نے اپنی عادت کے مطابق وطن کے نام سے بھی ایک دیوی بنالی جسے ماتری دیوی کہا جاتا ہے۔آریہ شروع شروع میں بت پرستی سے واقف نہ تھے۔ان کے یہاں بت پرستی کا آغاز جینیوں اور قدیم ہندوستانی تہذیب سے اختلاط کے نتیجے میں ہوا۔چھٹی صدی قبل مسیح میں جین مت کے ظہور کے بعد جب عوام الناس جینی مورتیوں سے متاثر ہونے لگے تو ہندو دھرم میں بھی بتوں کے بنانے کا آغاز ہوا اور پھر عوام کی توجہ اپنی جانب منعطف کرنے کے لیے اہم دیوتاؤں کی مورتیاں بنائی

جانے لگیں۔ چنانچہ شیو، وشنو اوران کی بیویوں کی مورتیاں بنائی گئیں اوران کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے نوع بہ نوع کی مورتیاں تراشی گئیں۔ شیو کا سب سے مقبول روپ مہایوگی کا ہے۔ اس صورت میں اس کو دنیا سے کنارہ کش ایک سنیاسی اور یوگ کے ماہر کی حیثیت سے پہاڑوں میں تربیت نفس میں مشغول دکھایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک ترشول اور سنیاسیوں کا کمنڈل ہوتا ہے اور وہ کسی چٹان پر شیر کی کھال بچھائے یوگا کے آسن میں بیٹھا مراقبہ میں غرق ہوتا ہے۔ پاروتی جو کالی درگا کی حیثیتوں میں زیادہ پوجی جاتی ہیں شیر پر سوار اپنے ترشول سے بھینسا راکشش کو مارتی ہوئی دکھائی جاتی ہے۔ اس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا ہوتی ہے اور لٹکی ہوئی لال زبان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابھی ابھی خون پی کر آرہی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں خونخوار تلوار ہوتی ہے اور دوسرا ہاتھ اپنے بھکتوں کو تسلی کا اشارہ دیتا معلوم ہوتا ہے۔ (دنیا کے بڑے مذہب)

گائے پوجا

ہندو دھرم میں گائے کا مقام بڑا ہی بلند وارفع ہے کیوں کہ کھیتی باڑی والے ہندوستان میں گائے آریوں کا قیمتی سرمایہ تھی جس سے وہ دودھ حاصل کرتے، اس کی کھالوں کو بستر کے طور پر بچھاتے اور اُس کے بچوں کو وہ ہلوں میں جوتتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی مقدس کتاب وید میں اس کی فضیلت واہمیت درج کردی۔

رگ وید میں ہے: ”گائے ان بہادروں کی ماں ہے جو دشمنوں کو زیر کرتے ہیں، وہ خدا کی بیٹی اور آدت (خدا کا نام) کے بیٹوں کی بہن اور زندگی کا مرکز ہے۔ لہٰذا میں بہادر اور غیور انسانوں سے گایوں کو ذبح نہ کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔“ (۱۵/۱۰۱/۸)

اتھروید میں ہے: ”جو شخص گائے کو اپنے پاؤں سے مارے وہ سزا کا مستحق ہے۔“ (۱۳/۹/۴۶) رگ وید کے ایک اور منتر میں ہے: ”ہم نے گائے کو علوم وعرفان کا منبع بنایا ہے، گائیں اندر دیوتا کی خدمت کرتی ہیں۔“ (۱/۷۳/۱)

ہندوؤں کے مشہور دیوتا اور وشنو کے اوتار شری کرشن جی گایوں سے بڑی محبت کرتے تھے اسی لیے ان کا لقب ”گوپال“ (یعنی گائے کا رکھوالا) پڑ گیا۔

ہندوؤں کے نزدیک سب سے پسندیدہ صدقہ گائے کا ہے۔ مختلف دینی پروگراموں

اور شادی کے موقع پر گائے کا صدقہ مقدس ترین صدقہ مانا جاتا ہے۔

(دیکھیے: رگ وید: ۱۱/۷۵/۵و۹/۱۲۰/۱او۲۶/۷/۴/۶)

بیسوی صدی میں مہاتما گاندھی گائے کی پوجا کے سب سے بڑے داعی تھے۔ انھوں نے مسلمانوں سے ایک طرف گائے ذبح نہ کرنے کا مطالبہ کیا تو دوسری جانب ہندوؤں کے جذبات کو گائے پوجا کے تئیں یوں بھڑکایا: ''ہندو مذہب روئے زمین پر اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ہندو گائے کی حفاظت کرتے رہیں گے۔'' گاندھی جی اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ہندو دھرم کے مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد و یگانگت کے لیے ہندوؤں کے پاس کوئی متفق علیہ عقیدہ یا اصول یا رسم و رواج نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے درمیان شیرازہ بندی اور ہندو دھرم کی حفاظت کے لیے کسی ایسے نقطہ کی تلاش ضروری ہے جس پر سبھی متفق ہوں۔ چنانچہ انھوں نے اس مقصد کے لیے گائے کی قداست کو استعمال کیا اور اپنے مختلف مضامین میں انھوں نے اس کی اہمیت بیان کی اور ویدوں کے مذکورہ بالا منتروں کا اس کے لیے استعمال کیا۔

ہندو فقہ

ہندو دھرم انسانی زندگی کو چار مرحلوں میں تقسیم کرتا ہے اور ہر مرحلہ کی مدت پچیس سال مقرر کرتا ہے۔ منو نے اپنی کتاب ''منوسمرتی'' میں ہر دور کے احکام تفصیل سے بیان کیے ہیں جس کا ایک مختصر خاکہ نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔

[۱] برہم چاریہ آشرم (تعلیم و تربیت کا دور) [۲] گرہست آشرم (عائلی زندگی)

[۳] وان پرستھ آشرم (جسمانی و روحانی تربیت کا دور)

[۴] سنیاس آشرم (عہد رہبانیت)

(۱) برہم چاریہ آشرم

برہم چاریہ آشرم کا آغاز آٹھ سال سے شروع ہوتا ہے اور چوبیس سال کی عمر پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس عہد کا سب سے اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ طالب علم ظاہری زینت، خوشبوؤں کے استعمال اور عورتوں سے پرہیز کرے۔ دیانند سرسوتی لکھتے ہیں ''اگر اس عہد میں طالب علم

شادی کرلے تو وہ اپنی بیوی کے قریب نہ جائے اور نہ ہی اس کے ساتھ رات گزارے۔'' (ستیارتھ پرکاش ۳/ ۶۸)

منوسمرتی میں ہے: '' پہلے دور میں طالب علم کا سب سے پہلا کام اپنی ماں یا بہن یا خالہ یا کسی ایسی عورت سے سوال کرنا ہے جو انکار نہ کرے۔'' (۲/ ۵۰) اور طالب علم پر واجب ہے کہ وہ روزانہ صرف ایک بار کھانا کھائے (۲/ ۵۵) سبق کے آغاز و اختتام پر استاد کے سامنے سجدہ کرے اور صف بستہ ان کے سامنے اس طرح کھڑا رہے جس طرح نمازی اللہ کے آگے کھڑا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کو جانے کی اجازت دے دیں۔'' (۳/ ۷۱) منو نے طالب علم کے آداب و طالب علم کے فرائض کو یوں بیان کیا ہے: '' طالب علم اپنی خواہشات پر کنٹرول کرے اور اپنے استاد کے گھر رات گزارے اور معبودوں کی خدمت میں چڑھاوے پیش کرنے کے لیے روزانہ پانی سے غسل کرے۔'' (۱/ ۱۷۵)

طالب علم پر شراب پینا، گوشت کھانا، خوشبوؤں کا استعمال، عورتوں کی قربت اور حیوانات کو قتل کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح عورت کی جانب شہوت بھری نگاہ سے دیکھنا۔ اسے اپنی منی کی ہر حالت میں حتیٰ کہ نیند کی حالت میں بھی حفاظت کرنا چاہیے، لیکن اگر ان تمام تدابیر کے باوجود اسے احتلام ہو جائے تو وہ پانی سے غسل کرے۔'' (۲/ ۱۷۷، ۱۸۲)

طالب علم ویدک تعلیم پر عمل پیرا خاندان سے بھیک مانگے اور اپنے خاندان سے سوال کرنے سے پرہیز کرے، البتہ کسی اور سے صدقہ نہ پانے کی صورت میں اپنے خاندان سے بھیک مانگ سکتا ہے۔ (۱/ ۱۸۳، ۱۸۴) وہ طالب علم جو اپنے استاد کی غیبت سنے وہ دوسری زندگی میں گدھے کے روپ میں جنم لے گا اور جو اس پر تنقید کرے وہ شیطان کے روپ میں پیدا ہوگا اور جو اپنے اموال کو ضائع کرے وہ کیڑے مکوڑے کی حالت میں جنم لے گا۔ (۲/ ۲۰۱) طالب علم پر اپنے استاد کے احترام و تعظیم کی خاطر ان کے ساتھ گاڑیوں میں یا چٹائیوں اور کرسیوں پر بیٹھنا اور کشتی پر سوار ہونا حرام ہے۔ (۲، ۲۰۳، ۲۰۴)

طلوع آفتاب سے پہلے اگر طالب علم بیدار نہ ہو سکے تو اس پر اس دن روزہ رکھنا اور سورج کی تسبیح کرنا واجب ہے اور اگر غروب آفتاب کے وقت وہ غفلت میں ہو تو دوسرے دن کا روزہ رکھے کیوں کہ طلوع و غروب آفتاب کے وقت نیند اور غفلت موجب گناہ ہے۔ (۲/ ۲۲۰)

طالب علم ۳۶ سال اپنے استاد کی خدمت میں گزارے تا کہ اس مدت میں اسے ویدک ادب پر عبور حاصل ہو جائے۔ اگر ۳۶ سال گزارنا مشکل ہو تو اٹھارہ سال اور کم از کم نو سال اور پھر اس کے بعد عائلی زندگی کا آغاز کرے۔ (۴/۱ ۲۰) منو عہد اول کے احکام بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: ''برہم چاریہ آشرم کے ان احکام و آداب کی جو پیروی کرے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا اور دوبارہ اس دنیا میں واپس نہ آئے گا'' (۲/۲۴۹)

چندوکیہ اپنشد میں برہم چاریہ آشرم کے تین مراحل بتائے گئے ہیں:

[۱] کنشت برہمچاریہ (چوبیس سال) [۲] مادھیام برہمچاریہ (۴۴ سال)

[۳] اتام برہمچاریہ (۴۸ سال)۔ (۳/۱۶)

دیانند کہتے ہیں: ''شادی کے لیے مناسب عمر چالیس سال ہے کیوں کہ اس عمر میں جسم کے سب اجزا، حواس، طاقت، قوت اور ہمت میں پختگی آجاتی ہے اور اس سے بھی افضل تر ۴۸ برس کی عمر ہے۔'' (ستیارتھ پرکاش: ۳/۴۸) عورت اور مرد دونوں کے لیے کیا برہمچاریہ کا یہ قانون یکساں ہے اس کا جواب مہرشی دیانند سرسوتی یوں دیتے ہیں: ''مرد کے پچیس برس کے مقابلہ میں عورت کے مجرد رہنے کی میعاد سولہ برس، مرد کے تیس برس کے مقابلے میں سترہ برس، چھتیس برس کے مقابلے میں اٹھارہ برس، چالیس برس کے مقابلے میں بیس، چوالیس برس کے مقابلے میں بائیس اور اڑتالیس کے مقابلے میں چوبیس برس کے بعد عورت کو مجرد نہیں رہنا چاہیے۔ (ستیارتھ پرکاش ۳/۴۹) مہاتما گاندھی کے نزدیک تجرد کی زندگی سب سے افضل ہے اور گر کوئی شادی کر لے تو پھر ان دونوں کو بھائی اور بہن کی طرح زندگی گزارنی چاہیے۔

(۲) گرہست آشرم

ہندو دھرم اپنی ہیئت اور فطرت کے لحاظ سے رہبانیت پسند واقع ہوا ہے چنانچہ سادھو اور سنت دنیوی زندگی کی مذمت بیان کرتے ہیں اور اپنے متبعین کو ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں، البتہ بعض ہندو مفکرین نے ہندو دھرم پر رہبانیت کے خطرات کا احساس کرتے ہوئے عائلی زندگی کی جانب توجہ دلائی اور سب سے پہلے منو نے اپنی کتاب میں اس کی فضیلت یوں درج کی: ''گرہست آشرم کا دور بقیہ تمام ادوار سے افضل ہے۔'' (۳/۷۸)

دیانند لکھتے ہیں "چونکہ برہمچاری (طالب علم) عزلت گزیں اور سنیاسی ان تین آشرم والوں کا انحصار خانہ داروں کی روزانہ خیرات اور تواضع وغیرہ پر ہے اس لیے خانہ داری زندگی کی افضل ترین منزل ہے۔ (قصر حیات کا سنگ بنیاد خانہ داری ہے) اس لیے جو شخص منزل خانہ داری کی مذمت کرے وہ خود قابل مذمت ہے اور جو شخص اس کے اوصاف حمیدہ کا قائل ہے وہ خود قابل تحسین ہے۔" (ستیارتھ پرکاش ۴/ ۱۲۳۔ ۱۲۴) اس عہد میں ہر ہندو کی ذمہ داری شادی کرنا اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی کمانا ہے۔

(۳) وان پرستھ آشرم

منزل عزلت گزینی کے فرائض منو لکھتے ہیں: "جب انسان بوڑھا ہو جائے اور اس کے بال سفید پڑ جائیں اور اس کے چہرہ پر جھریاں آ جائیں اور وہ پوتوں اور پوتیوں والا بن جائے تو اسے عائلی زندگی ترک کر کے جنگل کا رخ کرنا چاہیے اور اگر چاہے تو بیوی کے ساتھ جائے ورنہ تنہا، اور صرف زمین کے غلوں اور پھلوں پر اکتفا کرے اور اپنے سر، داڑھی اور مونچھوں کو خوب بڑھائے اور ناخون نہ ترشوائے۔ (۶/ ۲۔۶) اور جسمانی آرام کا خیال نہ کرے، مجرد رہے۔ عورت ساتھ میں ہو تو بھی حرکات نفسانی سے باز رہے، زمین پر سوئے، اپنے پر منحصر لواحقین اور مال و اسباب سے زیادہ محبت نہ کرے اور درخت کے نیچے قیام کرے۔ (۶/ ۸۔۲۶) سبزیوں، پھولوں اور صرف پھلوں کا استعمال کرے، گوشت وشراب سے مکمل اجتناب کرے۔ (۶/ ۱۳) ایک دن کھائے اور ایک دن روزہ رکھے۔ (۶/ ۱۹) زمین پر چت لیٹا رہے یا پورے دن پاؤں کے حصہ پر کھڑا رہے۔ (۶/ ۲۲) گرمی کی حدت کو برداشت کرے۔ تیز دھوپ میں بیٹھے، ایام باراں میں آسمان کے نیچے رات گزارے اور سخت ٹھنڈک میں پانی میں بھیگا ہوا لباس پہنے اور اس طرح اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور سزا دے۔ (۶/ ۲۲)

مختصر یہ کہ طرح طرح کی ریاضتوں، عارفوں کی صحبت، یوگ کی مشق اور پاکیزہ خیالی سے علم اور پاکیزگی حاصل کرے اور اس طرح زندگی کی تیسری منزل یعنی پچاسویں برس سے لے کر پچھترویں برس تک جنگل میں عزلت گزیں رہے اور حیات کے چوتھے حصے میں قید علائق سے آزاد ہو کو سنیاسی ہو جائے۔ (۶/ ۳۳)

(۴) سنیاس آشرم

وہ شخص جس نے تینوں دور گزار لیے ہوں وہ چوتھے دور میں داخل ہوگا اور اس کی حیثیت ایک معلم اور ایسے شیخ کی ہوگی جس سے شرعی تکالیف اٹھائی گئی ہوں اور جس کی شہوات اس کی عقل کے تابع ہوگئی ہوں اور اس کی بشریت لاہوتیت میں تبدیل ہوگئی ہو چنانچہ وہ ایک معبود ہوگا جس کی عبادت اسی طرح کی جائے گی جس طرح خدا کی جاتی ہے۔

اس دور میں وہ اپنے سر، داڑھی اور مونچھوں کو مونڈ وادے اور ناخنوں کو ترشوالے اور اپنے ساتھ ایک کشکول رکھے۔ (۶/۵۱) اور دن میں صرف ایک بار بھیک مانگے (۶/۵۵) سنیاسی کا سب سے اہم فریضہ تمام بنی نوع انساں کو تلقین حق اور علوم سے بہریاب کر کے ترقی کے زینے پر قائم کرنا ہے۔ دوسرا فریضہ ضبط نفس کے ذریعہ روح، قلب اور حواس کی کدورتوں کو خیال کی یکسوئی سے گناہ کو ضبط قلب سے بے بسانہ جذبات مثلاً نشاط و ملال اور جہالت وغیرہ کدورتہائے روحانی کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔ دیانند سرسوتی کے نزدیک: ”سنیاس کی زندگی صرف برہمنوں کے لیے خاص ہے کیوں کہ مخلوقات میں سب سے افضل برہمن ہیں اور انسانی اعمال میں سب سے افضل عمل رہبانیت۔ لہٰذا اس کے مستحق صرف برہمن ہی ہوں گے۔“ (ستیارتھ پرکاش ۵/۱۳۳)

ہندو دھرم کے عائلی قوانین

نکاح

آریہ سماج میں نکاح کے تین طریقے رائج ہیں:

[۱] باپ کا اپنی بیٹی کے لیے شوہر کو تلاش کرنا۔ (رگ وید: ۱۵/۸۵/۱۰)

[۲] والدین کے مرضی کے علی الرغم ان کی بیٹی کو کسی بڑے شخص یا صاحب اقتدار کا غصب کر کے شادی کر لینا۔ (رگ وید: ۷/۳۹/۱۰ اور ۱۹/۱۱۲/۱)

[۳] کسی بڑے عالم کا سادھو یا سنت کی خدمت میں بطور ہدیہ کسی کا اپنی بیٹی کو پیش کرنا۔

مجلس نکاح دولہن کے گھر میں منعقد کی جاتی تھی جہاں دولہا اپنے اعزہ واقارب اور دوستوں کے ہمراہ حاضر ہوتا تھا چنانچہ گھر کے ایک پاک مقام پر آگ روشن کی جاتی جس میں گائے کا خالص گھی انڈیلا جاتا اور دولہا دولہن کے دامن ایک دوسرے سے باندھ دیے جاتے اور پھر دونوں اس آگ کے گرد کئی بار چکر لگاتے اور برہمن طبقہ کا ایک عالم چند اشلوک پڑھتا اور اس طرح نکاح کی رسم ادا ہو جاتی۔ (دیکھیے: رگ وید: ۳۴/۵/۸/۱۰)

تعدد ازواج

ہندو دھرم میں ایک سے زائد شادی جائز ہے۔ ہندو دھرم کے بڑے بڑے سورماؤں کے پاس کئی بیویاں تھیں، ارجن کے پاس متعدد بیویاں تھیں جن میں دروپدی، سبھادرا اور چتانغا کافی مشہور تھیں۔ اسی طرح کرشن کی زوجیت میں ستر ہزار بیویاں تھیں۔ البتہ ویدک تعلیمات میں ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنے پر کافی زور دیا گیا ہے۔ (رگ وید: ۸/۵/۱۰۵/۱، ۲/۳۳/۱۰) البتہ ایک روایت کے مطابق برہمن کے لیے چار، چھتری کے لیے تین، ویش کے لیے دو اور شودر کے

لیے ایک بیوی کرنا جائز ہے۔

بیوہ کا نکاح

ویدوں میں بیوہ کے نکاح کا کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا بلکہ وید کی تعلیمات بیوہ عورتوں کو اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ وہ اپنے وفات شدہ شوہر کی چتا پر جل کر مر جائیں۔ شوہر کی چتا پر جل کر مر جانا بڑی ہی فضیلت اور ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے۔ قدیم کتابوں میں آتا ہے کہ سلوچنا اپنے شوہر میدناتھ کی چتا پر اور ماری اپنے شوہر "پانڈو" کی چتا پر جل کر مر گئی۔ مہابھارت میں مذکور ہے کہ سری کرشن کی وفات کے بعد آپ کی متعدد بیویوں نے آپ کی نعش کے ساتھ اپنے جسم کو زندہ جلا لیا۔ ستی کی یہ رسم ہندوستان میں قدیم زمانے سے ہی رائج تھی۔ یونانی مؤرخین نے اس رسم کا تذکرہ اپنی تاریخی کتابوں میں کیا ہے البتہ موجودہ ہندوستانی قوانین اس رسم کی ادائیگی کی اجازت نہیں دیتے۔ ۱۸۱۱ء میں راجہ رام موہن رائے (جو ایک مشہور ہندو مفکر اور برہمو سماج کے بانی گزرے ہیں) کے بھائی کا انتقال ہوا تو ان کی اہلیہ چتا پر جل کر ستی ہو گئیں۔ اس واقعہ سے راجہ رام کافی متاثر ہوئے اور انھوں نے برطانوی حکومت سے ستی کی اس رسم کو ممنوع قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ آپ کا یہ مطالبہ پورا ہوا۔ ۱۸۲۹ء میں لارڈ ولیم وینگ کے عہد میں ستی کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا گیا جس کے نتیجہ میں ہندوستان میں بیوہ عورتوں کی تعداد بڑھتی گئی چنانچہ انیسویں صدی کی ایک مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں پانچ سال سے بھی کم عمر کی بیوہ عورتوں کی تعداد ۱۳۸۷۷ تھی اور دس سال سے کم عمر والی بیوہ عورتوں کی تعداد ۶۶۴۴۰۴ تھی اور اسی پر بقیہ عمر والی بیوہ عورتوں کو قیاس کر لیجیے، زندہ رہ جانے والی عورتیں انتہائی دشوار گزار زندگی گزارتیں۔ منو کہتے ہیں: "بیوہ عورتوں پر واجب ہے کہ وہ سبزیوں پر گزارہ کریں اور اپنے جسم کو کمزور بنائیں اور دوسری شادی کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔" (باب ۵/۱۵۷)

وہ کنواری لڑکی جس کے شوہر کا دخول سے پہلے انتقال ہو گیا اس کے لیے بھی دوسری شادی حرام ہے اور خصوصاً اس وقت جب اس کا تعلق برہمن، چھتری یا ویش طبقہ سے ہو، البتہ آدمی کے لیے بیوی کے انتقال کر جانے کی صورت میں دوسری شادی جائز ہے۔ (منوسمرتی) آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی آدمی کے لیے بھی دوسری شادی ناجائز سمجھتے ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش ۴/۱۶۷)

قریبی شادی کی حرمت

منو کہتے ہیں: "اس عورت سے شادی کی جائے گی جس کا سلسلہ نسب مرد سے ماں اور باپ دونوں جہتوں سے سات پشتوں تک نہ ملا ہو۔ (باب ۳/۵) دیانند سرسوتی قریب کی شادی کی حرمت کے اسرار ورموز سے پردہ یوں اٹھاتے ہیں: "یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ جیسی محبت غائب چیز سے ہوتی ہے ویسی حاضر یعنی آنکھوں کے سامنے موجود اشیاء سے نہیں ہوتی۔ جیسے کسی نے مصری کی تعریف سنی مگر کھائی نہ ہو تو اس کا دل مصری کھانے کا خواہاں رہتا ہے ایسے ہی ہر ایک غائب چیز کی تعریف سن کر اس کے حاصل کرنے میں نزدیک رشتہ کی ناکتخدائی ہونا چاہیے۔" نزدیک کی شادی کے نفع ونقصان درج ذیل ہیں:

[۱] بچے بچپن سے نزدیک رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے اور محبت و پیار کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی نیک و بد عادات اور بچپن کی لغزشوں اور غلط کاریوں سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں اور انھوں نے ایک دوسرے کو برہنہ تن تک دیکھا ہوتا ہے۔ شادی ہونے پر ان میں محبت کا ہرگز امکان نہیں۔

[۲] جیسے پانی میں پانی کی آمیزش سے کوئی نئی صفت پیدا نہیں ہوتی اسی طرح باپ کے گوت اور ماں کے خاندان کے اندر شادی ہو جانے کی حالت میں تخم کا تغیر نہیں ہوتا اور نسل کی ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔

[۳] جیسے دودھ میں مصری یا سونٹھ وغیرہ ادویہ کی آمیزش سے عمدہ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح مختلف گوتوں یعنی ماں باپ دونوں طرف کے مختلف حسب ونسب کے مرد وعورت میں باہم مناکحت ہونا فضیلت کا باعث ہے۔

[۴] جیسے ایک مقام کا مریض دوسرے مقام کی آب وہوا اور خوراک کی تبدیلی سے تندرست ہو جاتا ہے ویسے ہی دور کی شادی ہونے میں صحت اور فضیلت رہتی ہے۔

[۵] نزدیک رشتہ ہونے کی حالت میں لڑکی کے رنج وراحت کا علم اس کے رشتہ دار کو ہو جانے اور اس سے باہمی شکر رنجی پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے جو دور کے رشتوں کی صورت میں نہیں ہوتا۔

[۶] رشتے دور دور ہوں تو دور دور کے مقامات کی اشیاء اور خبریں آسانی سے آتی جاتی

رہتی ہیں۔نزدیک کے رشتوں میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

[۷] شادی نزدیک ہونے کی صورت میں لڑکی کے والدین کے گھر میں عسرت آجانے کا بھی امکان ہے کیوں کہ جب جب لڑکی ماں باپ کے گھر جائے گی تب تب اسے کچھ دینا ہی ہوگا۔

[۸] رشتہ قریب ہونے کی حالت میں دونوں کو اپنے اپنے خاندان کی امداد کا زعم ہوتا ہے۔پس جب ذرا بھی آپس میں ناچاقی ہوتی ہے تو لڑکی فوراً اپنے میکے چلی جاتی ہے۔طرفین ایک دوسرے کی مذمت میں پیش پیش ہوتے ہیں اور مخالفت بڑھ جاتی ہے۔ان اور اس قسم کی دیگر وجوہات سے باپ کے گوت اور ماں کی چھ پشتوں میں اور نزدیک کے مقامات پر شادی کرنا ناموزوں ہے۔(ستیارتھ پرکاش باب چہارم:۷۵-۷۶)

کم عمری کی شادی

وہ لڑکی جس کے والد یا بھائی نے دس سال کی عمر میں شادی نہ کرائی تو اس کے تمام اولیاء جہنم میں داخل ہوں گے۔(پراشری قسم لاکھو۶/۷)

منو بلوغت کے بعد (جو ہندوستان میں دس سال سمجھی جاتی ہے) تین سال اور گزرنے کی شرط لگاتے ہیں اور اس کے بعد ہی شادی کی اجازت دیتے ہیں۔(۹ی/۹۰)

متعہ کی اجازت

دیانند سرسوتی بیوہ عورتوں کے لیے متعہ کے جواز اور دوسری شادی کی حرمت کے قائل ہیں۔متعہ کو ہندو دھرم میں ''نیوگ'' کہا جاتا ہے۔رگ وید میں ہے:''اے بیوہ عورت! تو اس متوفی خاوند کے غم میں پڑی ہے۔(اب اس کی امید چھوڑ) زندہ انسانوں کی دنیا میں آ اور یہ بات ذہن نشین کر لے کہ اب تجھ سے اولاد کی پیدائش تیرا ہاتھ پکڑنے والے دوسرے (نیوگ کرنے والے) خاوند کے لیے یا تیرے لیے ہو سکتی ہے۔''(۱۰/۱۸/۸)عورت کے مرنے کے بعد ہی نہیں مرنے سے پہلے بھی اگر وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو کسی بیوہ عورت سے نیوگ کرنا جائز ہے اور ایسے ہی اگر خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تو اپنی بیوی کو کسی مرد سے اولاد کی خواہش کرنے کی ہدایت کرے۔(ستیارتھ پرکاش:۴/۱۱۸)

نیوگ پر اٹھنے والے متعدد اعتراضات کے جوابات دیانند سرسوتی نے تفصیل سے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں دیے ہیں جو تسلی بخش نہیں ہیں۔

پردہ

ہندو عورتیں کوئی متعین پردہ نہیں کرتی ہیں۔ مختلف مجلسوں اور محفلوں میں اور خصوصاً شادی بیاہ کے موقعوں پر اور معبودوں کی خدمت میں چڑھاوے پیش کرنے کی صورت میں مرد و زن کا اختلاط قدیم زمانے سے ہی ہوتا آرہا ہے۔ رام کہتے ہیں: ''سنو غم کے موقعے پر مجبوریوں میں، لڑائیوں میں، سوئمبر کے وقت اور قربانیوں میں اور بیاہوں میں عورتوں کا سامنے آجانا اور مرد کی نگاہ اس پر پڑ جانا گناہ نہیں ہے۔'' (رامائن یدھ کانڈم سرگہ ۱۱۴) بتوں کی رضا کے حصول کے لیے ان کے سامنے رقص کرنا بھی عورتوں کے لیے جائز ہے، البتہ قدیم ہندو سماج میں پردے کی بڑی ہی اہمیت تھی۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں:

''بن باس کے وقت جب رام چندر جی سیتا کے ساتھ گھر سے نکلے تو لوگوں نے شور مچایا: کیا برا وقت ہے کہ وہ سیتا جن کو کبھی آسمانی دیوتا بھی نہ دیکھ پائے تھے آج بازاری لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔'' (رامائن ایودھیا کانڈم سرگہ ۳۳)

''سیتا جی کو پالکی سے اتار کر وبھیشن جب رام چندر کے حضور میں لے چلے تو سیتا بے پردگی کی شرم سے دوہری ہوئی جاتی تھیں گویا اپنے آپ کو اپنے جسم کے اندر چھپا رہی تھیں۔'' (یدھ کانڈم سرگہ ۱۱۴)

لکشمن کی سب سے بڑی تعریف یہ کی گئی ہے کہ بن باس کے زمانے میں شب و روز سیتا کے ساتھ رہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سیتا جی کے صرف پاؤں دیکھے ہیں۔

مہابھارت میں دروپدی کی تقریر میں ہے: اے بزرگو! راجاؤں نے مجھے سوئمبر کے موقع پر دیکھا تھا۔ اس سے پہلے مجھے کسی نے نہیں دیکھا تھا اور سورج بھی مجھے نہیں دیکھ پاتا تھا، آج بدقسمتی سے غیر مردوں کے سامنے آنا پڑا اور اجنبی لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہوگی کہ مجھ جیسی پاک دامن خاتون کو لوگوں کے سامنے آنا پڑا۔ ہزار افسوس ہے کہ راجہ ازلی دھرم کھو بیٹھے۔ ہم تو سنتے آئے ہیں کہ قدیم زمانے کے شرفاء کبھی بھی اپنی منکوحہ بیوی کو مجمع میں

نہ لے جاتے تھے۔ افسوس کہ اس خاندان کا دھرم جاتا رہا۔ (مہابھارت سبھا پربھ، ادھیائے/۶۹)

مہابھارت ہی میں ہے کہ شری کرشن کے ماموں کنس راجہ متھرا نے جب کشتی کا دنگل قائم کیا تو مستورات کے لیے جو خاص مکان تماشہ دیکھنے کے لیے بنوائے گئے تھے وہ بلندی پر اڑتے ہوئے راج ہنس جیسے دکھائی دیتے تھے جن میں باریک جالی تماشہ دیکھنے کے لیے لگائی گئی تھی۔ (وشنو پرب ادھیائے/۱۹)

کلیگ کی علامت بتاتے ہوئے برمھ پران میں ہے: ''آخری زمانہ میں عورتیں بگڑ جائیں گی، بے پردہ دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سنواریں گی، کسی کی پرواہ نہ کریں گی۔'' (ادھیائے ۲، اشلوک ۳۹)

ہرش چیر تیم میں بان نے لکھا ہے کہ جب سے شریف اور خاندانی عورتوں کے منہ پر نقاب کی جالی نہ رہی ان کی شرم وحیا جاتی رہی۔ (ہرش اچھواس ۳)

ہندو شاستر میں ہے: پرائی عورت سے متعلق ذکر سننا، ان کا ذکر کرنا، پرائی عورت کے ساتھ کھیلنا، انھیں دیکھنا، پوشیدہ طور پر باتیں کرنا، قصد کرنا، کوشاں ہونا، جسم کو مس کرنا، یہ آٹھ قسم کے زنا ہیں۔

حالت حیض میں بیوی سے مباشرت کی حرمت

ادیان سماویہ کی طرح ہندو دھرم میں بھی حالت حیض میں مجامعت ممنوع ہے۔ منو لکھتے ہیں: ''آدمی حالت حیض میں اپنی بیوی کے ساتھ نہ لیٹے اور نہ ہی اس کے ساتھ مباشرت کرے۔ حالت حیض میں بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے والا جسمانی اور شہوانی لحاظ سے کمزور ہو جاتا ہے۔ نگاہ اور عمر میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔'' (۴/۴۰۔۴۱)

ہندو دھرم کے فرقے

ہندو دھرم کے مشہور فرقے دو ہیں: [۱] وشنومت [۲] شیومت

(۱) وشنومت

وشنو ہندوؤں کے معبودوں میں سے ایک اہم معبود ہے جس کا تذکرہ ویدک ادب میں موجود ہے۔ ابتدائی ویدک ادب میں وشنو ایک کم اہم دیوتا کی حیثیت سے مذکور ہے البتہ ویدک دور کے وسطی اور آخری دور میں بتدریج وشنو کی اہمیت بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے اور بہت جلد ویدک دور میں وشنو کو خدائے مطلق کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ فرقہ وشنو کو عالم مطلق اور قادر مطلق مانتا ہے اور برہما کی جملہ صفات سے اسے متصف قرار دیتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وشنو مصائب و مشکلات میں ان کی حفاظت کرتا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک وشنو کی عبادت سب سے افضل عمل ہے۔ ان کا اس امر پر بھی یقین ہے کہ جب دنیا میں ظلم و ناانصافی عام ہو جاتی ہے، جہالت و گمراہی ہر سمت چھا جاتی ہے تو وشنو کسی نہ کسی روپ میں اپنے بندوں کی مدد اور ہدایت کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ اب تک وہ گیارہ روپ میں آ چکے ہیں جن میں سب سے اہم روپ رام اور کرشن کا ہے۔ ان دونوں عظیم شخصیتوں کی تاریخ پیدائش کے دن یہ فرقہ دسہرا اور جنم اشٹمی کا تہوار مناتا ہے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں جگہ جگہ اس فرقے کی عبادت گاہیں موجود ہیں جن میں وشنو کے مجسمے نصب ہیں۔

اس فرقے کی اہم تعلیمات درج ذیل ہیں:

[۱] اللہ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے۔

[۲] دوسرے دور یعنی گرہست آشرم میں بھی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔
[۳] جس نے اپنے نفس پر کنٹرول کر لیا وہ دوسروں پر بھی کنٹرول کر سکتا ہے۔
[۴] دنیا میں ایک ہی روح ہے جو جملہ حیوانات میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

(۲) شیومت

شیو ہندوستان کے قدیم ترین دیوتاؤں میں سے ہے۔ ہڑپا اور موہن جوداڑو کی کھدائی کے دوران ایسی مہریں ملی ہیں، جس پر شیو کی خصوصیات رکھنے والے ایک دیوتا کی شبیہ نقش ہے اور انہی خصوصیات کے حامل ایک دیوتا کا تصور ابتدائی ویدک ادب میں ''رودر'' کے نام سے بھی موجود ہے۔ آرین اور قدیم اختلاط کے نتیجے میں جو برہمنی مت وجود میں آیا اس میں قدیم شیو کو بھی مہر استناد مل گئی۔ اس دیوتا کی سب سے عظیم ذمہ داری اشیاء کو ہلاک و برباد کرنا ہے۔ یہ بے پناہ قوتوں کا مالک ہے جس کی وجہ سے اسے ''مہادیو'' یعنی الٰہ اعظم کا لقب دیا گیا ہے اس لیے کہ وہ اپنی قوت و طاقت کے ذریعے بقیہ تمام دیگر معبودوں پر اور اپنے علم کے ذریعہ زاہدوں اور سادھوؤں پر غالب آ گیا ہے۔ اس فرقہ کا سب سے اہم عقیدہ یہ ہے کہ شیو کا نہ تو وجود ہے اور نہ ہی عدم، اور وہ ہر چیز پر محیط ہے۔

یہ لوگ آسودگی کے بجائے بھوک کو ترجیح دیتے ہیں اور کھوپڑیوں میں کھاتے ہیں نیز انتہائی ویران و وحشت ناک جگہوں پر رہنا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ شمشان گھاٹوں پر گھنٹوں رہنا بھی ان کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ ہندوستان کے طول و عرض میں یہ فرقہ پھیلا ہوا ہے۔ ان کی بعض عبادت گاہیں قبل مسیح کی بھی موجود ہیں۔

چھٹی صدی مسیح میں جب مشہور چینی سیاح ہندوستان آیا تو اس وقت دوسرے معبودوں کے مقابلہ میں شیو کی عبادت عام تھی۔ نیز اس عہد کی تاریخی کتابوں میں بھی اس معبود کی عبادت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ البتہ البیرونی کے عہد میں شیو کے بجائے شکتی، سوریہ، برہما، اندر، اگنی اور کوبرا کی عبادت کا رواج زیادہ تھا۔

ہندو دھرم کے مشہور تہوار

جس طرح ہندو عقائد مختلف تہذیبوں اور نظریات کے ملاپ سے وجود میں آیا ہے۔ اسی طرح ہندو تہوار بھی مختلف نسلوں کے مجموعی مذہبی عقائد کا نتیجہ ہیں۔ جب ذات پات کی تفریق بڑھی تو مذہبی رسوم اور تیوہاروں کے اندازوں میں بھی علاقائی پن اور مخصوص برادری یا ذات کی انفرادیت کا رنگ نمایاں ہوگیا۔ اس طرح علاقائی تیوہاروں کا رنگ ڈھنگ قومی تیوہاروں سے کافی بدل گیا۔ ہندو دھرم کے چند اہم ترین تیوہار درج ذیل ہیں۔

۱۔ دیوالی

دیوالی کا دوسرا نام دیپاولی، دپالکا، سکھ راتری اور یکرراتری ہے اور اس کو سکھ پتیکا بھی کہتے ہیں۔ دیوالی اصلاً سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہیں چراغوں کی قطار۔ البیرونی نے تواریخ ہند میں دیوالی کو "بالی راجیہ" کا نام دیا ہے۔

یہ تیوہار پانچ دن منایا جاتا ہے۔ ان دنوں میں چراغ جلائے جاتے ہیں اور پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔ یہ تیوہار آشون مہینہ کی تیرہویں تاریخ کو شروع ہوتا ہے۔ پہلے دن "یم راج" کی پوجا کی جاتی ہے۔ یم راج موت کے دیوتا مانے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ جو اس دن ورت کرے اس کی موت اچانک نہیں ہوگی۔ اس دن برتن کی خریداری مبارک سمجھی جاتی ہے۔ دوسرے دن نرک (جہنم) کی پوجا ہوتی ہے، اس سے دعا کی جاتی ہے کہ وہ اسے قبول نہ کرے اور اس سے بچنے کے لیے تیل مالش کر کے غسل کیا جاتا ہے۔

دیوالی میں اماوس (پندرہویں تاریخ) "آماوسیا" کے دن کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس

دن لکشمی، کبیر اور گنیش کی پوجا ہوتی ہے۔ لکشمی دولت کی دیوی ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ دیوالی کی رات میں دیوی آتی ہے اور دولت برساتی ہے اس لیے وہ تمام رات دیئے جلا کر اس کی راہیں روشن رکھتے ہیں۔ رات بھر خود بھی جاگتے ہیں اور جاگنے کی خاطر دوستوں کے ساتھ تاش کھیلتے ہیں۔ یہ تیوہار تاجر طبقہ میں بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اسی دن وہ اپنے کاروبار کے لیے نئے کھاتوں کو کھولتے ہیں۔ بچے اچھے لباس اور آتش بازی چھوڑ کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

بنگال میں دیوالی کی رات میں کھمبے کھڑے کر کے ان کے سروں پر مشعلیں جلائی جاتی ہیں اور روشنی کا رخ آسمان کی جانب ہوتا ہے تاکہ بزرگوں کی روحوں کو زمین کی طرف آنے میں پریشانی نہ ہو۔ بنگالی ہندوؤں کا یہ عام خیال ہے کہ دیوالی کی رات میں پاک روحیں نیچے اترتی ہیں۔

تانترک ہندو دیوالی میں لکشمی کی نہیں بلکہ کالی کی پوجا کرتے ہیں اور آدھی رات کے بعد تنتر منتر کی سادھنا کرتے ہیں۔ پرانے خیالات کے حامل لوگ دیوالی کی رات کے پچھلے پہر اپنے گھروں کی کھڑکیاں اور روشن دان وغیرہ بند کر دیتے ہیں، وہ ڈرتے ہیں کہ کوئی جادو ٹونا کر کے ان کے گھر میں کچھ ڈال نہ دے اور جو سب کے لیے تباہی کا باعث بنے۔

جنوبی ہند کے لوگ چودھویں کے غسل کے بعد ''کاریٹ'' نامی ایک کڑوا پھل پیر سے کچلتے ہیں جو شاید ''نرکاسُر'' کے خاتمے کی علامت ہے، نرکاسُر پراگ جیوتش پور کا راجہ تھا۔ اس نے براہمنوں اور دیوتاؤں پر بہت ظلم ڈھائے اور راجہ اندر کو ہرا دیا تھا، چنانچہ دیوتاؤں کی درخواست پر وشنو نے کرشن کے اوتار کے روپ میں سدرشن چکر سے اس کا سر کاٹ ڈالا۔

دیوالی میں جوا کے لیے چوتھا دن مخصوص ہے۔ اس دن پاروتی نے جوا میں شنکر کو ہرایا تھا جس سے شنکر غمگین اور پاروتی خوش ہوئی تھی۔ اس دن کی ہار سے سال بھر دولت کا نقصان ہوتا ہے اور جیت سے پورا سال خوش حال گزرتا ہے۔ دیوالی کے آخری دن بھیا دوج ہوتا ہے، اس دن بہنیں بھائیوں کے لیے پوجا کرتی ہیں۔

دیوالی منانے کے اسباب

(۱) جب رام چندر جی چودہ برس کا بن باس پورا کرنے اور راون کو شکست دینے کے بعد ایودھیا واپس لوٹے تو وہاں کے باشندوں نے سارے دیش میں چراغاں کیا اور رام چندر جی کی تاج پوشی کے سلسلے میں جگہ جگہ جشن منائے گئے۔

(۲) راجہ بلی جو وشنو بھگت پرہلاد کا نواسہ اور ویروچن کا بیٹا تھا، اس نے اپنے استاذ شنکر آچاریہ کے منتر اور اپنی طاقت سے تینوں لوکوں کو فتح کر لیا تھا۔ دیوتا لوگ کافی پریشان و بدحال تھے۔ وہ اپنی حفاظت کے لیے وشنو کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی، وشنو نے رحم کے جذبے سے بونے کی شکل میں اوتار لیا اور عابد براہمن کی شکل اختیار کر کے بل کے پاس گئے، بل بڑا ہی مخیّر تھا، وامن نے بل سے تین قدم زمین مانگی۔ بل نے کہا لے لیں۔ وامن نے فوراً ایک قدم سے ساری زمین اور دوسرے سے سورگ ناپ لیا، تیسرے قدم کے لیے کوئی جگہ نہیں بچی تو راجہ بل نے اپنی پیٹھ نیوادی۔ وشنو نے بل کو پاتال کا راجہ بنا دیا اور جنت دیوتاؤں کو واپس کر دی۔

(۳) کہتے ہیں کہ برہما نے کائنات بنائی اور رشی وغیرہ زمین پر آ گئے، لیکن یہاں تاریکی ہی تاریکی تھی۔ تو رشیوں نے برہما سے روشنی کی درخواست کی، برہما نے سورج، چاند اور ستارے بنائے جن سے روشنی پیدا ہوئی۔ اس خوشی میں یہ تہوار منایا جاتا ہے۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ وشنو نے ہرنیاکش نامی ایک ظالم راجہ کو سور اوتار کی شکل میں اسی دن قتل کیا تھا۔

دیوالی جین دھرم والوں کے لیے بھی ایک اہم تہوار ہے۔ دیوالی ہی کے دن مہاویر کو نروان حاصل ہوا تھا، لہٰذا جینی مہاویر کے نروان پانے کی خوشی میں دیوالی مناتے ہیں۔

دیوالی ہی کے دن مغل بادشاہ اورنگ زیب نے سکھ گرو گووند سنگھ کو گوالیار کی جیل سے رہا کیا تھا، اس لیے سکھ فرقہ بھی دیوالی مناتا ہے۔

مغلیہ حکمراں جہانگیر دیوالی کے موقع پر خود بھی جوا کھیلتا تھا اور اپنے درباریوں کو بھی اپنے سامنے جوا کھیلنے کا حکم دیتا تھا۔ شاہ عالم ثانی، اکبر ثانی اور بہادر شاہ ظفر کے عہد میں لال قلعے پر بھی چراغاں ہوتا تھا۔

۲- ہولی

ہولی کا دوسرا نام ''ہولکا'' بھی ہے۔ یہ تہوار فروری مارچ (پھاگن) میں پورے چاند کے دن مغربی بنگال کو چھوڑ کر پورے ہندوستان میں دو دن منایا جاتا ہے۔ ہولی کا تہوار دو دن

منایا جاتا ہے، پہلے دن آگ جلائی جاتی ہے اور آگ کے پہلو میں ایک پتھر پوجا کی نیت سے رکھ دیا جاتا ہے۔ دوسرے دن گلال اور رنگ دار پانی کے ساتھ ہولی کھیلی جاتی ہے۔ تمام کدورت اور بغض وعداوت اس دن لوگ بھول جاتے ہیں۔ ہولی میں کرشن جی کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ کنس نے بال کرشن کو مارنے کی کوشش میں پُتنا نام کی ایک بھوتنی کو مقرر کیا تھا، جو بچہ اسے نظر آتا وہ اس کا خون پی جاتی، مگر کرشن جی ہی نے اسے مار ڈالا۔ ہولی کی رات میں لکڑیوں کے ڈھیر کا جلایا جانا پتانا کی ہڈیوں کے جلنے ہی کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔

ہولی کے اسباب

اس کے منانے کے دو اسباب بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) کام دیو ہولی کا علامتی دیوتا ہے۔ محبت کا یہ دیوتا جانوروں، پرندوں اور انسانوں پر اپنے تیر کا وار کر کے انھیں محبت کرنے کے لیے اکساتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھگوان شیو اپنی ریاضت میں محو تھے کہ کام دیو نے اپنے بان سے شیو کا دل زخمی کر دیا۔ شیو کو کام دیو کی اس دخل اندازی پر غصہ آیا اور انھوں نے کام دیو کو جلا کر رکھ دیا۔ اس پر کام دیو کی بیوی (رِتی) روتی پیٹتی پاروتی کے پاس آئی۔ چنانچہ پاروتی کی سفارش پر شیو نے کام دیو کو پھر زندہ کر دیا، تب سے موسم بہار میں یہ تہوار راگ ورنگ کی صورت میں منایا جاتا ہے۔

(۲) ہولی سے متعلق یہ دیو مالائی کہانی بھی مشہور ہے کہ ملتان کا راجہ ہرناکشیپ اپنی عبادت کی بنا پر امر بن گیا اور پھر مغرور ہو کر خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اس کے خدا پرست بیٹے ''پرہلاد'' نے اسے بھگوان ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر غصہ میں آ کر راجا نے اپنے بیٹے کو آگ میں ڈال دینا چاہا، قصہ یوں ہے کہ ہرناکشیپ راجا اپنی بہن کو حکم دیتا ہے کہ تم پرہلاد کو گود میں لے کر آگ میں کود جاؤ تا کہ پرہلاد جل کر خاک ہو جائے اور تم اس لیے بچ جاؤ گی کہ تم کو آگ میں نہ جلنے کا وردان ملا ہوا ہے۔ اسی وردان کے بھروسے وہ آگ میں کودی لیکن ہوا اُلٹا۔ وہ تو جل کر بھسم ہو گئی اور پرہلاد صحیح سالم رہا۔

بھاگوت پران کے مطابق وشنو جانور اور انسان (نرسنگھ) کا روپ اختیار کر کے ایک کھمبے سے ظاہر ہو گئے۔ ہرناکشیپ انھیں دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوا بلکہ وہ ہاتھ میں برج لے کر ''نرسنگھ بھگوان'' کے اوپر مارنے کو آمادہ ہو گیا۔ انھوں نے فوراً ہی اسے پکڑ لیا اور جس طرح

گروڑ پرندہ زہریلے سانپ کو مارتا ہے اسی طرح وشنو نے اپنے ناخنوں کے ذریعہ اس کا کلیجہ چھلنی کر ڈالا اور اپنے بھگت پر ہلاد کی حفاظت کی۔

ہولی کا تیوہار ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف طریقے سے منایا جاتا ہے۔

بندیل کھنڈ میں جس رات ہولی جلائی جاتی ہے اس کی اگلی صبح کو ایک کھمبے کے اوپری سر پر گڑ اور سوا روپیہ تھیلی میں باندھ کر لٹکا دیا جاتا ہے۔ نوجوان لڑکے اس کو اتارنے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ خواتین اپنے ہاتھوں میں ڈنڈے لے کر ان کو ایسا کرنے سے روکتی ہیں۔ کھمبے پر تیل کی مالش بھی کر دی جاتی ہے اس لیے کسی لڑکے کا کھمبے پر چڑھنا مزید مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر جو لڑکا کھمبے کی چوٹی تک پہنچ کر وہ تھیلی اتار لاتا ہے وہ تھیلی اس کی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو بھی اس سلسلے میں کامیابی نہیں ہوتی تو پھر وہ تھیلی ان خواتین ہی کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔

راجستھان اور اتر پردیش میں بھنگ کے نشے میں ناچتے گاتے ہوئے ہولی کے دن مرد ایک بڑا جلوس نکالتے ہیں اور ایک دوسرے پر عبیر و گلال ڈالتے ہیں۔ اجین میں ہولی سے ایک رات پہلے مشعلیں لے کر مرد جلوس نکالتے ہیں۔ وہ لاٹھیوں اور تلواروں کو لہراتے ہوئے نعرے لگاتے ہیں اور نٹوں کے سے کرتب دکھاتے ہیں۔

ہندوستان کے بعض پہاڑی علاقوں میں ہولی کے موقع پر ''پانڈو ناچ'' کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس ناچ میں پانچ مرد پانڈو ہوتے ہیں اور ایک عورت دروپدی جو ابلتے ہوئے تیل کی کڑھائی میں سے اپنے ہاتھ سے پکوڑی نکال لیتی ہے اور اس کا ہاتھ نہیں جلتا۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ لگاتار ایک ہفتے تک ناچنا اور جلتے ہوئے تیل میں ہاتھ ڈال دینا پانچ پانڈوؤں کی بخشی ہوئی قوت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ منی پور میں ہولی کے موقع پر ''تھادل چومبا'' ناچ ناچا جاتا ہے، جس کے دوران کنواری لڑکیاں کنوارے لڑکوں کے ساتھ جنگل میں بھاگ جاتی ہیں۔ تین دن تک اگر لڑکی کا پتہ نہیں چلتا تو چوتھے دن لڑکا لڑکی کے واپس آنے پر ان کو شادی شدہ سمجھ لیا جاتا ہے۔

مغربی بنگال میں ہولی کو ''ڈول جاترا'' کہا جاتا ہے اور اس کو وشنو سے متعلق مانا جاتا ہے۔ وشنو کے کسی بڑے مندر کے سامنے ایک شامیانہ لگایا جاتا ہے اور اس کے نیچے دوپہر بعد پوجا کے لیے وشنو کی مورتی رکھی جاتی ہے، بعد میں اس مورتی کو ایک جھولے میں رکھ دیا جاتا ہے اور پھر مورتی کو آہستہ آہستہ جھولا جھلایا جاتا ہے۔ مورتی کے چرنوں میں گلال رکھا جاتا ہے۔

عقیدت مند مرد و خواتین وہاں سے گلال کی چٹکی بھرتے ہیں اور ایک دوسرے کی پیشانی پر لگاتے ہیں۔

ہولی اصلاً ایرانیوں کے مشہور تیوہار ''نوروز'' سے ملتی جلتی ہے اس لیے اکبر سے بہادر شاہ ظفر تک (اورنگ زیب کے سوا) ہر مغل بادشاہ نے ہولی کھیلی ہے۔ سراج الدولہ نواب مرشد آباد ہولی کے روز سرداروں کے نام فرضی فرمان بھیجتا تھا اور جب وہ تعمیل کرتے تو ان پر ہنستا تھا گویا کہ یہ اس کا فول اپریل تھا۔

(۴) دسہرا [وجیا دشمی]

یہ تیوہار ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف ناموں مثلاً درگا پوجا، نوراتری، رام لیلا ناموں سے منایا جاتا ہے۔

شمالی ہند میں رام چندر جی کے بن باس، راون کا سیتا جی کو لانے اور ایودھیا میں راج سنبھالنے کی یاد میں یہ تیوہار منایا جاتا ہے۔ رام و سیتا کی یاد میں کھیل کھیلے جاتے ہیں اور راون کے پتلے کو جلایا جاتا ہے۔ اسے 'دسہرا' اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اس دن دیوی کی پوجا دس گناہوں کو ختم کرتی ہے۔

دسہرہ کو 'نوراتری' [نوراتیں] کی صورت میں بھی منایا جاتا ہے۔ نوراتیں پوجا اور بھجن میں صرف کی جاتی ہیں اور دسویں رات دیوی کا جشن منایا جاتا ہے۔ دیوی کے کئی روپ ہیں۔ درگا کے روپ میں وہ جنگ جو دیوی ہے جو راکششوں کو مارتی ہے۔ وہ کالی بھی ہے جو تمام یگ کو نگل جاتی ہے۔ وہ جگ دما بھی ہے جو تمام عالم کو ماں کی طرح پرورش کرتی ہے۔ وہ پاروتی بھی ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارتی ہے۔

بنگال میں دس دن کے اس تیوہار کا نام درگا پوجا ہے۔ نو دن تک دیوی کے ایک روپ یا صفت کی پوجا کی جاتی ہے اور دسویں دن اس کو ڈبو دیا جاتا ہے۔ دسہرہ میں کچھ مقامات پر بھینسے یا بکرے کی قربانی دی جاتی ہے۔ شمالی ہندوستان میں گھر کے سامنے کہیں کہیں دس گوریاں (پتلے) بنائی جاتی ہیں اور ان کی پوجا ہوتی ہے۔

دسہرا ایک شاہی تیوہار بھی تھا۔ اکثر ہندو راجا اس جنگ جو روپ کو پوجتے تھے جسے درگا کہا جاتا ہے۔ ۱۹۴۷ سے پہلے ہر ہندو ریاست میں دسہرے کے دن بہت ہی پرشکوہ ہاتھیوں کا

شاہی جلوس جملہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر ایسے نکالا جاتا تھا جیسے جنگ کی تیاری ہو۔ مغل دربار میں بھی دسہرے کا جشن منایا جاتا تھا۔

(۴) رام نومی

ہندو دیوتاؤں میں عوامی عقیدت کے اعتبار سے رام چندر جی کا پہلا نمبر ہے۔ رام نومی رام چندر جی کے جنم کا تیوہار ہے۔ جو ہندو مہینے چیت (مارچ-اپریل) میں منایا جاتا ہے۔ رام وشنو کے ساتویں اوتار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ رام دو پہر میں پیدا ہوئے تھے اس لیے وشنو مندروں میں دو پہر ہوتے ہی پنڈت جھولے میں ناریل رکھ کر شری رام چندر جی کے جنم کا اعلان کرتے ہیں اور پھر عقیدت مندوں کو سونٹھ اور شکر تقسیم کی جاتی ہے۔ اس دن اپواس (روزہ) رکھنا بہتر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دن روزہ رکھنے سے انسان کی سبھی خواہشات پوری ہو جاتی ہیں، اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کی نجات ہو جاتی ہے۔ اس دن ایک عالم رام بھکت براہمن کو بلا کر رام کی سونے کی مورتی دان میں قبول کرنے کے لیے درخواست کرنا چاہیے، برہمن کو جسم پر لگانے کے لیے تیل اور غسل کرا کر سفید کپڑا پہنانا چاہیے، پھول دینا چاہیے، ساتوک یعنی گھی دودھ کا کھانا دینا چاہیے اور رام کتھا اس دن سے آٹھ دن تک سننا چاہیے، مندروں میں بھی رامائن کی کتھا ہوتی ہے اور پنڈت تفسیر پیش کرتے ہیں اور خوش آوازی کے ساتھ رام-رام کا جاپ کیا جاتا ہے۔ اس تیوہار کو عوامی بنانے میں گرو رام داس کا اہم رول رہا ہے۔ آپ راما نند فرقہ سے متاثر تھے۔ ۱۶۰۸ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۸۱ میں انتقال ہوا۔

(۵) کرشن جنم اشٹمی

یہ تیوہار وشنو کے آٹھویں اوتار کرشن جی کے جنم دن (یوم ولادت) پر منایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ کنس کے قتل ہونے کی خوشی میں یہ تیوہار منائے جانے کی بات کہتے ہیں۔ یہ تیوہار جولائی اگست کی آٹھویں تاریخ کو رات میں منایا جاتا ہے۔ جنم اشٹمی کا تیوہار ان علاقوں میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے جہاں کرشن بھکتی زیادہ ہے۔ کرشن جی اپنے سیاسی فلسفے کے ساتھ ناچ گانے اور محبت کے اوتار ہیں۔ ''بندرابن'' میں کرشن جی اپنی گوپیوں کے ساتھ چاندنی رات میں

جو ناچ ناچتے تھے اس کی نقل کو آج ''راس لیلا'' کہا جاتا ہے۔ بال کرشن دودھ، دہی اور مکھن کھانے کے بہت شوقین تھے اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے چھینکے پر رکھے ہوئے برتن میں سے مکھن چرا لیتے تھے، آج اسی کی نقل میں جنم اشٹمی کے دن نوجوان ایک کے اوپر ایک چڑھ کر بلندی پر رسی میں لٹکی ہوئی دہی، مکھن سے بھری ہانڈی کا مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۶) گنیش چترتھی/گن پتی

یہ تیوہار اگست، ستمبر میں پڑتا ہے۔ یہ گنیش کے جنم دن پر منایا جاتا ہے۔ گنیش جی کی پیدائش سے متعلق مشہور روایت یہ ہے کہ پاروتی شادی کے بعد بہت دنوں تک بے اولا د رہی۔ بہت دنوں کی پرارتھنا کے بعد وشنو پاروتی سے خوش ہوئے اور انھوں نے پاروتی کے پیٹ سے خدا پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ بیٹے کی پیدائش پر پاروتی نے تمام دیوی دیوتاؤں کی دعوت کی۔ سبھی نے پاروتی کے بچے کو دیکھ کر اسے مبارک باد پیش کی مگر شنی نہ آئے اور نہ بچے کو دیکھا اور نہ پاروتی کو مبارک باد دی۔ پاروتی نے شنی سے وجہ معلوم کی تو انھوں نے جواب دیا کہ اس کی حاسد بیوی اس کو شراپ دے چکی ہے کہ جب بھی میں کوئی خوب صورت چیز دیکھوں تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ اس پر پاروتی نے بڑے فخر سے کہا کہ اس کا بیٹا دراصل خود وشنو ہیں جو امر ہیں۔ یہ سنتے ہی شنی نے اور زیادہ خوش ہو کر پاروتی کے بچے کا سر تن سے جدا کر دیا۔ مردہ سر فضا میں اڑ گیا۔ اپنے بچے کے غم میں روتی ہوئی پاروتی نے شنی کو شراپ دیا تو وہ ایک بدنما دیو پیکر جانور کے روپ میں بدل گیا۔ دوسرے دیوتاؤں نے پاروتی کے بیٹے کے سر کو چاروں سمتوں میں جا کر تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ آخر مجبور ہو کر ایک دیوتا کو ایک سوتا ہوا ہاتھی ملا۔ انھوں نے اس کی گردن کاٹ کر بچے کے سر پر لگا دی۔ بچہ زندہ ہو گیا مگر پاروتی اپنے بچے کی اس صورت پر خوش نہ ہوئی، لیکن شیو نے پاروتی سے وعدہ کیا کہ وہ اس بدصورت بچے کو بھی عظمت بخش دے گا۔ شیو نے اس کو سب کا سردار بنا دیا۔ چنانچہ بچے کو گنیش (عوام کا سردار) کہا گیا، اسی لیے گنیش کو بھی تمام چھوٹے دیوی دیوتاؤں میں عظیم کہا گیا ہے۔

گنیش کی بہت سی صفتیں ہیں۔ ان کی بڑی توند اُن کے اچھے ہاضمے کی علامت ہے۔ وہ سال بھر پیش آنے والی تمام رکاوٹیں دور کر دیتے ہیں اس لیے گنیش کا جنم دن تمام ملک میں

بڑے جوش وخروش اور عقیدت سے منایا جاتا ہے، خصوصی طور پر مہاراشٹر کے گھروں میں اور اجتماعی طور پر محلوں میں گنیش جی کی مورتی رکھی جاتی ہے۔ تین، سات، نو یا گیارہ دن تک مورتی کے سامنے بھجن ہوتے ہیں، پوجا کی جاتی ہے۔ دودھ، پھل وغیرہ مورتی کی نذر کیے جاتے ہیں اور پھر مورتی کو ایک جلوس کی صورت میں لے جا کر تالاب، دریا یا سمندر میں ڈبو دیا جاتا ہے۔ چونکہ چاند کی گستاخی پر ایک بار گنیش اسے شراپ دے چکے ہیں اس لیے گنیش چترتھی کے دن چاند کا دیکھنا منحوس سمجھا جاتا ہے۔ اس کا تدارک بھی ہے کہ جس شخص سے گن پتی کے دن چاند دیکھنے کی بھول ہو جائے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو برا بھلا کہے یا اپنے پڑوسیوں سے اپنے آپ کو لعنت وملامت کرائے تو وہ آنے والے برے اثرات سے محفوظ رہے گا۔

ملک کے بعض علاقوں میں گنیش جی کو فصل کا دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کی مورتی ڈبونے سے پہلے اس کی تھوڑی سی مٹی لوگ گھر لے آتے ہیں اور اس کو اناج کے کھلیانوں اور کوٹھوں میں ڈال دیتے ہیں تاکہ برکت ہو۔ جس طرح بنگال اپنے درگا پوجا تیوہار کے لیے مشہور ہے اسی طرح گن پتی کا تیوہار مہاراشٹر میں سب سے زیادہ شور اور عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ صرف ایک شہر ممبئی میں ۶ ہزار مقامات پر گن پتی بیٹھتی ہے۔ گن پتی جلوسوں میں جو لوگ ہر برس شامل ہوتے ہیں ان کی مجموعی تعداد تقریباً بیس لاکھ ہوتی ہے۔

(۷) رکشا بندھن/سلونو

یہ تیوہار شراون (جولائی، اگست) میں پورے چاند کے دن منایا جاتا ہے۔ پانی کے کنارے ایک چھوٹا سا میلہ لگتا ہے، ناریل پانی کی نذر کیے جاتے ہیں اور پھر اشنان کیا جاتا ہے۔ دراصل ناریلوں کی نذر سمندر کے دیوتاؤں کو دی جاتی ہے۔ ناریل بھینٹ کرنے کی وجہ سے اس کو "ناریل پورنیا" بھی کہتے ہیں۔

یہ تیوہار رکشا بندھن کے نام سے شمالی ہند میں مشہور ہے، اس دن بہن بھائی کے گھر جاتی ہے اور بھائی کی پیشانی پہ چندن کا ٹیکہ لگاتی ہے، دائیں کلائی میں راکھی (دھاگے کا گنڈا) باندھتی ہے اور پھر بھائی کے منہ میں مٹھائی رکھتی ہے۔ بھائی بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر آشیرواد دیتا ہے اور پھر کچھ نقدی بہن کی نذر کرتا ہے۔ دراصل رکشا بندھن سے مراد یہ ہوتی ہے کہ

مشکل گھڑی میں بھائی بہن کی رکشا (حفاظت) کرے گا۔شمالی ہند میں اس تیوہار کو سلونو کہتے ہیں۔

رکشا بندھن کی تاریخ بہت پرانی ہے۔کہتے ہیں کہ یدھشٹر نے کرشن جی سے کہا کہ مجھے رکشابندھن کا کارن بتایئے۔کرشن جی نے جواب دیا کہ جب اندر کے ساتھ دیوتا راکششوں سے لڑائی میں ہار گئے تو اندر کی پتنی نے شراون پورنیما کے دن اِندر ہی کے ایک بازو پر ایک دھاگا باندھ دیا اور اپنے پتی کی جیت کے لیے پرارتھنا کی۔آخر اندر کو فتح ہوئی تب سے دیوتاؤں نے شراون پورنیما کو ایک تیوہار کی شکل دے دی۔

مسلم حکمراں اور راکھی

راجستھان کی راجپوتانی رانی کروناوتی نے مغل بادشاہ ہمایوں کو رکشا بندھن بھیج کر رکشا چاہی اور ہمایوں نے بھائی بن کر اس کے حق میں تلوار اٹھائی اور اس کی مدد کی۔

ایک برہمن عورت جمنا میں اشنان کر کے واپس آرہی تھی جس کا نام رام کور تھا۔وہ ایک شخص کو ریت پر سوتا دیکھ کر جھجکی،غور سے دیکھا تو وہ مغل بادشاہ عزیز الدین عالم گیر ثانی کی لاش تھی۔رام کور وہیں بیٹھ گئی اور رونے لگی۔دن چڑھے جب بادشاہ کی تلاش ہوئی تو لوگ رام کور کو روتا دیکھ کر اس کے قریب گئے۔وہ بادشاہ کی لاش دیکھ کر چونک پڑے۔سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔دراصل وزیر نے دشمنوں سے مل کر بادشاہ کا قتل کرادیا تھا۔باپ کے بعد شاہ عالم دلی کے تخت پر بیٹھا۔رام کور نے چونکہ بادشاہ کی لاش کی رات بھر حفاظت کی تھی اس لیے شاہ عالم نے صلہ میں بیش بہا انعامات سے نوازا اور اپنی کلائی پر راکھی بندھوا کر اسے اپنی بہن بنالیا۔ہر برس رام کور بادشاہ کو راکھی باندھتی اور زر و جواہر سے مالا مال ہو کر دربار سے واپس جاتی۔شاہ عالم کے بعد اکبر ثانی بھی رام کور کی بڑی بیٹی سے راکھی بندھواتا۔اکبر ثانی کے بعد بہادر شاہ ظفر بھی رام کور کی پوتیوں و نواسیوں سے راکھی بندھوایا کرتے اور رام کور کے خاندان کو انعام دیتے۔

مغل بادشاہ اکبر راکھی کے تیوہار کو اس کی تمام رسموں کے ساتھ شاہی انداز میں منایا کرتا تھا اور خود بھی راکھی بندھواتا تھا۔جہانگیر نے اپنے عہد میں حکم جاری کیا تھا کہ تمام ہندو امراء بادشاہ کی کلائی پر راکھی باندھا کریں۔بعد میں یہ تیوہار دربار مغلیہ کے جشن میں شمار ہونے لگا۔

تجزیہ وتنقید

ہندودھرم کے مشہور تیوہاروں کی ایک ہلکی سی جھلک قارئین کے سامنے پیش کی گئی ہے۔اس بحث سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱-ہندودھرم کا کوئی بھی تیوہارویدوں سے ثابت نہیں ہے، زیادہ تر تیوہاروں کی بنیادیں پرانوں میں فراہم کی گئی ہیں۔

۲-تیوہاروں کے بعض اسباب دیومالائی قصوں پر مشتمل ہیں جن کا حقیقت اور تاریخ سے کوئی واسطہ نہیں۔

۳-اورنگ زیب کے سوا سبھی مغل بادشاہ ہندوتہذیب سے کافی متاثر تھے۔وہ اپنی ہندورعایا کے رسم ورواج اور تیوہار اپنا کر اُن کا دل جیتنا چاہتے تھے۔سبھی مغل بادشاہ اوران کے خاندان ہولی، دیوالی، دسہرااور راکھی جیسے ہندوتیوہارمناتے تھے اور حد یہ کہ اکثر مغل شہزادوں کا ختنہ بھی نہیں کرایا جاتا تھا۔

۴-ہندوتیوہاروں کے مسلم تیوہاروں پر جواثرات پڑے ہیں اس کے مثال کے طور پر لکھنؤ کے محرم اور بنگال کی درگاپوجامیں یکسانیت ہے،اس کوملاحظہ فرمائیں۔ساتویں محرم سے نویں محرم تک امام باڑوں میں چراغاں ہوتا ہے۔یہ چراغاں آٹھویں کو شباب پر ہوتا ہے۔زیارت کے لیےلوگ ایک امام باڑے سے نکلے دوسرے میں پہنچے۔لنگر میں شیرمال، کباب، باقرخانی، پلاؤ بریانی امام باڑوں سے تقسیم ہوتے ہیں۔

اب ذرا بنگال کی درگاپوجادیکھیے۔پہلے دن درگادیوی اپنے میکے بنگال کے لیے روانہ ہوتی ہیں، ساتویں کی صبح پہنچتی ہیں۔ہرگھرمیں ایک جشن ہے،سڑکوں پر عظیم الشان پنڈال اجتماعی پوجا کے لیے الگ جگمگارہے ہیں، لاکھوں چراغوں یا بجلی کے قمقموں سے رات دن میں تبدیل ہوگئی ہے۔بھجن اور دیگر موسیقی کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔آٹھویں کوجشن شباب پر پہنچتا ہے۔ہزاروں ہزار کی بھیڑ درشن کے لیے ایک پنڈال سے دوسرے پنڈال کی طرف رواں ہے۔حصے میں پرشادمل رہے ہیں۔یہ شباب نوتک رہتا ہے۔دس کو درگا گنگا میں بہادی جاتی ہے۔

اس تہذیبی ارتداد نے اسلام کی اشاعت میں بڑی عظیم رکاوٹیں کھڑی کردیں۔

تقریباً دس صدیوں تک حکمرانی کے باوجود بھی اسلام ہندوستان کی اکثریت کا دین نہ بن سکا۔اس میں جہاں ہندو رشیوں کی روحانی طاقت کا دخل رہا ہے وہیں مسلمانوں کا تہذیبی و سماجی رسم و رواج میں ہندوؤں سے کافی متاثر ہونا بھی ہے۔

ہندو دھرم اور اسلام میں وجوہ اتفاق

قرآن کریم کی روشنی میں ہندو دھرم کی مقدس کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں ایسے جواہر پارے ملیں گے جو کلمۂ سوا بن سکتے ہیں۔سطور ذیل میں عقائد و عبادات اور اخلاقی تعلیمات سے متعلق یکسانیت و مماثلت کے امور پیش کیے جارہے ہیں۔

(۱) عقیدۂ رسالت

اسلام کی طرح ہندو دھرم بھی رسالت کا قائل رہا ہے البتہ مرورِ ایام کی وجہ سے یہ عقیدہ منظرِ عام سے غائب ہوگیا۔رگ وید میں ہے:

اگنن دوتن وری ماھی ''ہم لوگ اگنی کو رسول منتخب کرتے ہیں۔'' البتہ قدیم شارحین وید ''دوتن'' کا ترجمہ رسول سے نہ کرکے معبود سے کرتے ہیں جب کہ ''دوتن'' کے معنی معبود لینے میں خود وید ہی کی عبارت مانع ہے: منوشیا اگنن ''یقیناً اگنی ایک انسان ہے۔''

(۲) عقیدۂ آخرت

ہندو دھرم کا مشہور عقیدہ ''تناسخ'' اور پنر جنم ہے جو عقیدۂ آخرت کے بالکل مخالف ہے،لیکن رگ وید میں بعض نصوص ایسے موجود ہیں جو قدیم ویدک ادب میں عقیدۂ آخرت پر قدیم ہندوؤں کے اعتقاد پر دلالت کرتے ہیں۔رگ وید میں ہے:

> ''سورج کے حصول کی سعی کرو تاکہ آگ کی قدر و منزلت پہچان سکو۔یقیناً ہمارے رسول بھرت،بکو،رشو دونوں زندگی پر یقین رکھتے تھے۔''

(۳) قربانی

دونوں مذاہب میں قربانی کی بڑی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے۔ہندو دھرم میں قربانیوں کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ''سام وید'' جو رگ وید ہی سے ماخوذ ہے اسے مخصوص قربانیوں کے موقعوں پر پڑھنے کے لیے الگ کرلیا گیا تھا۔

(۴) روزہ

دونوں مذاہب میں تزکیۂ نفس کے لیے روزہ مشروع قرار دیا گیا ہے البتہ اس کی تعداد اور طریقہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۵) مقدس مقامات

دونوں مذاہب میں بعض مخصوص مقامات کو تقدس کا درجہ حاصل ہے اور ان کی زیارت باعث اجر وثواب ہے۔اسلام میں وہ مقدس مقامات جن کی زیارت مشروع ہے وہ درج ذیل ہیں:

[۱] مسجد حرام [۲] مسجد نبوی [۳] مسجد اقصیٰ

ہندو دھرم میں مقدس مقامات چار ہیں:

[۱] Dwarka [۲] Jagannathpuri [۳] Baderkasrm [۴] Rameshwar

(۶) سماجی وعائلی قوانین

[۱] دونوں مذاہب میں عقد نکاح مشروع ہے۔

[۲] دونوں مذاہب میں تعدد ازدواج جائز ہے، البتہ ہندو دھرم میں ایک بیوی پر اکتفا کرنا افضل ہے۔

[۳] دونوں مذاہب میں محرمات ابدیہ سے نکاح حرام ہے، البتہ ہندو دھرم میں ماں یا باپ کی جانب سے سات پشتوں تک شادی حرام ہے جب کہ اسلام مین جائز ہے۔

[۴] دونوں مذاہب میں نابالغ کی شادی جائز ودرست ہے۔

[۵] دونوں مذاہب میں حالتِ حیض میں عورت سے اجتناب واجب ہے۔

[۶] دونوں مذاہب میں پردہ مشروع ہے، البتہ ہندو دھرم میں شادی، بیاہ اور پوجا کی رسموں کے موقعوں پر مردوں سے اختلاط جائز ہے۔

(۷) اخلاقی تعلیمات

دونوں مذاہب میں اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونے، جھوٹ، حسد، نفرت، بغض وعناد سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے۔ نیز دونوں مذاہب میں زنا، سود، ظلم وناانصافی، چوری، ڈاکہ، قتل اور رہزنی حرام ہے۔

(۸) متفرق امور

[۱] دونوں مذاہب وحی والہام کے قائل ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک ویدوں کا پورا متن الہامی ہے اسی لیے وہ اسے شُروتی "سنا ہوا" سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا وحی اور کلام الٰہی ہونا عیاں راچہ بیاں کے مصداق ہے۔

[۲] دونوں مذاہب میں مذہبی کتب کے احترام اور تقدیس کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

[۳] دونوں مذاہب میں شریعت کی تنفیذ اور عدل وانصاف کے قیام کے لیے مذہبی حکومت کا قیام ضروری ہے۔

[۴] دونوں مذاہب میں عدل وانصاف کا قیام ہی شریعت کا مقصود ہے۔ ایک اشلوک ملاحظہ ہو:

"حقیقتاً عصائے عدل ہی راجا ہے۔ یہی دھرم قانون مجسم ہے۔ جو اسے مٹاتا ہے اس سے زیادہ خسیس آدمی کون ہوگا۔" (ستیارتھ پرکاش باب ششم/۱۷۲)

[۵] دونوں مذاہب میں خدا کو کائنات کے نور سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسے ازلی ومحیط مانا جاتا ہے اور اس کی قدرت وطاقت کو لامحدود سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ (النور:۳۵)

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"

یجروید میں ہے:

"آپ نور علی نور ہیں مجھ میں اپنے نور کی تجلی کیجئے۔" (۹/۱۹)

"اے روشن بالذات نور علی نور پرمیشور اپنے فضل سے ہمیں آج وہ ذہن رسا عطا کیجئے جس کا سہارا آپ کے عالم اور عارف بندے لیے ہوئے ہیں۔" (یجروید:۳۲/۱۴)

ہندو دھرم اور اسلام میں وجوہ اختلاف

[۱] ہندو دھرم عقیدۂ تثلیث کا قائل ہے اس کے نزدیک تخلیق کا ذمہ دار برہما ہے۔ مخلوقات کی حفاظت کا ذمہ دار وشنو اور اشیاء کو ہلاک وبرباد کرنے کا ذمہ دار شیو ہے جب کہ اسلام عقیدۂ توحید کا قائل ہے۔ اس کے نزدیک تخلیق، موت وحیات اور کائنات کی تدبیر کا مالک صرف

اللہ تعالیٰ ہے۔

[۲] ہندو دھرم عقیدۂ آواگون اور اسلام عقیدۂ آخرت کا قائل ہے۔

[۳] ہندو دھرم عقیدۂ اوتار اور اسلام عقیدۂ رسالت کا قائل ہے۔

[۴] ہندو دھرم بت پرستی و مورتی پوجا کا قائل ہے جب کہ اسلام مورتی پوجا کا شدید مخالف ہے۔

[۵] اسلام کے نزدیک تمام نوع انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر نسلی اور پیدائشی لحاظ سے فوقیت حاصل نہیں ہے جب کہ ہندو دھرم نسلی اور پیدائشی لحاظ سے انسانوں کو چار ورنوں اور ذاتوں میں تقسیم کرتا ہے اور پیدائشی لحاظ سے برہمن کو افضل اور شودر کو ذلیل مانتا ہے۔

[۶] ہندو دھرم میں ویدوں سے شودروں اور عورتوں کے لیے استفادہ جائز نہیں جب کہ قرآن کریم کی تعلیمات سے استفادہ پوری نوع انسان کے لیے عام ہے۔

[۷] اسلام میں ختنہ مشروع و مسنون ہے جب کہ ہندو دھرم میں غیر مشروع ہے۔

[۸] اسلام کے نزدیک مقصد حیات بندگی رب کے ذریعہ اس کی رضا و خوشنودی کا حصول ہے جب کہ ہندو دھرم میں نروان کا حصول (یعنی روح کا برہما کی ذات میں جا ملنا اور آگوان کے چکر سے نجات پا جانا) ہے۔

[۹] اسلام عقیدۂ حلول واتحاد کا مخالف اور ہندو دھرم اس کا قائل ہے۔

[۱۰] اسلام کے نزدیک نجات کا دارومدار بندگیِ رب پر ہے جب کہ ہندو دھرم میں نجات کا حصول کرم مارگ اور گیان مارگ کے ذریعہ ہوتا ہے۔

[۱۱] اسلام میں رہبانیت حرام اور ہندو دھرم میں مسنون و مستحب ہے۔

[۱۲] اسلام کے نزدیک ذات باری تخلیق کائنات کے لیے کسی شے کی محتاج نہیں جب کہ برہما تخلیق کے وقت مادہ تکوین و تخلیق اور ارواح کا محتاج تھا۔

☆☆☆

مزید مطالعہ کے لیے

اردو:

۱- دنیا کے بڑے مذہب: عماد الحسن آزاد فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

۲-ہندو مذہب-مطالعہ اور جائزہ: پروفیسر محسن عثمانی ندوی، یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، نئی دہلی
۳-ہندو تیوہاروں کی دلچسپ اصلیت: منشی رام پرشاد ماتھر، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
۴-اگر اب بھی نہ جاگے تو: شمس نوید عثمانی، مکتبہ تھانوی دیوبند
۵-ہندو مذہب کیا ہے: مہاتما گاندھی نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا
۶-البیرونی کا ہندوستان: مترجم قیام الدین نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
۷-ہندو دھرم کی جدید شخصیتیں: محمد فاروق خان ایم اے، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
۸-ہندو فلسفہ، مذہب اور نظام معاشرت: ڈاکٹر سید حامد حسین، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی
۹-ہندو مذہب: پنڈت منوہر لال زتشی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
۱۰-گیتا اور قرآن: سندر لال، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
۱۱-ہندو دھرم اکبر کے عہد میں: ابوالفضل رترجمہ: فدا علی، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
۱۲-تلاش ہند: پنڈت جواہر لال نہرو
۱۳-مطالعہ مذاہب: مظہر الدین صدیقی

عربی:

۱-اديان الهند الكبرى، دكتور أحمد شلبى، مكتبة النهضة، المصرية ۱۹۸۱م.
۲-محاضرات فى مقارنات الأديان، الشيخ محمد أبوزهرة-مطبعة يوسف-مصر.
۳-حقائق عن الهند، منشورات قلم الاستعلامات الهندى.
۴-حضارة الهند، غوستاف لوبون.
۵-أديان العالم الكبرى، لخصه عن الانجليزية حبيب سعد.
۶-الله، عباس محمود العقاد.
۷-تاريخ الاسلام فى الهند، عبد المنعم النمر.
۸-فلسفة الهند القديمة، محمد عبدالسلام.
۹-فصول فى اديان الهند الكبرى: ضياء الرحمن الاعظمى.
۱۰-الموسوعة الميسرة فى الاديان والفرق والمذاهب المعاصرة: الندوة العالمية للشباب الاسلامى، الرياض.

انگریزی:

1- Weech and Rylands: Peoples and Religions of India.
2- Hinduism Ed. by lewis Renou.
3- A Short History of the World.
4- Edgerton, Franklin, Trans. Bhagavad Gita. New York: Harper and Row, 1965.
5- Hinnells, John R. and Sharpe, Eric J., Hinduism. Newcastle: Oriel Press, 1972.
6- Hopkins, Thomas J. The Hindu Religious Tradition. Encino, Calif.: Dickenson, 1971.
7- Judah, J. Stillson. Hare Krishna and the Counterculture. New York: John Wiley and sons, 1974.
8- Nikhilanada, Swami, Trans. The Upanishads. 4 vols. New York: Harper and Bros., 1949-1959.
9- Renou, Louis, ed. Hinduism. New York: George Braziller, 1961.

باب ہفتم

سکھ مت

سکھ کے لغوی معنی ہیں سیکھنے والا، تعلیم پانے والا، نصیحت پذیر، شاگرد رشید، چیلا۔ سکھ کو سکھ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس مذہب میں نروان کا حصول کسی گرو کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔

سکھ کا اصطلاحی مفہوم ہے بھگتی مت سے متاثر ہندوؤں کی وہ جماعت جس نے ہندو دھرم اور اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے ایک نئے مذہب کی بنیاد اس کلمہ کے ساتھ ڈالی کہ ''نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان''۔ یہ جماعت مسلمانوں کی شدید مخالف رہی ہے نیز انھوں نے اپنے ایک مخصوص وطن کے حصول کے لیے ہندوؤں سے بھی طویل معرکہ آرائی کی ہے اور ہند پر انگریزوں کے غلبہ کے دوران یہ لوگ ان کے شدید حامی رہے ہیں۔

سکھ مت کے ظہور کا تاریخی پس منظر

بارہویں صدی میں دہلی سلطنت کے قیام کے بعد جب مقامی ہندوستانی تمدن اور اسلامی تہذیب کے درمیان تہذیبی لین دین شروع ہوا تو بھگتی مت (یعنی خدائے واحد کی عقیدت ومحبت کے ساتھ پرستش) جو ہندوستان کی بہت ہی قدیم روایت تھی اس میں کچھ مخصوص رجحانات پیدا ہونے شروع ہوئے اور پورے ملک پر چھا گئے، اس دور میں بھگتی تحریک میں ایسے متعدد سنت اور روحانی بزرگ پیدا ہوئے جو اگرچہ معبود حقیقی اور خدائے واحد کی یاد کے لیے ہندی اصطلاحات رام، ہر، سوامی وغیرہ استعمال کرتے ہیں، لیکن ان سے اس کی مراد وہی خالق کائنات ہوتا ہے جس کی کوئی مادی شکل نہیں ہے اور جو اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک ہے۔

بھگتی تحریک کے اہم صوفی سنتوں میں رامانند، روی داس، کبیر داس، شیخ فرید، نام دیو،

جے دیو، دھنا، پیپا، سادھنا، بینی وغیرہ مشہور رہے ہیں۔ان کی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

[۱] عشق ومحبت پر مبنی پرستش الٰہ [۲] وحدت الوجود کا نظریہ [۳] مساوات کا تصور اور ذات پات کی شدید مخالفت [۴] رحم اور ہمدردی، بے نفسی، خاک ساری، ایثار، خدمت خلق کو نمایاں کرنا [۵] ظاہری احکام اور رسومات کی جگہ باطنی کیفیت اور خدا سے قلبی لگاؤ پر زور۔

اس تحریک کے بعض بزرگوں کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کشمکش کا خاتمہ اور بعض کے نزدیک اسلام کے بڑھتے اثرات کا ازالہ اور اس پر روک لگانا تھا۔یہ وہ تاریخی پس منظر ہے جس میں سکھ مت کے بانی گرونانک نے آنکھیں کھولیں۔

گرونانک کی مختصر سوانح حیات

گرونانک ۱۵/اپریل ۱۴۶۹ کو وسطی پنجاب میں لاہور سے تقریباً چالیس یا پچاس میل جنوب مغرب میں واقع ایک گاؤں تلونڈی میں پیدا ہوئے جو اب ننکانہ صاحب کہلاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام مہتا کالو اور ماں کا نام تھرپتا تھا۔آپ کے والد مقامی مسلم زمین دار رائے بلار کی سرکار میں منیم کے عہدے پر فائز تھے۔آپ کا خاندان انتہائی ایمان دار اور محنتی تھا۔مذہبی پرہیزگاری کے لحاظ سے بھی یہ خاندان اپنے پاس پڑوس کے گاؤں میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

تعلیم وتربیت

آپ نے اپنے زمانے کے عام دستور کے مطابق سنسکرت اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کے ساتھ ساتھ گاؤں کی مسجد میں عربی و فارسی کی بھی تعلیم حاصل کی۔آپ نے پنڈھا سے ہندی، پنڈت برج ناتھ سے سنسکرت اور سید حسین سے فارسی پڑھی۔تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے وہ سارا کچھ سیکھ لیا جو اُن کے استاد اُن کو پڑھاتے تھے۔

مذہبی استغراق

آپ بچپن ہی سے تلاشِ حق میں لگ گئے۔اس مذہبی استغراق کو دیکھتے ہوئے آپ کے دنیوی مستقبل کے بارے میں آپ کے والد بہت پریشان رہتے تھے۔کھیتوں کے کھدائی کے

کام، دکان چلانے کا کام اور اسی طرح کے کئی دوسرے کاموں میں لگائے گئے، لیکن آپ کا دل کسی کام میں نہ لگا۔ والد کی انتہائی کوششوں کے باوجود آپ دنیوی اعتبار سے کسی منفعت بخش کاروبار میں قدم جمانے سے احتراز کرتے رہے۔ روایات میں باپ اور بیٹے کی اس مادی و روحانی رجحانات کی کشمکش سے متعلق بہت سے واقعات منقول ہیں۔ آپ کی افتادِ طبع پر روشنی ڈالنے والا ایک واقعہ یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مختلف طریقوں کے ناکام ہو جانے پر مہتہ کالو نے اپنے صاحبزادے کو ایک معقول رقم دے کر گاؤں کے ایک آدمی کے ساتھ کر دیا تاکہ گرونانک قریب ترین بازار میں جا کر تجارت کے لیے سامان خریدیں اور آزادانہ طور پر اپنے کاروبار کی ابتدا کریں۔ گرونانک صاحب جو اُس وقت عنفوانِ شباب کی سرحدوں میں قدم رکھ رہے تھے اور روحانی طلب میں سرگرداں رہتے تھے اس موقع پر انکار نہ کر سکے اور تجارت کی رقم لے کر ''نفع بخش سودا'' کرنے کی غرض سے بازار کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستہ کے جنگل میں ان کی ملاقات سادھوؤں کی ایک جماعت سے ہوئی جو کئی وقت سے فاقہ کشی میں مبتلا تھے۔ ان سے دریافت حال کے بعد گرونانک صاحب بازار پہنچے اور سامان تجارت کی جگہ تمام پونجی ان سادھوؤں کے لیے کھانے پینے کا سامان خریدنے میں خرچ کر دی۔ بازار سے لوٹ کر ان سادھوؤں کو کھانا کھلانے کے بعد اپنے نزدیک ''نفع بخش سودا'' کر کے گرونانک گاؤں واپس ہوئے۔ اس سلسلہ میں جو ہنگامہ ہوا اس میں مہتہ کالو کے سرپرست مقامی زمین دار کو بھی جو گرونانک کے طرف دار تھے مداخلت کرنی پڑی۔ بالآخر گرونانک کو ان کے بہنوئی جے رام کے پاس سلطان پور بھیج دیا گیا۔

شادی

اس مذہبی استغراق کو دیکھتے ہوئے گھر والوں نے آپ کی شادی کر دی کہ ہو سکتا ہے شادی کے بعد ان کے خیالات میں تبدیلی آئے۔ چنانچہ یکم اپریل ۱۴۸۵ کو آپ کی شادی بٹالہ کے بابا مُحل جی کی بیٹی ''سا کھنی'' یا ''کولا بائی'' سے کر دی گئی، جس سے آپ کے دو بیٹے سری چند اور لکشمی داس پیدا ہوئے۔

سلطان پور میں آپ کے شب و روز

سلطان پور میں ملازمت کے دوران جس کی مدت آٹھ یا نو سال سے زیادہ نہ تھی گرونانک نے اپنے روحانی ذوق کی تسکین کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ اس دور کے بھگتی کے رجحانات کے زیرِ اثر انھوں نے بھی اپنے طور پر خدائے واحد کی پرستش اختیار کر رکھی تھی۔ چونکہ وہ خود بہت حساس طبیعت کے مالک تھے اور شعر کہنے پر قدرت رکھتے تھے اس لیے وہ اپنی روحانی کیفیت کے دوران خدائے واحد کی حمد و ثنا اور عشقِ حقیقی میں ڈوبے ہوئے اشعار مرتب کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ اندھیرے میں اٹھ کر اپنے بچپن کے ساتھی "مردانہ" کے ساتھ (جو رباب بہت اچھا بجاتا تھا) شہر کے پاس بین ندی کے کنارے پہنچ جاتے تھے۔ ندی کے ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے کے بعد وہ وہیں ندی کے کنارے بیٹھ جاتے اور دن چڑھے تک خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اپنے اشعار میں کیرتن کی شکل میں کرتے رہتے تھے۔ جب کہ مردانہ اپنے رباب کی موسیقی سے ان کا ساتھ دیتا تھا۔ اسی طرح شام کو بھی روزمرہ کے معمولات سے فراغت پا کر رات گئے تک یادِ الٰہی کی محفل جمتی تھی۔ ان محفلوں میں اکثر کچھ دوسرے عقیدت مند بھی شامل ہو جاتے تھے۔ ایک مدت تک گرونانک کے شب و روز اس طور پر گزرنے کے بعد ایک دن ان کی زندگی میں وہ سب سے اہم واقعہ پیش آیا جس سے منسلک روحانی تجربہ نے ان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن صبح کو جب گرونانک اپنے معمول کے مطابق بین ندی میں غسل کے لیے گئے تو آپ کے کپڑے اس کے کنارے پائے گئے۔ تمام لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ ندی میں ڈوب گئے ہیں۔ نواب دولت خاں نے جو گرونانک کو بہت عزیز رکھتا تھا اور تمام متعلقین نے غوطہ خوروں اور جال ڈالنے والوں کے ذریعہ انتہائی کوشش کی کہ نعش ہی دستیاب ہو جائے مگر ان کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ ندی میں غائب ہونے کے تین دن بعد وہ دوبارہ ظاہر ہوئے۔ لوگوں کی انتہائی حیرت اور استفسارات کا جواب انھوں نے مکمل خاموشی سے دیا اور اگلے روز جب انھوں نے زبان کھولی تو پہلا کلمہ ان کی زبان سے یہی نکلا "نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان"۔ سکھ روایات کے بموجب اس دوران گرونانک صاحب خدا کے حضور میں تھے جہاں انھیں براہ راست خدا کی طرف سے عشقِ الٰہی کا کام عطا ہوا اور ذکرِ الٰہی کی اشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی۔

سکھ مت کے عقائد

توحید باری

سکھ مت خدائے واحد کا قائل ہے۔ گوپال چند سنگھ گرو گرنتھ صاحب کے مقدمہ میں ذات باری پر سکھ مت کے اعتقاد کو یوں بیان کرتے ہیں:

"خدا کی ذات ازلی ہے۔ وہ خالق اور ہر چیز پر محیط ہے۔ تمام علتوں کی علت ہے۔ حسد اور نفرت سے دور ہے۔ وہ کسی مخصوص فرقہ کا نہیں بلکہ سب کا خدا ہے۔ عادل، رحیم اور کریم ہے۔ اس نے انسانوں کو ان کے گناہوں پر عذاب دینے کے لیے نہیں بلکہ ایک عظیم مقصد یعنی اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔"

خالق کائنات کی یہ صفات سکھ مت نے اسلامی عقائد سے لی ہے۔ مثلاً "خدا کی ذات ازلی ہے۔" یہ صفت اس آیت سے ماخوذ ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

(الحدید:۳)

"وہ پہلا بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

"وہ خالق ہے۔" سورۃ الفرقان میں ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ (الفرقان:۲)

"اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور پھر اس کی تقدیر بنائی۔"

"وہ مخصوص فرقہ کا نہیں بلکہ سب کا خدا ہے۔" یہ صفت قرآن میں جابجا مذکور ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ (البقرہ:۲۱)

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی شاید کہ تمہارے دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔''

''وہ عادل ہے'':

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ (الانعام:۱۱۵)

''اور تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل وانصاف کے لحاظ سے مکمل ہو گیا ہے۔ اس کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

''وہ رحیم ہے''۔ ارشاد باری ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ (البقرۃ:۱۶۳)

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے نہیں ہے، کوئی معبود سوائے اس رحمٰن کے جو بے حد رحم کرنے والا ہے''

''وہ کریم ہے'':

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ (الانفطار:۶)

''اے انسان کس چیز نے تمہیں تمہارے کریم ومہربان پروردگار کے تعلق سے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔''

سکھ مت کے نزدیک انسان کی تخلیق کا مقصد بندگی رب ہے۔ یہ عقیدہ بھی قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات:۵۶)

''ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا فرمایا سوائے اس کے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

صفات الٰہی

اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے گرونانک لکھتے ہیں:

[۱] پروردگار اس کائنات کی جملہ اشیاء کا خالق ہے خواہ وہ محسوس اشیاء ہو یا غیر محسوس۔قرآن کریم میں ہے:

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:۹۶)

"اور اللہ نے ہی تمہیں بھی پیدا فرمایا ہے اور تمہارے اعمال کو بھی۔"

[۲] وہ تخلیق کائنات میں کسی چیز کا محتاج نہ تھا۔قرآن مجید میں ہے:

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا (مریم:۹)

"اس نے کہا ایسے ہی ہوگا تیرا رب کہتا ہے یہ میرے لیے آسان ہے اور میں تو تمہیں اس سے پہلے اس وقت پیدا کر چکا ہوں جب تو کچھ بھی نہ تھا۔"

سورۂ دہر میں ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا (الدہر:۱)

"کیا انسان پر ایک زمانہ ایسا نہیں گزرا جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا"۔

[۳] خدا کا ادراک حواس خمسہ کے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا۔قرآن مجید میں ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام:۱۰۳)

"نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں درآنحالیکہ وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ ہے باریک بیں اور باخبر۔"

مقصد زندگی

سکھ مت کے نزدیک بھی ہندومت کی طرح زندگی کا مقصد نروان (یعنی انسانی روح کا برہما کی روح سے جاملنا اور آواگون کے چکر سے اس کا نجات پا جانا) ہے۔ البتہ اسلام سے متاثر

ہونے کی بنا پر جب انھیں نروان کے دلائل پیش کرنے میں دشواری محسوس ہوئی تو انھوں نے نروان کے حصول کے تصور میں تھوڑی سی تبدیلی کرلی، یعنی آواگون کے چکر سے نجات بندگی کے بغیر ممکن نہیں۔البتہ اگر اللہ کی مشیت ہو تو وہ کسی روح کو آواگون کے چکر سے نجات دے سکتا ہے۔

عقیدہ حلول واتحاد

سکھ مت حلول واتحاد کا قائل ہے۔ گروگرنتھ صاحب میں ہے:

''اے خدا تو ہی قلم ہے اور تو ہی تحریر اور تو ہی سیاہی ہے اور تو ہی میز۔''

ایک دوسرے مقام پر گرونانک کہتے ہیں:

''اے خدا اس کائنات میں صرف تُو ہے کوئی دوسرا نہیں۔''

ایک اور قطعہ ہے:

''تو ہی مچھلی ہے اور تو ہی جال اور تو ہی شکاری، اے خدا اس کائنات میں صرف تیری ہی ذات ہے تیرے علاوہ کوئی اور نہیں۔''

مذکورہ بالا اشعار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ خالق کائنات میں سمویا ہوا ہے۔ جو کچھ موجود ہے اور جو انسان سے جانا جاسکتا ہے وہ سبھی خالق کا وجود اور اس کا نور ہے۔ روحانیت کی آنکھ سے ہر شے میں خالق کو دیکھنا یہ نروان اور مذہبی زندگی کی معراج ہے۔

وحدت ادیان

سکھ مت بھگوت گیتا کے اس نظریہ سے پوری طرح متفق ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کسی بھی مذہب کی پیروی کافی ہے۔ گرونانک کہتے ہیں: ''ہندوؤں کے چھ فکری مدارس ہیں، ہر مدرسہ کا کوئی نہ کوئی مؤسس اور بے شمار پیروکار ہیں، ان مدارس کے بانی ایک ہی چشمہ صافی سے سیراب ہوتے ہیں خواہ تقالید، عادات اور مظاہر میں کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو، تو جو مدرسہ بھی خالق کائنات کی عظمت وقدرت کا مانتا ہو تم اس پر ایمان لاؤ کیونکہ اس پر ایمان لانے والوں میں روحانی ترقی مضمر ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ اس دنیا میں سورج تو ایک ہی طلوع ہوتا ہے پھر بھی اس خطۂ ارض کے مختلف علاقوں کی فضائیں اور موسم مختلف ہوتے ہیں۔ اے نانک اللہ تعالیٰ تو ایک ہی ہے اگرچہ اس کی عبادت کی شکلیں مختلف ہیں اور اس کی مخلوقات کے

مظاہر متنوع ہیں۔"

مشہور سکھ رہنما گرو گووند سنگھ کہتے ہیں: "مندر و مسجد اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی عبادت و نماز میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

عقیدۂ رسالت

گرو نانک سے لے کر چوتھے گرو رام داس تک سکھ مت اسلام کے عقیدۂ رسالت سے متفق رہا ہے البتہ پانچویں گرو گرو ارجن داس نے جب گرو کی گدی سنبھالی تو انھوں نے سابق گروؤں کی الوہیت کا اعلان کر دیا اور عقیدۂ رسالت کے بجائے عقیدہ اوتار کا نظریہ عام کیا، چنانچہ اب سکھ مت عقیدہ اوتار پر اسی طرح یقین رکھتا ہے جس طرح ہندو دھرم، البتہ سکھوں کے نزدیک خدا شری رام اور کرشن کے بجائے گرو نانک، گرو انگد، گرو امر داس، گرو رام داس، گرو ارجن، گرو ہر گووند، گرو ہری رائے، گرو ہری کرشن، گرو تیغ بہادر اور گرو گووند سنگھ کے روپ میں برائیوں کے خاتمہ اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے تشریف لائے ہیں۔ البتہ گرو گووند سنگھ آخری مصلح ہیں یا ابھی یہ سلسلہ جاری رہے گا اس سلسلہ میں سکھ مت دو فرقوں میں منقسم ہو گیا۔ جمہور کے نزدیک گرو گووند پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور اب تا قیامت سکھوں کی رہنمائی گرو گرنتھ صاحب کرے گی جب کہ ایک فرقہ ہر دور میں اپنا ایک گرو منتخب کرتا ہے جو حسب ضرورت شرعی قوانین کی وضاحت اور گرو گرنتھ صاحب کی تفسیر بیان کرتا ہے۔

فلسفہ حکم و رضا اور فضل

سکھ مذہب میں بالخصوص دو فرائض پر زور دیا گیا ہے جو یہ ہیں۔ حکم یعنی امر ربی کے تابع رہنا اور رضا یعنی رضائے الٰہی کو ہر حالت، دکھ سکھ میں ماننا اور زندگی کے مصائب میں شکایت نہ کرنا بلکہ انھیں مشیت ایزدی مان کر صبر و حلم سے ان کو برداشت کرنا۔ عبادت سے انسان کو خدا کا راستہ مل جاتا ہے، مگر وصال الٰہی کے لیے فضل (اللہ کی انسان کے تئیں محبت) درکار ہے۔

تناسخ (مکتی)

سکھوں کا اعتقاد تناسخ پر ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق انسان بار بار پیدا ہوتا ہے اور مرتا ہے اور جب تک اس کے اعمال میں مایا کی لوث رہتی ہے یہ سلسلہ اٹوٹ چلتا ہے۔ پیدا ہونا

اور مرنا دکھ کا کارن ہیں۔ یہ دکھ کا سلسلہ آواگون کے ختم ہونے سے ہی بند ہوتا ہے۔ زندگی کی خواہشیں ہی اس کے دکھ کے کارن ہیں۔ دکھ خواہشات پر عبور پانے سے مٹتا ہے، لیکن یہ راستہ ترکِ دنیا کا نہیں ترک ہوس کا ہے۔ جو شخص نفس اور ہوس کو ترک کر کے اپنی زندگی گزارتا ہے وہ جیون مکت کہلاتا ہے۔

گروؤں کی مختصر سوانح حیات اور ان کے اہم کارنامے

سب سے پہلے نانک نے اپنے لیے گرو کا لقب اختیار کیا۔ابتدا میں سکھ مت میں سکھ، سنت، سادھو، بھگت اور سیوک جیسی اصطلاحیں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتی تھیں لیکن اب گرو کی اصطلاح صرف پہلے دس گروؤں اور آدی گرنتھ صاحب کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔گرو کے اصطلاحی معنی ہیں وہ شخص جو اندھیروں (GU) کو دور کرتا ہو اور روشنی (RU) کی تبلیغ کرتا ہو۔ پہلے گرو، گرو نانک کے حالات زندگی اور ان کے اہم کارناموں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔اب بقیہ نو گروؤں کے مختصر سوانح زندگی اور ان کے اہم کارناموں کا ذکر کیا جارہا ہے۔

(۱) گرو انگد

آپ کا نام بھائی لہنا تھا۔۳۱ مارچ ۱۵۰۴ م کو موضع مٹے دی سراں ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد بھائی فیروز جی کے نام سے مشہور تھے اور والدہ کا نام دیاکور تھا۔۱۵۳۲ م میں ہندو دھرم ترک کر کے بدھ مت اختیار کیا اور گرو نانک کی خدمت میں اپنے آپ کو وقف کر دیا۔۲ ستمبر ۱۵۲۹ء کو گرو نانک نے بھائی بڈھا سے کہا کہ انگد کی پیشانی پر تلک کا نشان لگاؤ اور اعلان کر دو کہ میرے بعد اب یہی گرو ہوں گے۔

گرو انگد ایک انتہائی پاک باز اور راسخ العقیدہ شخصیت کے مالک تھے۔انھیں بچوں سے خاص طرح کا لگاؤ تھا۔عام آدمیوں سے بھی ان کو بہت شفقت تھی، انھیں جو کچھ بھی بطور تحفہ ملتا وہ فوراً اسے غرباء اور مساکین کو دے دیتے۔خود انتہائی سادگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔رسی اور دھاگے کا سوت بٹ کر گزارا کرتے تھے۔

گرو کی گدی سنبھالنے کے بعد آپ نے گرونانک کا قائم کیا ہوا لنگر خانہ زیادہ وسیع پیمانہ پر منظم کیا۔ لنگر کی تنظیم نے سکھوں کو ایک وحدت میں پرونے اور متحد کرنے میں زبردست رول ادا کیا۔ آپ نے گرونانک کے حلقۂ معتقدین کو مضبوط کرنے کے لیے گورمکھی (پنجاب میں اس وقت یہ زبان عوام کے درمیان بولی جاتی تھی، اس کا اپنا کوئی رسم الخط نہیں تھا) کا رسم الخط سدھارا اور گرونانک کے ایک پرانے ساتھی "بالا" کے تعاون سے گرونانک کی ایک سوانح حیات مرتب کرائی، جس میں ان کی تعلیمات بھی تلخیص کے ساتھ موجود تھیں۔ یہ سوانح حیات پنجابی نثر کی پہلی طبع شدہ کتاب ہے۔ اس رسم الخط کی بدولت عام ان پڑھ آدمیوں کو پڑھنا لکھنا سیکھنے میں آسانی ہوئی اور بھجنوں کو زیادہ مقبولیت نصیب ہوئی نیز اس سوانح نے گرونانک کے عقیدت مندوں میں اتحاد اور جماعتی احساس پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۲۹ / مارچ ۱۵۵۲ کو انھوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا اور اپنے بعد گرو امرداس کو اپنا جانشین بنایا۔

(۲) گرو امرداس

آپ ۵ / مئی ۱۴۷۸ کو امرتسر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک اچھے کھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام تیج بھان اور والدہ کا نام بخت لور تھا۔ آپ کے بھتیجے کی شادی گرو انگد کی بیٹی بی بی امرو کے ساتھ ہوئی تھی۔ بی بی امرو ایک دن کام کرتے ہوئے اپنے چچا گرو انگد کا کوئی بھجن گنگنا رہی تھیں، امرداس اس بھجن سے کافی متاثر ہوئے اور کھدور گاؤں آکر انگد کے آشرم میں ان کی صحبت اختیار کرلی۔ ۱۵۵۲ سے ۱۵۷۴ تک گرو کا فریضہ انجام دیا۔ سکھوں کی تنظیم کے لیے آپ نے پنجاب میں بکھرے ہوئے اپنے چیلوں کو ۲۲ حلقوں (منجیوں) میں تقسیم کر دیا اور ہر حلقہ کے لیے ایک آزمودہ کار اور روحانی اعتبار سے ترقی یافتہ سکھ سربراہ اور اپنا نائب متعین کر دیا۔ منجی پنجاب میں چارپائی کو کہتے ہیں، چونکہ یہ سربراہ اپنے حلقہ میں چارپائی پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت کرتے تھے اس لیے یہ حلقے بھی منجی کے نام سے موسوم ہو گئے۔ اس کے علاوہ گرو امرداس نے بعض ایسی عوامی خدمات بلا تفریق مذہب و ملت انجام دیں جن سے ان کے اثر کو عام ہونے میں بہت مدد ملی۔ مثلاً انھوں نے شہنشاہ اکبر سے درخواست کر کے ہندو عوام کے بے ۔ دوار کے تیرتھ پر جو ٹیکس عائد تھا وہ ہٹوا دیا۔ ایک سال جب اکبر کی فوجیں

پنجاب میں مقیم تھیں ان کی واپسی پر اکبر سے پورے علاقے کی مال گزاری معاف کروادی۔ انھوں نے ایک گاؤں گوندوال بھی آباد کیا اور وہاں ایک بڑی باؤلی تعمیر کرائی۔ ان رفاہی کاموں سے ان کی تحریک کو بہت تقویت حاصل ہوئی اور ہندو عوام میں سکھ مت کو اختیار کرنے کا رجحان بڑھنے لگا۔

گرو امرداس ہر سال دیوالی کے دن وبیساکھ اور ماگھ کی پہلی تاریخوں کو سکھوں کا عام جلسہ کرتے تھے، وہ ہر موقعے کے لیے نرم برتاؤ، عدم تشدد اور نفس کشی کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کا سارا زور پرہیزگار زندگی گزارنے پر تھا۔ وہ ذات پات اور نسلی برتری پر فخر کرنے کو انتہائی لغو بات کہتے تھے۔

(۳) گرو رام داس

آپ کا نام جیٹھا تھا۔ ۲۶ ستمبر ۱۵۳۴ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ہری داس اور والدہ کا انوپ دیوی تھا۔ ۱۵۷۴ سے ۱۵۸۴ تک آپ سکھوں کے گرو رہے۔ سکھوں کو ہندوؤں سے علیحدہ مذہبی جماعت بنانے کے لیے آپ نے سکھوں کی شادی بیاہ اور مرنے کے بعد کی رسومات اپنی الگ نوعیت پر متعین کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے ستی کی رسم کی بھی مخالفت کی نیز بیواؤں کی شادی پر زور دیا۔ ۱۵۷۷ میں اس مقام پر جہاں گرو نانک کی جھونپڑی رہ چکی تھی اور جہاں ایک قدرتی پانی کا ایک چشمہ تھا اکبر بادشاہ سے حاصل کر کے وہاں ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس چشمہ کو ایک بڑے تالاب کی شکل میں بنوادیا۔ بعد میں یہ تالاب امرتسر (چشمۂ آب حیات) کے نام سے مشہور ہوا اور شہر کا بھی یہی نام پڑ گیا اور دہلی سے کابل جانے والی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے اس شہر نے تجارتی اور مذہبی دونوں لحاظ سے بہت ترقی کی۔ آپ کے عہد میں سکھوں کے تعلقات اکبر بادشاہ سے کافی اچھے اور گہرے ہو گئے اور بادشاہ کی جانب سے انھیں بڑی بڑی آراضیاں اور کئی کئی گاؤں بطور عطیات ملے، جس سے سکھ مت کو کافی فروغ ہوا۔ آپ کے بعد گرو کا عہدہ آپ کی اولاد میں موروثی ہو گیا اور آپ کے چھوٹے بیٹے ۱۵۸۱ میں سکھوں کے پانچویں گرو ہو گئے۔

(۴) گرو ارجن دیو

ارجن دیو گرو رام داس کے تیسرے بیٹے تھے۔آپ ۱۵؍اپریل ۱۵۶۳ میں گوندوال میں پیدا ہوئے۔آپ کے بچپن ہی میں گرو امرداس نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ''میرا یہ پوتا سمندروں کو پار کرنے کے لیے کشتی کا کام کرے گا''۔۱۵۸۱ میں ۱۹؍سال کی عمر میں انھوں نے گدی سنبھالی اور ۱۶۰۶ تک گرو کے منصب پر فائز رہے۔سکھوں کو سیاسی اور مذہبی لحاظ سے ایک مخصوص شناخت عطا کرنے میں آپ کا غیر معمولی ہاتھ ہے۔آپ نے اپنے سے پہلے تمام سکھ گروؤں اور ان صوفی سنتوں کا کلام جو گرو نانک نے اپنی سیاحت کے دوران ہندوستان کے کونے کونے سے جمع کیا تھا مرتب کر کے سکھوں کے لیے ایک مقدس کتاب گرنتھ صاحب تیار کی جو اس دور سے لے کر ہمیشہ کے لیے سکھوں کی مذہبی زندگی کا محور قرار پائی اور دسویں گرو کے بعد تو اس کتاب کو باضابطہ گرو کا درجہ حاصل ہو گیا۔

آپ کا دوسرا اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے امرتسر میں سکھوں کے لیے ایک مرکزی عبادت گاہ تعمیر کرا کے انھیں جغرافیائی اعتبار سے بھی مذہبی مرکز فراہم کر دیا۔اس مرکزی عبادت گاہ کو ہرمندر کہا جاتا ہے ۱۵۸۸ میں اس کا سنگ بنیاد ایک مسلمان صوفی میاں میر نے رکھا تھا۔گرو ارجن خود اس کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ ساتھ کام کرتے تھے۔اس مقام پر سکھ گروؤں کی مستقل رہائش اور ان کی ذات میں امیری اور فقیری کے امتزاج کے باعث یہ جگہ سکھوں میں دربار صاحب کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

آپ کا تیسرا اہم کارنامہ (دسونتھ) عشر کو فرض کرنا تھا۔آپ نے یہ فرض کیا کہ آئندہ سے ہر سکھ اپنی سالانہ پیداوار کا دسواں حصہ بطور گرو کے نذرانہ کے اجتماعی خزانہ کے لیے وقف کر دے گا۔اس رقم کی وصول یابی کے لیے انھوں نے سکھوں کے ہر حلقہ میں ایک عامل مقرر کر دیا جو حلقہ کے تمام سکھوں سے گرو کے حصہ کی رقم وصول کر کے بیساکھی کے موقع پر گرو کی خدمت میں ''دربار صاحب'' میں حاضر ہوتا تھا۔اس طرح سکھوں کی تنظیم کے لیے ایک مضبوط معاشی بنیاد قائم ہو گئی۔سکھوں کو معاشی لحاظ سے مستحکم بنانے کے لیے آپ نے ترکستان سے گھوڑوں کی درآمد شروع کی،جس سے سکھوں میں گھوڑسواری اور عسکریت پسندی کی عادت پیدا ہوئی اور سکھ دربار کو بھی مالی منفعت حاصل ہوئی۔

گرو ارجن کے عہد میں یہ تحریک سیاسی اہمیت اختیار کرتی جارہی تھی۔ چنانچہ جب مغل بادشاہ جہانگیر کا بیٹا شہزادہ خسرو اپنے باپ سے باغی ہوکر پنجاب کی طرف بھاگا تو گرو ارجن کی خدمت میں حاضر ہوا۔گرو ارجن دیو نے نہ صرف اس کی کامیابی کے لیے دعا کی بلکہ اس کی مالی امداد بھی کی۔اس پر لاہور کے وزیر چندو شاہ (جو گرو ارجن کے بیٹے ہر گووند سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا تھا اور گرو کے انکار پر کافی ناراض تھا) نے جہانگیر کے کان بھرے۔جہانگیر نے حکم دیا کہ انھیں گرفتار کر کے چندو شاہ کے حوالے کردیا جائے اور بعد میں حسب قانون مقدمہ چلا کر ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے۔تزک جہانگیری میں جو جہانگیر کی خودنوشت سوانح عمری ہے جہانگیر نے صاف صاف کہا ہے کہ ان پر قانون اور سرکاری روایات کے مطابق مقدمہ چلایا جائے لیکن یہ افسوس کی بات ہے کہ تزک کے انگریز مترجم نے اس کے ترجمہ میں تحریف کردی اور اپنے ترجمہ میں اس حکم کو یوں بیان کردیا: "میں نے اس (گرو ارجن دیو) قتل کیے جانے کا حکم دے دیا۔"

گرو ارجن ۳۰رمئی ۱۶۰۶ کو موت سے ہم کنار ہوئے۔ان کی لاش موت کے تھوڑی دیر بعد دریائے راوی میں پھینک دی گئی۔سکھوں کا عقیدہ ہے کہ وہ سکھوں کے لیے شہید کی موت مرگئے۔آپ کا سب سے اہم کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے سکھوں میں ذات پات اور اونچ نیچ کا تعصب بالکل ختم کردیا۔گرو کی طرف عقیدت کا ایک شدید جذبہ بیدار کیا اور انھیں ایک مذہبی فرقہ بنادیا۔

(۵) گرو ہر گووند

گرو ہر گووند ارجن کے بیٹے تھے جن کی ولادت ۱۹رجون ۱۵۹۵ میں ہوئی۔۱۶۰۶ میں گرو ارجن کے قتل کیے جانے کے بعد انھوں نے گرو کا عہدہ سنبھالا اور ۱۶۴۴ تک گرو رہے۔

گرو ارجن کے قتل کی وجہ سے سکھ مغل حکومت کی مخالفت کو فرض اور ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ پہلی بار جب گرو دربار صاحب میں آئے تو پوری فوجی وردی زیب تن کیے ہوئے تھے اور کمر کے دونوں طرف دو تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔کسی نے جب اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ایک تلوار "فقیری" کی ہے اور دوسری "میری" کی ہے۔یہ گویا سکھ مذہب میں دین اور سیاست کے یکجا ہونے کا اعلان تھا۔اس وقت سے سکھ تحریک صرف ہندوؤں اور مسلمانوں کو روایتی اور رسمی

مذہب سے آزاد کر کے ایک خدا کی عبادت پر لگانے ہی کا نام نہیں رہ گئی بلکہ سیاسی وسماجی زندگی میں بھی ہندوستانی عوام کو مسلمانوں کے غلبہ سے آزاد کرانے کی علم بردار بن گئی۔ بعد کی سکھ روایت میں یہ دونوں چیزیں لازم وملزوم بن گئیں اور ایک پر چلنا دوسرے پر عمل کرنے کے مترادف قرار پایا۔

(۶) گرو ہر رائے

۱۶ر جنوری ۱۶۳۰ میں پیدا ہوئے۔ یہ گرو ہر گووند کے پوتے اور ہر دتا کے بیٹے تھے۔ بچپن ہی سے وہ نرم مزاجی اور دین داری کے لیے مشہور تھے۔ بچپن میں بھی ان کو کسی نے کوئی پھول یا پتّی توڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کو جانوروں سے بھی بہت پیار تھا، اپنی افتادِ طبع کے لحاظ سے نرم مزاج اور صلح پسند آدمی تھے اور سوائے ایک موقع کے جب دارا شکوہ اورنگ زیب کی فوجوں سے بچ کر راہ فرار اختیار کر رہا تھا انھوں نے دارا شکوہ کو بچانے میں اعانت کرنے کے علاوہ اور کوئی سیاسی اقدام نہیں کیا۔

(۷) گرو ہر کشن

گرو ہر کشن کی ولادت ۷ جولائی ۱۶۵۶ کو ہوئی۔ وہ شروع ہی سے انتہائی شیریں گفتاری اور فرماں بردار طبیعت کے لیے مشہور تھے۔ مذہبی امور پر ان کی گہری نگاہ تھی۔ آپ کے بڑے بھائی رام رائے جو اورنگ زیب کے دربار سے وابستہ تھے ان سے آپ کے والد کافی ناراض تھے اس لیے آپ کو پانچ سال کی عمر میں ہی گرو کے عہدے کے لیے انھوں نے نامزد کر دیا۔ والد کے انتقال کے بعد رام رائے کے دعویٰ مخالفانہ کی وجہ سے اورنگ زیب نے فیصلہ کے لیے کم سن گرو کو دہلی بلوایا جہاں چند سال بعد ان کا چیچک کے مرض میں انتقال ہو گیا۔ مرض الموت میں جب آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ اب دوسرا گرو کون ہوگا تو انھوں نے جواب میں صرف ''بابا بکلے'' کہا۔ سننے والوں نے اس سے اندازہ لگایا کہ گرو باکلا گاؤں میں پائے جائیں گے۔

(۸) گرو تیغ بہادر

یہ گرو ہر گووند کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ یکم اپریل ۱۶۲۰ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی شادی بی بی گوجری کے ساتھ ہوئی۔ آپ ایک منکسر المزاج، رحم دل اور سیدھے سادے

انسان تھے۔ وہ خدا کی محبت کے قائل تھے اور چاہتے تھے کہ انسان اس دنیا اور اس کی ضرورتوں سے باخبر رہے۔ ان کا ایک بہت ہی مشہور شعر ہے: ''دنیا کے دکھوں پر آنسو ضرور بہاؤ، مگر ان آنسوؤں کو ذکرِ خدا کے لیے تسبیح کا کام لو۔''

سکھ روایت کے مطابق اورنگ زیب متعصب اور جابر بادشاہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کشمیر سے کچھ برہمن گرو تیغ بہادر کے پاس آئے اور یہ شکایت کی کہ ان کو زبردستی مسلمان بنایا جا رہا ہے روایت کے مطابق گرو تیغ بہادر نے ان سے کہا کہ تم لوگ بادشاہ کے سامنے جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر گرو تیغ بہادر اسلام قبول کرلیں تو ہم سب بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ اس کی خبر جب اورنگ زیب کو ہوئی تو انھوں نے آپ کو دلی بلوایا اور حکم سنایا کہ چاندنی چوک پر اُن کا سر قلم کر دیا جائے۔ روایت ہے کہ جب ان کا سر کاٹا گیا تو وہ جپ جی پڑھ رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ ٹھیک اسی وقت اتنی زور کی دھول اڑی کہ مغل سپاہیوں کو آنکھیں بند کرلینی پڑیں، اسی اثنا میں گرو کا سر اڑ کر ایک سکھ کی گود میں چلا گیا جو اس کو لے کر آنند پور چلا گیا تاکہ ضروری رسمیں ادا کی جاسکیں۔ یہ واقعہ جمعرات دوپہر بعد کا ہے اور تاریخ ۱۱ر نومبر ۱۶۷۵ تھی، کچھ وفادار سکھ جو حلال خور طبقے سے تھے لاش کو اٹھا لے گئے اور اس کو رسم کے مطابق جلا دیا۔ لاش کی راکھیاں جہاں دفن کی گئیں وہیں پر آج کل گرودوارہ رکاب گنج ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس قتل سے اورنگ زیب کو بڑی پشیمانی ہوئی۔ اس واقعہ نے پنجاب میں سارے سکھوں کو غم وغصہ سے بیتاب کر دیا اور نہ صرف مغل بادشاہ کے خلاف بلکہ تقریباً ساری مسلم قوم کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ گرو تیغ بہادر نے اپنا سر دے کر مغلوں کے خلاف پورے شمالی ہند میں آگ لگا دی۔

(۹) گرو گووند سنگھ

گرو گووند ۱۹ر دسمبر ۱۶۶۸ میں پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۶۷۶م میں گرو دتا نے ضروری رسوم کے ساتھ ان کو گرو کی گدی پر بٹھایا۔ آپ کی شادی ۱۶۷۷م میں بھکیا کی بیٹی جیتو سے ہوئی جو اپنی خوب صورتی کی وجہ سے ماتا سندری کے نام سے مشہور ہوئیں۔

سکھوں کو ایک قوم کی حیثیت سے گرو نانک، گرو ارجن اور گرو ہر گووند کافی دور تک لے گئے اور گرو گووند سنگھ نے اس کام کو مکمل کر دیا۔ ۱۶۹۹ میں بیساکھ کے میلہ میں اپنے معتقدین کو اکٹھا ہونے کے لیے بلایا۔ جب بھیڑ اکٹھا ہوگئی تو آپ نے ان کی وفاداری کا سخت ترین

امتحان لینے کی غرض سے ایک ٹیلہ کو کسی قدر کانٹ چھانٹ کر چاروں طرف سے گھیر دیا۔ سارے لوگوں کو میدان ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا، صبح سویرے انھوں نے تلوار میان سے کھینچ لی اور ایک ہلا دینے والی آواز میں کہا: ''اگر یہاں کوئی سچا سکھ ہے تو اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے وہ مجھ کو اپنا سر دے دے۔ بہت دیر کے بعد لاہور کے دیارام کھڑے ہوگئے۔ گرو انھیں گھیرے کے اندر لے گئے اور تھوڑی دیر بعد ننگی تلوار لیے باہر آئے جس سے خون ٹپک رہا تھا۔ پھر آپ نے گرج کر پوچھا: دوسرا کون شخص ہے جو گرو کے لیے اپنا سر دینے کے لیے تیار ہے۔ رام داس آگے بڑھے۔ پھر محکم چند اور پھر صاحب چند اور ہمت چند قربان ہونے کے لیے آگے بڑھے۔ اس درمیان بھیڑ اتنی خوف زدہ ہوگئی کہ وہاں سے منتشر ہوگئی، گرو نے ان پانچ سکھوں کو جان سے نہیں مارا تھا بلکہ گھیرے میں ہر ایک بار وہ ایک بکرا مار کر خون آلود تلوار لے کر باہر آتے تا کہ دیکھنے والوں کو یہ یقین ہو جائے کہ جو آدمی ابھی گیا تھا وہ قتل ہو گیا۔ آخر گرو نے ان پانچوں کو باہر نکالا، ان کو خلعتیں پہنائیں اور ''پنج پیاروں'' کا خطاب دیا۔

اس کے بعد گرو نے سکھ بناتے وقت جو رسم ادا کی جاتی ہے اس کا آغاز کیا۔ پرانی رسم یہ تھی کہ جب کوئی شخص سکھ بنتا تھا تو اس کو وہ پانی پلایا جاتا تھا جس میں گرو کا پیر دھویا گیا ہو اس کو ''چرن امرت'' یا پاہل کہتے تھے۔ آپ نے ایک نئی قسم کی رسم شروع کی جو ''امرت چکھنا'' کہلاتی ہے۔ آپ نے لوہے کا ایک پیالہ لیا اور اس میں پانی ڈال کر اس کو ایک دو دھارے خنجر سے خوب ہلایا، اور خود اپنے مرتب کیے ہوئے کچھ سوئیوں کا ورد کیا، پھر اپنی بیوی گوجری ماتا سے مٹھائیوں کو اس پیالہ میں ڈلوایا تا کہ جو سکھ اس پانی کو پئیں وہ ایک میٹھی دوستی میں ایک دوسرے سے بندھ جائیں۔ پہلے آپ نے پنج پیاروں کو پلایا اور پھر عام لوگوں نے اسے پیا۔ گرو نے ان کو ہدایت کی کہ ہر چلو پیتے وقت وہ اس منتر کا ورد کریں ''واہے گرو جی کا خالصہ...واہے گرو جی کی فتح''۔ یہ رسم جب ادا ہوگئی تو انھوں نے ان سب ناموں کے ساتھ ''سنگھ'' جوڑ دیا۔ اس کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں سے انھیں الگ کرنے اور ان کے ملی تشخص کو معین کرنے کے لیے ہر سکھ کے لیے پانچ ''کاف'' لازمی قرار دیا۔ کیش (بال)، کنگھی، کچھا (جانگھیا)، کڑا (داہنے ہاتھ میں پہننے کے لیے) اور کرپان (تلوار)۔

آپ کی مغل حکومت کے خلاف باغیانہ کارروائیوں کی بنا پر حاکم سرہند نے ان کے

خلاف اورنگ زیب کے کہنے پر فوجی اقدامات کرنے شروع کردیے، جس سے آپ کی فوجی قوت پارہ پارہ ہوگئی۔آپ کے خاندان کے تمام افراد اس میں کام آئے۔ مالدہ کے دو مسلمان شاگردوں کی مدد سے ایک فقیر کے بھیس میں وہاں سے دکن بھاگے۔اورنگ زیب کے انتقال کے بعد معظم شاہ سے آپ کے تعلقات استوار ہوگئے۔ان کے ساتھ جنوب کے ایک سفر میں ایک خاندانی انتقام کے سلسلے میں وہ دو افغانوں کے ہاتھوں زخمی ہوگئے اور پھر جاں بر نہ ہوسکے۔ پہلے انھوں نے یہ طے کردیا تھا کہ اب آئندہ کوئی آدمی سکھوں کا گرو نہیں ہوگا بلکہ ان کی مذہبی کتاب گرو گرنتھ صاحب ہی ان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ گرو کا کام کرے گی۔

گرو کا انتقال ۷/اکتوبر ۱۷۰۸ کو ہوا، گرو اگرچہ مغل حکومت سے اپنے والد کے قتل کا انتقام نہ لے سکے، لیکن ''خالصہ'' کی تشکیل کے ذریعہ وہ جس سکھ قومیت کو سانچے میں ڈال دیے تھے اور اپنی جدوجہد کے ذریعہ اس میں جس ملی جذبہ کو پیدا کرگئے تھے اس نے مغل حکومت کے دور زوال میں اپنا خوب رنگ دکھایا اور بالآخر مہاراجا رنجیت سنگھ (۱۸۳۸۔۱۸۹۳) کی وسیع حکومت کی صورت میں اپنی معراج کو پہنچا۔

ہرمندر

ہرمندر سکھوں کی وہ مرکزی عبادت گاہ ہے جسے ان کے پانچویں گرو ارجن دیو نے امرتسر میں واقع امرتسر کے تالاب میں بنوائی تھی۔امرتسر (چشمۂ آبِ حیات) کا تالاب پہلے غیر آباد تھا گرو نانک نے اس تالاب کے پاس ایک عرصہ قیام کیا تھا، جس کی وجہ سے گرو امرداس نے اسے اکبر بادشاہ سے حاصل کرکے وہاں ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس چشمہ کو ایک بڑے تالاب کی شکل میں بنوادیا۔ بعد میں یہ تالاب امرتسر کے نام سے مشہور ہوا اور شہر کا بھی یہی نام پڑگیا۔گرو امرداس کے بعد گرو ارجن نے اس تالاب کو مزید وسعت دی اور اس کے پاس ہرمندر کی بنیاد رکھی، یوروپین مصنفین اسے گولڈن ٹیمپل آف امرتسر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہرمندر کا سنگ بنیاد لاہور کے مشہور صوفی میاں میر نے ۱۵۸۸ میں رکھا۔

ہرمندر کی اہمیت

یہ سکھوں کی سب سے اہم اور مقدس عبادت گاہ ہے۔اس مقام پر سکھ گروؤں کی مستقل

رہائش اوران کی ذات میں ''میری'' اور ''فقیری'' (سیاست اور مذہب) کے امتزاج کے باعث یہ جگہ سکھوں میں '' دربار صاحب'' کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔اس کی زیارت اور یہاں غسل گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ سکھوں کے پانچویں گروگرو ارجن دیو نے ہرمندر کی تکمیل کے بعد یہ اعلان کردیا تھا کہ رام داس کے تالاب میں اشنان کرنے سے انسان سے صادر ہونے والے تمام گناہ دھل جائیں گے اور وہ اشنان کے ذریعہ پاک ہو جائے گا۔

ہرمندر کی شہادت اور دوبارہ تعمیر

شہزادہ تیمور جو اپنے باپ احمد شاہ درانی کی طرف سے پنجاب پر حکومت کرتا تھا سکھوں کا مخالف تھا۔ ۱۷۵۶ء میں اس نے امرتسر پر حملہ کیا اور '' ہرمندر'' کو منہدم کردیا نیز مذہبی تالاب کو اس کے ملبے سے پر کردیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۱ ص ۱۵) بعد میں سکھوں نے اس کو دوبارہ تعمیر کیا۔

آدی گروگرنتھ صاحب

آدی گروگرنتھ صاحب کے مرتب گروارجن ہیں جنھوں نے اپنے اور اپنے سے پہلے تمام سکھ گرووٴں اوران صوفی سنتوں کا کلام جو گرونانک نے اپنی سیاحت کے دوران ہندوستان کے کونے کونے سے جمع کیا تھا مرتب کرکے سکھوں کے لیے ایک مقدس کتاب ''گرنتھ صاحب'' تیار کی جو اُس دور سے لے کر ہمیشہ کے لیے سکھوں کی مذہبی زندگی کا محور قرار پائی۔

''گرنتھ'' کو گرو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ گرو کے معنی ہیں استاد و رہنمائی کرنے والا۔ سکھ گرووٴں اور صوفی سنتوں کے کلام پر مشتمل گرنتھ معرفت الٰہی اور اس سے متعلق اخلاقی تعلیمات پر مبنی ہونے نیز اپنی تاثیر کے اعتبار سے انسانوں کی خدا تک رہنمائی کا سب سے موٴثر ذریعہ ہے اس لیے اسے گرو کا خطاب دیا گیا۔ دسویں گرو گووند سنگھ نے اپنے بعد انسانی گرووٴں کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے گرنتھ صاحب ہی کو آئندہ ہمیشہ کے لیے سکھوں کا گرو قرار دیا۔

اہمیت

اس کتاب کو سکھ اسی طرح احترام سے دیکھتے ہیں جیسے عیسائی انجیل کو، ہندو گیتا کو اور مسلمان قرآن مجید کو دیکھتے ہیں۔اس کو ہمیشہ ریشمی کپڑوں میں لپیٹ کر کسی اونچے مقام پر رکھا

جاتا ہے۔اس کو کسی شامیانے کے نیچے ہی کھولتے ہیں اور جب تک اس کو پڑھا جاتا ہے تب تک اس پر مور چھل سے پنکھا جھلتے رہتے ہیں، جس خاص کمرے میں اس کو رکھا جاتا ہے اس میں داخل ہونے والے کے لیے لازمی ہے کہ اس نے چند منٹ پہلے ہی غسل کیا ہو، صاف کپڑے پہنے ہوں اور اپنا سر ڈھانکے ہوئے ہو۔گرو گرنتھ کی موجودگی میں بیٹھنے کے لیے پہلے یہ ضروری ہے کہ سکھ اس کی طرف ٹھیک ویسے ہی سر جھکائے جیسے گرو کی طرف جھکایا جاتا ہے۔

مضامین

گرنتھ صاحب حمدوں اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، فلسفہ اور اخلاقیات کے مباحث بھی جا بجا منتشر ہیں۔اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ساری خوشی عشق حقیقی میں ہی مل سکتی ہے کہیں اور نہیں۔

گرنتھ صاحب میں ۳۳۸۴ حمدیں اور ۱۵۵۷۵ چوپاٹیاں ہیں۔ان میں سے ۲۵ کو پانچویں گرو نے اور ۱ ۔۔۔ ۵ کو پہلے گرو نے لکھا تھا، چھٹے، ساتوں، آٹھویں اور دسویں گرو کے علاوہ باقی سارے گروؤں کا کچھ کلام اس میں موجود ہے۔گرو ارجن نے کافی تعداد میں مسلمان صوفیوں اور ہندو سنتوں کا کلام بھی اس میں شامل کرلیا ہے۔یہ صوفی سنت ۱۱۵۰ سے شروع ہو کر ۴۰۰ برس کی مدت کے زمانہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ان منظومات کے علاوہ پانچ گروؤں کی تعریف میں مختلف سوئیے ہیں، جن کو ۱۷ امیر ابتوں نے الگ الگ زمانوں میں لکھا ہے۔ان کے علاوہ مردانہ کی نظم کردہ حمدیں بھی ہیں۔اس طرح کل ملا کر اس میں ۴۲ مصنفوں کا کلام ہے۔

گرو گرنتھ کا موجودہ نسخہ طبع شدہ صورت میں ۱۴۳۰ صفحات پر مشتمل ہے جسے ۳۳ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا باب گرونانک کے تصنیف کردہ ''جپ جی'' سے شروع ہوتا ہے، جسے سکھ لوگ روزانہ پڑھتے ہیں۔اسی باب میں گرونانک کی کچھ پوریاں (Paurids) بھی شامل ہیں۔آخری باب میں بھٹ (Bhathas) مخصوص گوئیے لوگوں کی تخلیقات مثلاً اشلوک اور سوئیے درج کیے گئے ہیں۔بقیہ ۳۱ ابواب کے نام مختلف کلاسیکی راگوں کے نام پر رکھے گئے ہیں۔اس حصہ کی تالیفات میں ایک خاص بات یہ ہے کہ پہلے سے متعین شدہ راگوں اور دھنوں میں ہی ان کا پاٹھ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

سکھ مت کی خصوصیات

[۱] سکھ مت کرم، سمرن، گیان اور مکتی کے چار نکاتی اصولوں کا پوری طرح سے موید ہے۔ (بحوالہ جپ جی۔20-25) عہد حاضر میں یہ اصول ہندوازم کی کسی بھی صورت کی امتیازی خصوصیت ہیں۔

[۲] ہندوستان کی کسی بھی دوسری مذہبی روایت کے مقابلہ میں سکھ ازم میں گرو کو زیادہ نمایاں طور پر مرکزی حیثیت دی گئی ہے، حتی کہ خدا کے لیے ایک نام ''واہے گرو'' بھی رکھا گیا ہے۔

[۳] پانچ ککاروں کا خصوصی عہد نامہ فرائض میں شامل کیا گیا ہے۔

[۴] ہندوازم کے برعکس سکھ ازم اس بات کو تمام سکھوں کا فرض قرار دیتا ہے کہ وہ سماجی ناانصافیوں کے خلاف اور اپنے عقیدے کی دفاع میں جنگ کریں۔

[۵] سکھ ازم میں خالص وحدت الوجود (Monism) کی تعلیم عام کی گئی ہے۔

[۶] اسی مطابقت سے سکھ ازم اوتاروں کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ کوئی پہلا، آخری یا خصوصی پیغمبر بھی ہوسکتا ہے۔

[۷] سکھ ازم یہ تسلیم کرتا ہے کہ صرف ایک خدا (ایک اونکار) غیر مرئی شکل میں اور مرئی شکل میں ہے۔ ''اونکار'' اپنی لاتعداد صفات کے ساتھ موجود ہے جس کے مختلف نام ہوسکتے ہیں۔

[۸] سکھ ازم ذات برادری، بت پرستی، رسومات اور ظاہرداری کے تکلفات کے خلاف ہے۔

[۹] سکھ ازم یہ تعلیم دیتا ہے کہ ''مایا'' خدا کی خلاقیت کا اظہار ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ انسان میں پانچ روایتی گناہ یعنی ''کام'' (لذت نفس)، ''کرودھ'' (غصہ)، ''لوبھ'' (حرص)، ''موہ'' (دنیوی لگاؤ) اور ''اہنکار'' (انانیت) کو بھی جنم دیتی ہے، ان برائیوں کو دعا، مراقبہ اور خدمت خلق کے ذریعہ ختم کیا جاسکتا ہے۔

[۱۰] گرونانک نے خود کو مکمل طور پر خدا کے حوالہ کرکے ''نام سمرن'' (ورد مسلسل) پر خاصا زور دیا ہے اور یہ بات کبیر پنتھ میں بھی پائی جاتی ہے، بریں بنا سکھ ازم کو ''سنت مت''

کا نام بھی دیا گیا ہے۔

[11] سنت شاعروں مثلاً رَے داس اور کبیر کی طرح سکھ ازم میں بھی مایا کے جال سے چھٹکارا پانے کے لیے بھکتی کا راستہ تجویز کیا گیا ہے۔

[12] گرونانک نے سنیاس نہیں تجویز کیا بلکہ وہ ''مکتی'' کی راہ میں خانگی زندگی کو رکاوٹ بھی نہیں سمجھتے اور اسے سماجی زندگی کا ایک اہم شعبہ قرار دیتے ہیں۔

[13] سکھ ازم اگرچہ ہندو کلچر اور ہندو تصور کائنات سے وابستہ ہندوستانی مذہب ہے تاہم وہ ویدک ہندو ازم اور اسلام دونوں ہی سے ماوراء اور آزاد ہے۔

[14] اس کے ساتھ ہی سکھ ازم میں یہ تعلیم بھی نہیں دی جاتی کہ ہندو ازم یا اسلام غلط ہیں بلکہ سکھ ازم ہندوؤں اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ رسومات اور ظاہر داری کی پرواہ کیے بنا اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے بہتر اخلاقی زندگی گزاریں اور سماج کی خدمت کریں۔

[15] سکھ ازم مقامی زبانوں کی حمایت کرتا ہے، لیکن اس کی اپنی زبان گورمکھی ہے۔ گرو گرنتھ صاحب اسی رسم خط میں لکھا گیا ہے اور گرنتھ صاحب کے بارے میں چونکہ سکھ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ سکھوں کو خود پسند (Centeedeger ۔ من مکھ) بنانے کے بجائے خدا پسند (God Centered گرومکھ) بناتا ہے، لہٰذا اس رسم خط کا نام بھی گرومکھی رکھا گیا ہے۔

سکھ مت کے فرقے

سکھوں کے فرقے اور ذیلی فرقے کئی ہیں، لیکن مشہور دو ہیں: [1] کیس دھاری [2] سہج دھاری۔ اول الذکر پاہل شدہ سکھوں کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لیے گرو گووند سنگھ کے کٹر پیرو ہیں۔ مؤخر الذکر حقیقت میں وہ سکھ تھے جنھوں نے اس کی پاہل کی رسم کو تسلیم نہیں کیا اور جنگجو خالصاؤں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسرے مشہور فرقے یہ ہیں:

[1] نانک پنتھی

جو جنگجو تو نہیں مگر سکھ ہی سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ان قدیم گروؤں کے پیروکار ہیں جو گرو گووند سنگھ کی بتائی ہوئی رسموں اور طور طریقوں کی تقلید کو ضروری خیال نہیں کرتے، لہٰذا ان کی خصوصیات زیادہ تر سلبی اور منفیانہ ہیں۔ وہ تمباکو نوشی کی ممانعت نہیں کرتے اور نہ ہی وہ لمبے بال

رکھنے پر مصر ہوتے ہیں۔ وہ پاہل شدہ نہیں ہوتے۔ دوسرے الفاظ میں وہ سہج دھاری فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

[۲] اداسی

تارکین دنیا بھی نانک پنتھیوں کی طرح سہج دھاری فرقے میں شامل ہیں۔ وہ متقشفین کے اس سلسلے کی نمائندگی کرتے ہیں، جس کی بنیاد نانک کے بیٹے سری چند نے رکھی تھی۔ وہ مجرد رہتے ہیں اور ان کے اصول وعقائد میں ہندوؤں کے عقائد کی بہت زیادہ جھلک پائی جاتی ہے۔

[۳] اکالی

اکال یعنی خدائے لایزال کے پرستار اکالی جنگجو فرقہ ہونے کی حیثیت سے جس کی بنیاد گووند سنگھ نے رکھی تھی وہ ذاتی طور پر دوسرے تمام سکھی سلسلوں سے مختلف ہیں۔ وہ اکثر سکھوں سے زیادہ کٹر عقائد کے حامل ہیں اور ان میں اب تک مخصوص جنگی روح باقی ہے۔

[۴] بندائی یا بندہ پنتھی

یعنی وہ سکھ جنھوں نے بندہ کو گیارہواں گرو تسلیم کیا تھا، خالصے بندہ کی بدعات کے برعکس گرو گووند کے عقائد کے شدید پابند ہیں۔

[۵] مذہبی

مذہبی (عام تلفظ مزبی) خاکروبوں کے جماعت کے ان افراد کے نمائندے ہیں جو پاہل کی رسم کے ذریعے سکھ بنے تھے۔

سکھ مت پر ہندو دھرم کے اثرات

سکھ مت سب سے زیادہ ہندو مت سے متاثر ہوا ہے، البتہ سکھ مت نے ہندو دھرم کے عقائد و رسوم کو نئے افکار و نظریات سے ہم آہنگ بنانے کی بھی کوشش کی ہے۔ چونکہ ہندو دھرم متفق علیہ بنیادی اصولوں سے خالی ہے لہٰذا اس نے سکھ مت کے افکار و نظریات کو بلا چوں و چرا قبول کر لیا اور سکھ مت کو اپنا ایک فرقہ سمجھنے لگے۔

سکھ مت پر ہندو دھرم کے اثرات کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) مقصد زندگی

ہندو دھرم کے نزدیک مقصد زندگی نروان (روح کا انسانی بدن سے نکل کر برہما کی ذات سے جا ملنا اور آواگون کے چکر سے نجات پا جانا) کا حصول ہے، سکھ مت کے نزدیک بھی مقصد زندگی یہی ہے۔ البتہ سکھ مت نے اسلام کی روشنی میں جب اس عقیدہ کے لیے دلائل و براہین کی فراہمی مشکل دیکھی تو مشیت ایزدی کا اضافہ کر دیا۔ (یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آواگون سے کسی کو نجات محض اپنے فضل و کرم سے بھی دے سکتا ہے) حالانکہ ہندو دھرم اس استثناء کا قائل نہیں ہے (سوائے بعض مفکرین کے کیونکہ اس کے مان لینے کی صورت میں غیر برہمن بھی نجات پا سکتا ہے)۔

(۲) حلول واتحاد کا عقیدہ

ویدانت کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ روح، برہما اور کائنات تینوں ایک ہی چیز ہے۔ انسانوں نے ان اشیاء کے درمیان تفریق عدم معرفت کی بنا پر کر لی ہے۔ اگر ہم اپنے نفوس کا تزکیہ کر لیں اور انھیں شہوت و غضب، حرص و تکبر سے پاک کر دیں اور معرفت کے حصول میں لگ جائیں تو ان تینوں اشیاء کو باہم دگر متحد پائیں گے۔ ویدانت کی ان تعلیمات کو سکھ مت نے بعینہٖ لے لیا ہے، گرونانک گرنتھ صاحب میں لکھتے ہیں: ''اے خدا تو ہی قلم ہے اور تو ہی تحریر اور تو ہی سیاہی ہے اور تو ہی میز''۔ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''اے خدا اس کائنات میں صرف تیری ہی ذات ہے تیرے علاوہ کوئی اور نہیں''۔ ایک جگہ ہے: ''تو ہی مچھلی ہے اور تو ہی جال اور تو ہی شکاری، اے خدا صرف تو ہی ہے تیرے علاوہ کوئی اور نہیں''۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سکھ مت عقیدۂ توحید کے ساتھ عقیدۂ حلول واتحاد کا بھی قائل ہے۔

(۳) ہندو دھرم کے دیوتا

سکھ مت کا دعویٰ ہے کہ وہ توحید کا قائل ہے بلکہ توحید کا جو صاف و شفاف تصور ان کے یہاں پایا جاتا ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے توحید کا یہ عقیدہ

جملہ ادیان و مذاہب سے لیا ہے اور اسے شرک کی آلودگیوں سے پاک و منزہ کر لیا ہے اور اس کے لیے عقلی و وجدانی دلائل فراہم کیے ہیں، لیکن قاری یہ دیکھ کر حیرت و استعجاب میں پڑ جاتا ہے کہ ایک جانب خالص توحید کا یہ دعویٰ اور دوسری جانب ان کی مذہبی کتابوں میں ہندو دیوی دیوتاؤں کی یہ تمجید:

> ”خدا ہی وشنو ہے اور وہی شیو ہے، وہی برہما ہے اور وہی پاروتی اور وہی لکشمی، جو شخص خدا کی تعبیر بیان کرنا چاہتا ہو معرفت خداوندی نہ ہونے کی بنا پر گونگا رہ جاتا ہے، اس بات کے شاہد پُران، کرشن، بدھ اور راہب ہیں۔اے خدا ”دھرمادیو“ آپ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں۔“ (باب جپ جی)

یہ اقتباس گروگرنتھ صاحب کے پہلے باب کا ہے جو سکھوں کے گہرے شرک میں ڈوبے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۴) گانا اور موسیقی

ہندو راہبائیں خدا کے تئیں اپنی محبت اور لگاؤ کا اظہار گانے اور موسیقی سے کرتی رہی ہیں۔انھیں گوپیاں کہا جاتا ہے۔یہ سری کرشن کی عاشق تھیں۔مغلیہ عہد میں میرا بائی (۱۵۱۶-۱۵۴۶) راہبوں اور سادھوؤں کے ساتھ مختلف خانقاہوں اور مندروں کا دورہ کرتی اور انھیں اپنی حسین آواز اور پرشوق لحنوں سے مسحور کرتی تھی۔وہ کرتال بجاتے ہوئے ”براندا“ اور دوآرکا کی عبادت گاہوں میں کرشن کے مجسموں کے سامنے رقص کرتی تھی، دھیرے دھیرے موسیقی ہندو مذہب کے رگ و ریشہ میں داخل ہوگئی۔سکھ مت بھی خدا سے اپنی محبت کا اظہار موسیقی بجا کر کرنے کا شروع سے قائل رہا ہے۔گرونانک جب حمد الٰہی میں مستغرق ہوتے تو ان کے ساتھ مردانہ موسیقی و رباب بجاتے، جس کی تان میں گروجی حمد الٰہی میں ڈوب جاتے۔

گروجی گروگرنتھ صاحب کو بھی گانے کے لحنوں کے لحاظ سے ہی مرتب کیا ہے۔۳۱ لحن اس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔کتاب کے آخر میں ان لحنوں کی ایک طویل فہرست ہے اور ہر لحن کی پانچ شاخیں اور آٹھ آوازیں ہیں جنھیں گرونانک نے ”بیویوں اور بچوں“ کا نام دیا ہے۔

”سکھ مت کے اکثر گرو عمدہ رباب بجاتے تھے۔گرونانک اپنی مجلسوں میں حسین آواز میں گاتے اور مردانہ طبلے پر لکڑی سے بجاتے۔انھوں نے اپنی کتاب کو شعر و نغمہ کے انداز پر مرتب

کیا ہے۔ یہاں تک کہ سکھ مت میں عبادات و رسوم کی ادائیگی بھی موسیقی پر منحصر ہے، یہ دین حسن و جمال کا مرقع ہے۔ ہر سکھ کی رگ میں موسیقی ویسے ہی حرکت کر رہی ہے جس طرح رگوں میں خون گردش کرتا ہے۔"

ہندو مت اور سکھ مت میں وجوہ اختلاف

سکھ مت نے ہندو دھرم سے متعدد امور میں اختلاف کیا ہے۔

[۱] حصول نجات کا ذریعہ
سکھوں کے نزدیک کرم مارگ (رسوم اور چڑھاوؤں کو پیش کرنا) اور گیان مارگ (علم و آگہی کے حصول میں استغراق) سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ حصول نجات کا واحد طریقہ خدائے واحد کی بندگی اور اس کے طریقہ کی پیروی ہے۔

[۲] سکھ مت میں رہبانیت حرام ہے جب کہ ہندو دھرم، بدھ مت اور جین مت کے راہب دنیا کو تمام برائیوں کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں اور نجات کے لیے دنیا سے کنارہ کشی کو واجب سمجھتے ہیں۔

[۳] آواگون کے چکر سے نجات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بھی مل سکتی ہے جب کہ ہندو دھرم اور بدھ مت اس کے قائل نہیں ہیں۔

[۴] مغفرت خداوندی کے حصول میں عورت و مرد برابر ہیں جب کہ ہندو دھرم عورت کو تمام برائیوں کا سرچشمہ خیال کرتا ہے اور جین مت کے نزدیک نجات عورت کے قالب میں نہیں مل سکتی، عورت اپنی ریاضت کے ذریعہ مرد کے قالب میں جنم لے گی اور پھر اسے نجات مل سکے گی۔

[۵] سکھ مت میں کوئی زبان مقدس نہیں ہے، خدا ہر زبان میں بندوں کی مناجات سنتا ہے، جب کہ ہندو دھرم میں برہما اپنے بندوں سے صرف سنسکرت میں خطاب کرتا ہے اور اسی زبان میں عبادتوں کو قبول کرتا ہے۔

[۶] سکھ مت میں پوری انسانیت برابر ہے، کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں بلکہ خدا کا دین سب کے لیے عام ہے۔ جو بھی اس کی شریعت کی پیروی کرے گا نجات پائے گا، جب کہ

ہندو دھرم میں برہمن مقدس ہیں اور وہی خدا کی بارگاہ میں چڑھاوں کو پیش کر سکتے ہیں اور وہی مذہبی رسوم وعبادات انجام دے سکتے ہیں۔

[۷] سکھ مت عقیدۂ اوتار کا مخالف ہے جب کہ ہندو دھرم کا یہ بنیادی عقیدہ ہے۔

سکھ مت پر اسلام کے اثرات

(۱) اسلام کی طرح سکھ مت بھی خدائے واحد پر یقین رکھتا ہے اور ذات باری کو اُن تمام صفات سے متصف قرار دیتا ہے جن سے اسلام اسے متصف مانتا ہے۔ ڈاکٹر گوپال چند سنگھ گروگرنتھ صاحب کے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''وہ ازلی خالق اور محیط ہے، حسد و نفرت سے دور اور علت العلل ہے، جملہ مخلوقات کا معبود، عادل، رحیم اور کریم ہے، اس نے انسانوں کو ان کے گناہوں پر سزا دینے کے لیے نہیں بلکہ اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔'' اسلام نے بھی خدا کو ان جملہ صفات سے متصف قرار دیا ہے۔

(۲) سکھ مت میں نجات کا دارومدار بندگیِ رب اور اس کے طریقہ کی پیروی ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تم لوگ اس کے علاوہ کسی اور کی بندگی نہ کرو۔'' (بنی اسرائیل: ۲۳) سورۃ الذاریات میں ہے: ''میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔'' سورۃ الاعراف میں شریعت خداوندی کی پیروی کا حکم یوں دیا گیا ہے: ''اپنے رب کی جانب سے نازل کی گئی شریعت کی پیروی کرو۔'' سورۃ الزمر میں ہے: ''اس بہتر شریعت کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہے۔'' (الزمر: ۵۵)

(۳) سکھ مت رہبانیت کو حرام قرار دیتا ہے اور لوگوں کو حلال رزق کی تلاش پر آمادہ کرتا ہے مشہور حدیث ہے: لا رهبانية في الاسلام ''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔'' قرآن کریم میں ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اُن پاکیزہ اموال میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائے ہیں اور ان غلات میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے پیدا فرمایا ہے''۔ (البقرۃ: ۲۶۷) ''پس جب نماز ختم ہو جائے تو تم لوگ زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا رزق تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔'' (الجمعہ: ۹)

متعدد احادیث میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو رزق کے حصول پر اکسایا ہے اور انھیں

بھیک مانگنے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے منع فرمایا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال ، قال رسول الله ﷺ: "والله لأن ياخذ أحدكم حبلا فيحتطب على ظهره فياكل أو يتصدق خير له من أن يأتي رجلاً أغناه الله من فضله فيسأله أعطاه أو منعه ذالک۔ فان اليد العليا خير من اليد السفلى۔" (متفق علیہ)

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم تم میں سے کسی کا رسی لے کر نکلنا اور پھر اس کے ذریعہ ایندھنوں کو اپنی پشت پر لاد کر لے آنا تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنے کھانے کا انتظام کرے اور راہ خدا میں صدقہ خیرات کرے زیادہ بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی مال دار شخص کے پاس آکر سوال کرے پس وہ اسے دے یا انکار کر دے، کیونکہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔"

(۴) اسلام کی طرح سکھ مت بھی مرد وعورت میں تفریق کا قائل نہیں ہے۔ اس کے نزدیک دونوں نجات پا سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے اور پھر تمہیں مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، یقیناً خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔" (الحجرات: ۱۳)

(۵) سکھ مت کے نزدیک کوئی زبان مقدس نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جملہ زبانوں میں بندوں کی مناجات سنتا ہے۔ یہ عقیدہ بھی سکھ مت نے اسلام ہی سے لیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم: ۴) "ہم نے کسی بھی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں اپنا پیغام دے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے حق کی وضاحت کر سکے۔"

(۶) سکھ مت رسالت ونبوت کا قائل اور عقیدۂ اوتار کا مخالف ہے۔ آغاز میں سکھ مت کا یہی عقیدہ تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ اپنے گروؤں کو پوجنے لگے اور انھیں ہی خدا سمجھ بیٹھے اور ان کی گفتگو کو مقدس نیز مراقبہ میں ان کی یاد کو افضل عبادت سمجھنے لگے۔

(۷) اسلام کی طرح سکھ مت بھی یہ تصور رکھتا ہے کہ خدا کا دین جملہ اقوام کے لیے ہے، کسی گروہ کو خدا کے یہاں مخصوص مقام حاصل نہیں اور نہ ہی مذہبی رسوم کی ادائیگی کسی طبقہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے گزری ہوئی قوموں کو پیدا فرمایا ہے شاید کہ تمہارے اندر خدا ترسی پیدا ہو۔" (البقرہ: ۲۱)

(۸) دونوں مذاہب میں مذہبی کتابوں کی تقدیس و احترام کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ سکھوں کی مقدس کتاب گرو گرنتھ صاحب کو وہی شخص اس کے مخصوص مقام سے نکال کر پڑھنے کے لیے لاسکتا ہے جس نے کچھ ہی دیر پہلے غسل کیا ہو، نیز اس کی قرأت کے دوران مکمل خاموشی اور سنجیدگی بنائے رکھنا ضروری ہے۔ قرآن مجید کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ (عبس: ۱۳-۱۵)

"قرآن مجید کی آیات معزز اوراق میں درج ہیں۔ یہ اوراق انتہائی پاکیزہ اور بلندیوں پر رکھے ہوئے ہیں، ایسے معزز کاتبوں کے ہاتھوں میں ہیں جو انتہائی نیک ہیں۔"

(۹) دونوں مذاہب میں عشر کا نظام پایا جاتا ہے۔

(۱۰) دونوں مذاہب میں مرکزی عبادت گاہ کا تصور موجود ہے۔ سکھوں کی مرکزی عبادت گاہ ہری مندر ہے جس کی زیارت اور اس کے پاس واقع امرتسر کے تالاب میں غسل سے جملہ گناہ مٹ جاتے ہیں، یہ تصور بھی اسلام سے ماخوذ ہے، متعدد حدیثوں میں حج مقبول کا ثواب جملہ گناہوں سے انسان کا پاک ہونا بتایا گیا ہے۔

سکھ مت اور اسلام میں وجوہِ اختلاف

(۱) اسلام کے نزدیک مقصد زندگی رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ قرآن کریم میں ہے: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ (اللیل: ۱۹، ۲۰) یعنی مومن اپنے اوپر کسی کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے نہیں بلکہ صرف اپنے بلند و برتر رب کی رضائے کے حصول کے لیے خرچ کرتا ہے۔ سکھ مت میں مقصد زندگی "نروان" (یعنی روح انسانی کا جسم سے نکل کر برہما کی ذات میں جاملنا) ہے۔

(۲) سکھ مت عقیدۂ حلول واتحاد کا قائل ہے اور اسلام اس کا سخت مخالف ہے۔

(۳) اسلام خدا کو صرف انہی ناموں سے موسوم کرتا ہے جو عمدہ اور بہتر ہیں جب کہ سکھ مت اسے ہندو دیوی دیوتاؤں کے ناموں سے بھی یاد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ''اور اللہ کے بہترین نام ہیں لہٰذا انہی ناموں سے اسے پکارو۔'' گرو گرنتھ صاحب میں ہے: ''وہی وشنو ہے اور وہی شیو، وہی برہما ہے اور وہی پاروتی اور وہی لکشمی۔''

(۴) سکھ مت میں حمد الٰہی موسیقی کے بغیر ممکن نہیں جب کہ اسلام میں گانا اور موسیقی حرام ہے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آخری زمانے میں بڑے علاقے دھنس جائیں گے اور لوگوں کی صورتیں اور شکلیں مسخ کردی جائیں گی۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب ناچ گانے کے آلات اور گانے والیاں عام ہوجائیں گی۔'' (سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۳۵۰) اس کی سند کو امام البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر ۳/ ۲۱۶ حدیث رقم: ۳۵۵۹)

(۵) اسلام میں ذبیحہ مشروع اور سکھ مت میں ممنوع ہے۔

(۶) اسلام میں ختنہ کرنا مشروع اور سکھ مت میں محظور ہے۔

(۷) بغل اور ناف کے بالوں کی صفائی اسلام میں مسنون ہے۔ مشہور حدیث ہے: **عشر من الفطرة و ذكر فيها نتف الابط و حلق العانة** ۔(مسلم) ''دس چیزیں سنن فطرت میں سے ہیں، پھر آپ ﷺ نے ان میں بغل کے بالوں اور ناف کے نیچے کے بالوں کی صفائی کا تذکرہ فرمایا۔''

سکھ مت میں جسم کے کسی بھی مقام کے بالوں کا نہ کاٹنا مستحب ہے۔ وہ صرف صابن سے صفائی کے قائل ہیں جب کہ اسلام میں مخصوص بالوں کا کاٹنا ضروری ہے۔

(۸) کڑا، کنگھا اور کچھا کا استعمال سکھ مت میں لازمی ہے جب کہ اسلام میں اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

☆☆☆

مزید مطالعہ کے لیے

اردو

۱۔سکھ مت: میجر بلبیر سنگھ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

۲۔سکھ مذہب: پروفیسر محمد رفیق خان، سلفیہ بنارس

۳۔دنیا کے بڑے مذہب: عماد الحسن آزاد فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

۴۔سہ روزہ دعوت، نئی دہلی، ہندوستانی مذاہب نمبر

۵۔رسالہ گگن ممبئی، مذاہب نمبر

عربی

۱۔المجلة الدعوة المصرية، العدد ۹۵۔ذو الحجة ۱۴۰۴ھ سبتمبر ۱۹۸۴

۲۔فصول في اديان الهند الكبرى: د.ضياء الرحمن الاعظمي

۳۔الموسوعة الميسرة في الاديان والفرق والمذاهب المعاصرة، الندوة العالمية للشباب الاسلامي، الرياض.

انگریزی

1- Encyclopedia Britannica, 1974

2- J.D. Cunningham: History of the Sikhs, 2nd ed. (1953).

3- M.A. Macauliffe: The Sikh Religion, 6 Vol. (1909).

4- Sher Singh: Philosophy of Sikhism (1944).

5- Khushwant Singh: A History of the Sikhs, 2 Vol, (1-63-1966).

6- W.H. Ncloed: Guru Nanak and the Sikh Religion (1968).

7- Archer, John Clark. The Sikhs. Princeton: Princeton University Press, 1946.

8- Frost. S.E., Ed. The Sacreds Writings of the World's Great Religions. New York: McGraw-Hill, 1972.

9- Singh. Harbans. The Heritage of The Sikhs. New York: Asia Publishing House, 1964.

☆☆☆

باب ہشتم

بدھ مت

بدھ مت ایک ہندوستانی مذہب ہے، جس کا ظہور سرزمین ہند پر پانچویں صدی قبل مسیح میں برہمنی مت کے بعد ہوا۔ آغاز میں اس کا ہدف انسانوں کو جملہ غموں اور دکھوں سے نجات دلانا تھا جو ان کے نزدیک زہد و ریاضت کے بغیر ممکن نہیں، البتہ بعد میں بدھ مت بھی مشرکانہ مذاہب کی طرح ایک مذہب بن گیا، جس کے پیروکاروں نے اس کے بانی کو معبود کا درجہ دے ڈالا۔

بدھ مت کے ظہور کا تاریخی پس منظر

گوتم بدھ کی پیدائش کے وقت ہندوستان میں آریہ تمدن کسی ایک بڑے اور وسیع علاقے پر مشتمل حکومت جنم نہیں دے سکا تھا، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس سے بہت پہلے سے آریہ قوم کے افراد قبائلی نظام کو کسی حد تک ترقی دے کر ملک میں چھوٹی بڑی مختلف ریاستیں قائم کر چکے تھے۔ ان ریاستوں میں تقریباً نصف بادشاہتیں اور نصف جمہوریتیں تھیں۔ عقیدے کے لحاظ سے اس وقت مذہب ہمہ اوست کا نظریہ عام تھا یعنی ایک عالمگیر روح ہے جو سب میں جاری و ساری ہے۔ اس میں اور توحید میں فرق ہے۔ توحید میں خالق و مخلوق الگ الگ ہیں مگر اس میں خدا ایک عالمگیر ذات ہے، باقی سب اسی سے ہیں یا اس کا جزو ہیں اور اس میں مل جائیں گے اور اس سے علیحدہ ہستی نہیں رکھتے۔

تناسخ کا عقیدہ بھی عام تھا جو بعد میں ہندو فلسفے کا رکن ہو گیا۔ سماجی اور مذہبی اعتبار سے اس زمانے کا امتیازی مسئلہ ذات کا تھا۔ کھانے پینے اور شادی بیاہ کے معاملہ میں ذات برادری کی سدِ سکندری حائل تھی۔ علاوہ ذات کی الجھن کے علاوہ ایک بڑی مصیبت اس زمانہ میں یہ تھی کہ

برہمنوں کا زہد، تمدن ہر شعبے میں روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور ہندوؤں کے سماجی نظامات پر وہ چھائے ہوئے تھے۔ مختلف عبادتوں، نئی نئی قسم کی پرستشوں، طرح طرح کے چڑھاؤں، منتوں اور اعمال کا ایک ایسا مسلسل تار بندھا ہوا تھا کہ اس سے چھٹکارا پانا ایسا ہی محال تھا جیسے مکڑی کے جالے سے غریب مکھی کا۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے کسی وقت بے جان رسوم اور اکتا دینے والے اعمال سے فرصت نہ تھی۔ گویا یہی مذہب تھا، یہی عبادت تھی، اور یہی معاشرت اور اس کا حاصل، اور یہی راہِ نجات تھی اور طرّہ یہ کہ دن بہ دن وہ زنجیریں اور کڑی ہوتی جاتی تھیں اور ان میں وہ نزاکتیں اور باریکیاں پیدا کی جاتی تھیں کہ مذہب وبالِ جان ہو گیا تھا۔ ان حالات میں گوتم بدھ نے آنکھیں کھولیں اور آپ کی بعثت نے ایک نئی روح پھونک دی، ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ سارے عالم میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے مردہ دلوں کو شگفتہ کر دیا۔ مایوس ہونے والوں کو آس دی۔ امیر و غریب، برہمن و شودر سب کو ایک نظر سے دیکھا، مساوات اور اخوت کی صدائے عام دی اور یہی اس کی کامیابی کا بڑا راز تھا۔

بانیِ مذہب کی مختصر سوانحِ حیات

نام و نسب اور پیدائش

آپ کا اصلی نام گوتم سدھارتھ تھا۔ والد کا نام راجہ سدودھن تھا جو نیپال اور اتر پردیش سرحد پر واقع شاکیہ ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ کی والدہ کا نام مہامایا تھا۔

۵۶۳ ق م آپ لنبنی باغ میں اس وقت پیدا ہوئے جب آپ کی والدہ شاکیوں کی راجدھانی "کپل وستو" سے اپنے میکہ دیودہا جارہی تھیں۔ اس واقعہ کے ۳۱۶ سال بعد اشوک نے اس جگہ ایک پتھر کا ستون نصب کرا کے (جو آج تک موجود ہے) اس کی تاریخی حیثیت کو مستند اور مسلّم بنا دیا۔

تعلیم و تربیت

گوتم کے والد نے ان کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ کی۔ آپ نے مروجہ علوم و فنون کے ساتھ سارے مردانہ فنون سیکھے۔ خصوصاً تیر اندازی جس میں انہوں نے خصوصی امتیاز پید کر لیا تھا۔

بدھ روایات کے مطابق ان کی پیدائش پر ایک نجومی نے پیشین گوئی کی تھی کہ اگر انہوں

نے دنیا کے مصائب کا مشاہدہ کرلیا تو تارک الدنیا ہو جائیں گے ورنہ ان کی خدمت میں دنیا کی بادشاہت ہے۔ آپ کے والد نے یہ سن کر اس بات کا بڑا اہتمام کیا کہ وہ مصائب و آلام سے آشنا بھی نہ ہوسکیں اور انھیں مختلف مشاغل اور سیر و تفریح میں اس طرح مشغول رکھا کہ ان کی توجہ مصائب کی جانب نہ جاسکے، لیکن اس عیش و عشرت کی زندگی کے باوجود ان کی طبیعت میں غور و فکر کا مادہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ ساری احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود انھیں ایک مرتبہ اپنے ملازم کے ساتھ باہر جانے کا اتفاق ہوا اور یکبارگی چند ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے ان کی زندگی یکسر بدل دی۔

ایک دن شہزادہ ایک پر تکلف آراستہ رتھ میں سوار ہو کر شہر کی گلیوں میں گھومنے نکلا کہ اس کی نظر ایسے بوڑھے پر پڑی جو لڑکھڑاتا ہوا اپنی جھونپڑی سے نکل رہا تھا اور اس کے جسم پر چیتھڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر شہزادہ کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ پھر ایک مریض پر نظر پڑی جو حالتِ مرض اور شدتِ تکلیف سے بے قرار تھا۔ پھر ایک لاش دیکھی جسے گریہ و بکا میں مصروف لوگوں کی ایک بھیڑ لیے جارہی تھی۔ وہ دم بخود ہوگیا اور خاموشی کے عالم میں گھر آکر زندگی کے معمے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے اپنے دل میں اس طرح سوچنا شروع کیا۔ یہاں اس زندگی میں پیدا ہونا، بوڑھا ہونا، مرجانا اور پھر دوبارہ پیدا ہونا ہے لیکن افسوس کہ اس اذیت اور مصیبت سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے، بڑھاپے اور موت سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ اس کے بعد ایک تارک الدنیا فقیر پر آپ کی نگاہ پڑی جس کے چہرے پر متانت و اطمینان کی کیفیت نمایاں تھی۔ ان واقعات نے اُن پر گہرا اثر ڈالا۔ زندگی کیا ہے؟ اس میں اس درجہ مصائب و آلام کیوں ہیں؟ ان سے نجات کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ ان سوالات کا تسلی بخش جواب پانے کے لیے آپ گھر سے اس رات نکل پڑے، جس رات آپ کے ہاں بیٹا ''راہل'' پیدا ہوا تھا۔ (یہ روایت للت وستر میں درج ہے جو بدھ کی سوانح ہے)

غور کیجیے! وہ بدھ جسے معبودِ اعظم کا درجہ حاصل ہے اسے ۲۹ سال کی عمر تک موت، مرض اور بڑھاپے کے اسباب معلوم نہیں تھے۔ یہاں تک کہ ان کے متعلق اپنے محافظ سے انھیں پوچھنا پڑا۔ پھر کیا ان طبعی و فطری قوانین کو توڑنا انسان کے بس میں ہے؟

گوتم بدھ کا علمی سفر

۲۹ سال کی عمر میں آپ نے سنیاس کی راہ اختیار کی۔ مسلسل چھ برس تک وہ اپنے مسئلے کے حل کی تلاش میں سرگرداں رہے اور اپنے دور کے مشہور فلسفیوں اور عالموں جیسے اُلا را کلاما اور اُدار کا رام پُتر سے کسبِ فیض کیا۔ جب کتابی علم ان کی جستجو کا حل پیش نہ کر سکا تو آپ نے سخت ریاضت اور نفس کشی کا طریقہ اختیار کیا اور ترکِ دنیا کی انتہا درجہ کی سختیاں جھیلیں، فاقہ کرتے کرتے آپ کا بدن ہڈیوں کا پنجر رہ گیا اور وہ مرنے کے قریب ہو گئے۔ چنانچہ اس طریقے کو ترک کر کے آپ نے غور و فکر اور مراقبے کی راہ اپنالی۔ سات دن تک مسلسل ایک پیپل کے درخت کے نیچے گھاس کا آسن بنا کر اپنے مخصوص مراقبے کے انداز میں بیٹھے رہے تا آنکہ رات کے پہلے پہر آپ کو اچانک وہ کیفیت حاصل ہو گئی جسے عرفان کہتے ہیں۔ یہ عرفان آپ کو جس مقام پر حاصل ہوا اسے ''بودھ گیا'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ علم جو قدیم ہندوستان میں اعلیٰ روحانیت کا خاصہ سمجھا جاتا تھا اسے بدھ مت میں نروان کہتے ہیں۔

۳۵ سال کی عمر میں نروان حاصل کرنے کے بعد اپنی بقیہ عمر کے تقریباً ۴۵ سال گوتم بدھ نے زندگی کے مسئلے اور اس کے متعلق اپنے دریافت کردہ حل کی تبلیغ میں شمالی ہند اور خاص طور پر اس کے مشرقی حصہ میں گھوم کر گزارے۔ ۸۰ سال کی عمر میں بنارس سے ۱۲۰ میل کے فاصلے پر شمال مشرق میں ''کسی نارا'' کے مقام پر آپ کا انتقال ہوا۔

گوتم بدھ کی تعلیمات

آپ کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ زندگی ایک مصیبت ہے۔ زندگی اور اس کی لذت کی خواہش اس مصیبت کا باعث ہے۔ اس خواہش کا مٹانا مصیبت کا کم کرنا ہے اور یہ خواہش پاک زندگی سے مٹ سکتی ہے۔ ہمیشہ صداقت، نیکی، ہمدردی، مہربانی اور خیر پر قائم رہنا چاہیے۔ غرض تزکیۂ نفس اس تعلیم کا بڑا اصول ہے۔ اس دنیا میں پاک اور نیک زندگی بسر کر کے بلا لحاظ سزا و جزاء تزکیۂ نفس حاصل کرنا اس کا اصل مقصد ہے۔ یہی بے گناہ اور پاک زندگی نروان ہے۔ آپ کی تعلیمات بدھ مت میں چار مقدس حقائق کے نام سے جانی جاتی ہیں۔

(۱) پہلی عظیم حقیقت

غم کا وجود ہے۔گوتم بدھ کہتے ہیں: ''اس کرۂ ارض پر گزاری جانے والی زندگی یقیناً اندوہ گیں ہے، زوال پذیر و افسوس ناک ہے۔بیماری، موت، غیر پسندیدہ لوگوں سے اتحاد اور پسندیدہ سے علیحدگی رنج کا باعث ہوتی ہے''۔

مختصراً یہ کہ رنج و تکلیف ایک کائناتی حقیقت ہے۔اس میں تبدیلی خلا، عدم تکمیل اور تصادم کا مفہوم بھی شامل ہے۔بدھ مت میں دکھ کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں: (۱) دکھ دکھاتا۔ یعنی دکھ اپنے عمومی مظاہر میں جس کو ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ (۲) سمکھار ادکھاتا۔یعنی زندگی میں کسی مستقل عنصر کے بغیر ایک سلسلہ علت و معلول کی پابند نمو کے سبب سے جو دکھ محسوس کیا جائے۔ (۳) وپاریناما دکھاتا۔یعنی زندگی کی تغیر پذیری اور بے ثباتی کے سبب جو دکھ جھیلا جائے۔

(۲) دکھ کا سبب خواہش ہے

گوتم بدھ کے الفاظ میں ''رنج و محن کی ابتدا کے بارے میں اعلیٰ درجہ کی سچائی یہ ہے کہ یہ وہ مسلسل خواہش ہے جس کا تعلق لطف اندوزی سے ہے اور وہ جو ہر جگہ حظ نفس کی متلاشی رہتی ہے یہی اس رنج و غم کا سبب ہے''۔پھر اس طلسم نیرنگ کے پیچھے بھی گوتم بدھ کے بقول: ''طلب یا خواہش ہی کا بھوت کارفرما ہے۔'' گوتم بدھ کہتے ہیں:

> بھکشوؤ! میری نظر میں خواہش اور طلب جیسی کوئی اور زنجیر نہیں جس سے بندھی ہوئی مخلوقات ایک جنم کے بعد دوسرے جنم میں ایک طویل عرصہ سے طلسم وجود کے چکر لگا رہی ہیں۔یقین جانو بھکشوؤ اسی خواہش کی زنجیر میں گرفتار مخلوقات طلسم وجود میں سرگرداں، اس کے چکر لگاتی رہتی ہیں۔

(۳) غموں اور رنج و محن کا خاتمہ ممکن ہے

گوتم بدھ کے خیال میں خواہش یا طلب دکھوں کے اس سلسلہ کی جڑ ہے۔تو تیسرے عظیم سچ کے مطابق خواہش و طلب کے استیصال سے دکھ کا ازلی جال توڑا جا سکتا ہے اور اس حالت میں پہنچا جا سکتا ہے جہاں خواہشات کی پیدا کردہ تکالیف اور ان کی غلامی سے مکمل آزادی میسر آجاتی ہے، انسان جنم مرن کے چکر سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پا کر نروان حاصل کر سکتا ہے۔

(۴) چوتھا عظیم سچ وہ اشٹانگ مارگ (ہشتگانہ راہ، ہشت پہلو راستہ) ہے جس پر چل کر دکھوں کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ اسے درمیانی راہ بھی کہتے ہیں۔ اسے تن پروری اور تعذیبِ نفس یا خود آزادی کی دو انتہاؤں کی درمیانی راہ کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یہ درمیانی راہ آٹھ فرائض یا اصولوں پر مشتمل ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

[۱] صحیح نقطۂ نظر: یعنی زندگی کے بارے میں بدھ مت کے نقطۂ نظر اور خاص طور سے اس کی تعلیم کردہ چار عظیم سچائیوں کو غیر مشروط طریقے سے مان لینا ہے۔

[۲] صحیح نیت دارادہ: یعنی ایسے خیالات و جذبات کو پیدا کرنا جو تمام اخلاقی برائیوں مثلاً: غصہ، نفرت، لذت پرستی اور تشدد وغیرہ سے پاک اور تمام مخلوقات کے لیے ہمدردی، محبت اور ایثار کے حامل ہوں۔

[۳] صحیح قول: اس رکن میں ہر ایسی گفتگو سے بچنا شامل ہے جو کسی طرح بھی شر اور برائی کا سبب ہے۔ جھوٹ کی ہر قسم کے علاوہ، غیبت، چغل خوری، فضول گوئی اور ایسی ہر وہ گفتگو جس سے کسی کی دل آزاری ہو وہ بھی صحیح گفتار کے خلاف سمجھی جائے گی۔

[۴] صحیح عمل: بدھ مت میں ممنوع و محرم اشیاء سے بچنا اور ان تمام اعمال کو سرانجام دینا جن کا حکم دیا گیا ہے صحیح عمل میں شامل ہے۔ نیز اس میں وہ پانچ اخلاقی اصولوں ''پنچ شیل'' پر عمل بھی داخل ہے جس کا عہد بدھ مت کے ہر پیرو کو کرنا ہوتا ہے۔

[۱] کسی جان دار کو نہ مارنا [۲] چوری سے پرہیز [۳] جنسی بے راہ روی سے بچنا

[۴] جھوٹ نہ بولنا [۵] نشہ آور چیزوں کا استعمال نہ کرنا۔

[۵] حلال روزی: ذریعہ معاش ایسا اختیار کرنا جس سے کسی نفس کو آزار نہ پہنچے۔

[۶] صحیح کوشش: پسندیدہ جذبات و خیالات کو پیدا کرنے اور ان کو مستقل طور سے اختیار کرنے نیز ناپسندیدہ جذبات و خیالات کو ابھرنے سے روکنے اور دل و دماغ سے بالکل نکال پھینکنے کے سلسلے میں جو کوشش درکار ہے وہ صحیح کوشش کے نام سے موسوم ہے۔

[۷] صحیح ہوشیاری: جسم، احساسات اور ذہن کی ہر حالت پر پوری باخبری کے ساتھ توجہ دینا۔

[۸] صحیح مراقبہ: یہ بدھ مت کی سب سے اہم عبادت ہے۔ گوتم بدھ کو نروان مراقبہ

میں ہی حاصل ہوا اور ان کے پیروؤں کے لیے بھی بغیر صحیح مراقبہ کے نروان تک پہنچنا ممکن نہیں۔

یہ امر قابل توجہ ہے۔اگرچہ بدھ سکھاتا ہے کہ ہر شخص کو کسی نجات دہندہ کی اعانت کے بغیر اپنی نجات کی راہ خود پیدا کرنی چاہیے مگر بدھ مت کی دونوں شاخوں میں خود بدھ پر عقیدہ (ایمان) رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے مہایانا بدھ مت میں بدھ نجات دہندوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔تھیراواڈ بدھ مت میں ہر عبادت گزار اپنی روزانہ کی عبادت میں کہتا ہے: ''میں بدھ کی پناہ لیتا ہوں''۔

بدھ کونسلیں

گوتم بدھ کے انتقال کے بعد مختلف ادوار میں آپ کی تعلیمات کو محفوظ کرنے اور بدھ مت کی آئندہ نشو ونما کو متعین کرنے اور بدھ مت میں در آنے اختلافات و بدعات کے خاتمہ کے لیے بدھ سنگھ کی جو اجتماعی نشستیں ہوئیں انھیں بدھ کونسلوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ان کی تعداد چار ہے۔

[۱] پہلا بدھ اجتماع: گوتم بدھ کے انتقال کے فوراً بعد آپ کے ایک قدیم شاگرد مہا کشیپ کی صدارت اور ریاست مگدھ کے راجہ اجات شترو کی زیر سرپرستی مگدھ کی راجدھانی ''راج گرھ'' میں ہوا۔بدھ روایات کے مطابق اس میں پانچ سو منتخب بھکشوؤں نے حصہ لیا۔اس اجتماع میں آنندا کے مشورے کے مطابق بدھ مت کے شرعی قوانین (ونایا) اور دینیات (دھما) کے حصے مرتب ہوئے۔''سنگھ'' نے مذہبی معاملات میں اپنے مختار اعلیٰ ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے بعض بھکشوؤں پر لگائے گئے الزامات سے متعلق فیصلہ بھی کیا۔

[۲] بدھ مت کا دوسرا اجتماع: بدھ کے انتقال کے سو سال بعد ویشالی (بنارس) میں ہوا۔جس میں ملک کے دور دراز مقامات سے بڑی تعداد میں بھکشوؤں نے شرکت کی۔اس اجتماع کا اصلی مقصد بدھ مت میں در آئی تحریف و رسومات اور الحاد کا خاتمہ تھا۔

بدھ کے حلقہ اثر کے وسیع ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بھکشوؤں کے ایک طبقے میں روایت پسندی اور دوسرے طبقہ میں اجتہاد و آزاد خیالی بڑھتی گئی۔اس اجتماع میں روایت پسندوں کو آزاد خیالوں پر غلبہ حاصل ہوا اور ان پر الحاد کا فتویٰ صادر کرا دیا گیا،جس سے بدھ مت دو

فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

[۳] بدھ مت کا تیسرا اجتماع: اشوک کی راجدھانی پاٹلی پتر (پٹنہ) میں ۲۲۴ ق م کے قریب اس وقت کے ممتاز ترین بھکشو تیسا موگالی پتا (Tissa Mogaliputta) کے زیر صدارت ہوا، جس میں تقریباً ایک ہزار بھکشوؤں نے حصہ لیا۔ اس اجتماع کا مقصد بدھ سنگھ میں در آئی ہوئی بدعات کا قلع قمع اور بدھ تعلیمات کو ان کی خالص صورت میں ترتیب دینا تھا۔ چنانچہ تمام بدعات اور ان پر عمل پیرا بھکشوؤں کو بدھ سنگھ سے خارج کر دیا گیا اور متفق علیہ خالص تعلیمات کو تین مجموعوں کی صورت میں مرتب کر لیا گیا۔ یہی مجموعے آج تری پٹیکا کے نام سے جانے جاتے ہیں جو ہنایان یا تھیراواد بدھ مت کی مقدس کتابیں ہیں۔

اس اجتماع کے بعد ہندوستان، سری لنکا، جنوب مشرق میں ہند، چین، ملایا، سماترا، یونان، مصر، شام، افغانستان وغیرہ مبلغین کی جماعتیں روانہ کی گئیں جن کی کوششوں سے بدھ مت ایک بین الاقوامی مذہب بن گیا۔

[۴] بدھ مت کا چوتھا اجتماع: راجہ کنشک کے عہد میں پہلی صدی مسیح کے اختتام پر ہوا، جس کا بنیادی مقصد گوتم بدھ کی تعلیمات کی ایسی تشریح و تفسیر کرنا تھا جو دور از کار تاویلات سے خالی ہوں۔

بدھ مت میں خدا کا تصور

کیا بدھ مت میں خدا کا تصور ہے؟ کیا گوتم بدھ ملحد تھے؟ یہ ایک اختلافی سوال ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ "چار بنیادی صداقتوں میں خدا کو تسلیم کیے بغیر اور اس کی پرستش و بندگی نیز اس کے قانون کے اتباع کے بغیر انسانی دکھوں کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔ اس مسئلے میں محققین کے دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔

پہلی رائے

کیا گوتم بدھ ملحد تھے؟ اس طبقہ کے دلائل درج ذیل ہیں۔

پہلی دلیل: بدھ کے تعلق سے یہ روایت مشہور ہے کہ دو ہندو راہب آپ کی خدمت میں آئے جو برھما کی ذات سے حلول کے خواہش مند تھے اور ان کے درمیان اس کے طریقے میں

اختلاف تھا۔انھوں نے اس مسئلہ میں گوتم بدھ کو اپنا حَکم بنایا۔آپ نے ان دونوں سے پوچھا:

کیا تم دونوں خدا کے مسکن سے واقف ہو؟

ان دونوں نے کہا:نہیں۔

گوتم بدھ نے پوچھا۔کیا تم دونوں نے خدا ''برہما'' کو دیکھا ہے؟

ان دونوں نے کہا:نہیں۔

گوتم بدھ نے پوچھا۔کیا تم دونوں برہما کی فطرت سے واقف ہو؟

ان دونوں نے کہا:نہیں۔

گوتم بدھ نے پوچھا۔کیا تم دونوں سورج کے ساتھ حلول واتحاد پر راضی ہو؟

ان دونوں نے کہا:نہیں، کیونکہ وہ ہم سے دور اور جلا دینے والا ہے۔

گوتم بدھ نے کہا۔جب سورج کے ساتھ اتحاد وحلول ممکن نہیں درآنحالیکہ یہ مخلوق ہے تو اس کے خالق کے ساتھ حلول واتحاد کیوں کر ممکن ہوگا۔

پھر گوتم بدھ نے ان دونوں راہبوں سے کہا کہ کیا برہما حاسد اور متکبر ہے؟ راہبوں نے جواب دیا:نہیں۔

گوتم بدھ نے کہا۔کیا تمہارے اندر حسد،نفرت اور غرور نہیں پایا جاتا؟

دونوں راہبوں نے کہا:ہاں،پایا جاتا ہے۔

اس پر گوتم بدھ نے کہا۔پھر تم دونوں کے لیے برہما کی ذات سے مل جانے اور تمہاری روح کے ان کے اندر حلول کیونکر ممکن ہے جب کہ تمہاری فطرت اس کی فطرت سے مختلف ہے۔
(بدھ درشن:۱۱۴)

دوسری دلیل:ایک مشہور ہندو عالم وششٹھ اور بدھ کے درمیان اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو بدھ نے پوچھا۔کیا تم نے اپنی آنکھوں سے برہما کو دیکھا ہے؟اس پر وششٹھ چپ رہ گئے۔

تیسری دلیل:۱۵۰ ق م سے لے کر ۱۲۰۰م تک کے مختلف محققین اور عالموں کا اس امر پر اجماع ہے کہ گوتم بدھ ملحد تھے اور بدھ مت خدا کا منکر ہے۔جیسے تان سین ۱۵۰ ق م۔ ناگا ارجن ۱۷۵م، آسنگھ ۳۶۰م بسوبند ۴۰۰م دجناج، ۴۳۰، سانت ۷۵۰م اور شاکیا شری بدر ۱۲۰۰م نے صراحتہً گوتم بدھ کو دہریہ ''ناستک'' قرار دیا۔

چوتھی دلیل: بدھ مت کی چاروں مقدس صداقتوں میں خدا کا ذکر موجود نہیں اور گوتم نے انتقال کے وقت اپنے مشہور شاگرد آنند کو اللہ پر ایمان لانے کی تلقین و وصیت نہ کی بلکہ ماورائی طاقت کے سہارے کے بجائے نروان کے لیے ارتقائے نفس اور اپنے نفس پر فتح پانے کی وصیت کی۔

دوسری رائے

گوتم بدھ خدا کے قائل تھے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ کوئی دین پروردگار کے اقرار و اعتراف کے بغیر پایا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ خالق کائنات کا اعتراف جملہ مذاہب کے درمیان مشترک اور بنیادی شے ہے۔ اس رائے کے دلائل درج ذیل ہیں۔

پہلی دلیل: ''خدا'' کا لفظ مختلف بدھ کتابوں میں آیا ہے۔

دھرمانند کوسمبی جی کہتے ہیں: ''خاص ایشور'' خدا کے لفظ کا ذکر انگیتر نکائے کے (باب ۴۱) میں اور'' کے دیودمن'' کے ۱۰۱ میں آیا ہے۔

منکرین کا خیال ہے کہ ان کتابوں میں خدا جملہ صفات سے عاری ہے اور صفات سے عاری خدا کا تصور بے فائدہ ہے۔ گوتم بدھ نے خدا کو کسی ایسی صفت سے متصف نہیں مانا ہے، جس سے اس کا وجود ثابت ہو سکے۔

دوسری دلیل: بدھ مت میں خدا کا وہ تصور نہیں تھا جو برہمنی مت میں برہما کا ہے بلکہ بدھ مت کے پیروکار گوتم بدھ کو برہما پر فوقیت دیتے ہیں اس لیے مفکرین نے بدھ پر یہ الزام لگا دیا کہ وہ منکرِ خدا تھے۔

دوسرے طبقہ کا کہنا ہے کہ بدھ کو ناستک درحقیقت ان برہمنوں نے قرار دیا جن کے نسلی امتیاز پر انھوں نے کاری ضرب لگائی تھی اور اس شبہ کو درج ذیل اسباب سے مزید تقویت ملی۔

[۱] گوتم بدھ برہمنوں کے نسلی امتیاز کے خلاف تھے اس سے برہمنوں نے انھیں دہریہ اور وید کا مخالف مشہور کر دیا حالانکہ انہوں نے کبھی وید کی مذمت نہیں کی، ہاں انہوں نے ویدک دھرم کی بعض تعلیمات پر تنقید ضرور کی تھی۔ مثلاً: نسلی امتیاز، یگیہ اور یگیوں میں جانوروں کی اندھا دھند قربانی۔

[۲] ''سدھارتھ'' ساتویں بدھ گزرے ہیں۔ ان سے پہلے چھ بدھ گزر چکے تھے۔

ان میں سے بعض منکر خدا تھے اور یہ الزام سابق بدھوں پر نہ لگا کر غلطی سے بعض محققین نے آخری بدھ ''سدھارتھ'' پر چسپاں کر دیا۔

[۳] بدھ تعلیمات مابعد الطبعی مسائل سے خالی کیونکر ہو سکتی ہیں جب کہ بدھ مت شرک کا داعی ہے اور بدھ بھکشوؤں نے گوتم بدھ کو معبود اعظم کا درجہ دے رکھا ہے۔

بہر حال معاملہ کچھ بھی ہو۔ خدا انسانی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے اور اس سے گریز ممکن نہیں۔ خدا کے وجود کو تسلیم کیے بغیر زندگی کے کسی بھی مرحلے میں دکھوں اور غموں سے نجات ممکن نہیں۔

چنانچہ بدھ مت جو مابعد الطبعیاتی مسائل اور الوہیاتی مباحث سے اپنا دامن بچا کر گزر جانا چاہتا تھا وہ سرتاپا شرک میں غرق ہو گیا۔ ہندو میتھالوجی کو اپنانے کے علاوہ اس نے ہر علاقہ کے مقامی دیوتاؤں کو اپنایا۔ خود گوتم بدھ کو خدائی کا بلکہ آگے بڑھ کر خدائے اعظم کا مقام دے دیا گیا اور پھر بدھ اور بدھ پرستوں کے نام سے بہت سی شخصیتیں فرض کی گئیں اور ان سب میں خدائی صفات مان لی گئیں، حتیٰ کہ بدھ مت کی اپنی مشرکانہ میتھالوجی اور مشرکانہ نظام پرستش تیار ہو گیا جو کسی بھی دین شرک سے کم شان دار نہیں۔

بدھ مت کی مقدس کتابیں

پہلی بدھ کونسل میں گوتم بدھ کی جملہ تعلیمات کو مدون کر لیا گیا تھا، جس کے دو حصے تھے۔ ونایا (شرعی قوانین) اور دھما (دینیات)۔ شرعی قوانین سے مراد وہ قوانین ہیں جو گوتم بدھ نے خانقاہی ''راہبانہ'' زندگی کے لیے تجویز کیے تھے۔ بعد میں ان کتابوں کی روشنی میں تیسری بدھ کونسل میں بدھ مت کی موجودہ مقدس کتابیں مدون کی گئیں جنھیں ''تری پٹیکا'' کہا جاتا ہے۔ ان کا مختصر تعارف ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

(۱) ونایا پٹیکا (نظم وضبط کی ٹوکری)

یہ پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے جن میں راہبوں اور راہباؤں کی زندگیوں کے لیے تفصیلی ہدایات موجود ہیں۔ ونایا (Discipline) کے لغوی معنی اصولوں کے آتے ہیں چوں کہ اس پٹیکا میں بھکشوؤں کے خانقاہی و راہبانہ نظام کے اصول، ان کی تاریخ اور ان کے طریقۂ کار کو جمع کیا گیا ہے اس لیے اسے ونایا پٹیکا کا نام دیا گیا۔ (دیکھیے ونایا پٹیکا کا پیش لفظ از رائل شاکر تیاین ص ۱)

(۲) سُتاپٹیکا (تقاریر اور مکالمات کی ٹوکری)

اس میں گوتم بدھ کی تقاریر اور مکالمات ہیں نیز وہ سارے اقوال اور تعلیمات بھی جو انہوں نے اپنے شاگردوں کو دی تھیں۔

سُتاپٹیکا کو مجھم نکائے بھی کہتے ہیں۔ تری پٹیکا میں اس کا مقام انتہائی بلند ہے۔ دانشوروں کا خیال ہے کہ اگر تمام بدھ صحیفے ضائع ہو جائیں اور صرف مجھم نکائے باقی رہے تو ہم کو اس کی مدد سے گوتم بدھ کی شخصیت، نظریات اور تعلیمات کو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

(۳) ابھی دھماپٹیکا (مابعد الطبیعیاتی ٹوکری)

یہ بعد میں آنے والے علماء کے نظریات، عقائد اور اخلاقیات پر مبنی تحریروں پر مشتمل ہے۔ ان پٹیکاؤں میں سے ہر ایک مزید الگ کتابوں میں منقسم ہے۔ ابھی دھماپٹیکا کو راہب خاص طور پر استعمال کرتے ہیں۔ سُتاپٹیکا سب سے زیادہ پسندیدہ اور بہت وسیع پیمانے پر پڑھی جانے والی ہنایان فرقہ کی کتاب ہے۔ اس میں "دھماپدا" یا نیکی کا راستہ بھی شامل ہے جو نظموں کا مجموعہ ہے اور شاید بدھ مت کے مقدس متون میں سب سے زیادہ جانی پہچانی کتاب ہے۔

تری پٹیکا کی زبان

یہ متون پالی زبان میں ہیں۔ ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ سری لنکا میں پہلی صدی قبل مسیح میں جمع کیے گئے تھے۔ بعد میں یہ متون راجہ کنشک کے زمانے میں سنسکرت میں لکھے گئے۔ یہ متون بدھ مت کی چوتھی کونسل (پشاور) میں مرتب ہوئے تھے جو بعد میں غائب ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ چینی زبان میں ان کا ترجمہ موجود ہے۔

تری پٹیکا اور مہایان فرقہ

مہایان فرقہ ان صحائف کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ تیسری بدھ کونسل میں اس فرقے کو "بدھ ازم" سے خارج کر دیا گیا تھا اور یہ صحائف اسی کونسل میں ترتیب دیے گئے تھے۔ مہایان فرقہ کے صحائف الگ ہیں اور ہنایان فرقہ کے صحائف کی طرح یہ بھی تین حصوں میں منقسم ہیں:

[الف] ونایا: مذہبی نظام کے لیے قواعد۔

[ب] سوتر: تقاریر اور مکالمے۔ یہ "ستاپٹیکا" سے ملتے جلتے ہیں۔

[ج] شاستر: فلسفیانہ مباحث۔

یہ مہایانا صحائف تیزی سے ارتقاء کرتے ہوئے بہت زیادہ مختلف مجموعوں میں تبدیل ہوگئے اور اس میں زیادہ افسانے اور عوام پسند نوعیت کی تصانیف بھی شامل ہوگئیں۔ان میں سب سے زیادہ شوق سے پڑھی جانے والی دو کتابیں ہیں:

[ا] للتا وستارا۔

[۲] سَد دِھرم پنڈ ایک (حیرت انگیز قانون کا کنول)

یہ کتابیں انتہائی واضح ہیں۔اس میں مستقبل میں آنے والی بودھی ستوا کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔اس میں ''بودھی ستوا'' کو ان تمام صفات سے متصف قرار دیا گیا ہے جو قادر مطلق کی صفات ہیں، جن سے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہستی پوری کائنات کو کنٹرول کر رہی ہے۔

بدھ صحائف کی اخلاقی تعلیمات

[ا] نفرت نفرت سے کبھی دور نہیں ہوسکتی۔نفرت محبت سے دور ہوتی ہے اس کی یہی خاصیت ہے۔(۵۰)

[۲] ایک شخص کی عمدہ نصیحت جس پر وہ عمل نہیں کرتا ویسی ہی ہے جیسے ایک خوشنما اور خوش رنگ پھول ہے مگر اس میں خوشبو نہیں ہے۔ (۵۱)

[۳] سب لوگ سزا کے نام سے کانپتے ہیں۔سب لوگ موت کے نام سے ڈرتے ہیں یاد رکھو تم بھائیوں کی طرح ہو۔پس نہ کسی کو قتل کرو اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی ترغیب دو۔(۱۲۹)

[۴] رشیوں اور منیوں کی ہدایت ہے کہ گناہ نہ کرو، نیکی کرو اور اپنے باطن کو صاف رکھو۔(۱۸۲)

[۵] غصہ کو نرمی سے فرو کرنا چاہیے، طامع کو فیاضی سے اور جھوٹے کو سچائی سے فتح کرنا چاہیے۔(۲۲۳)

[۶] دوسروں کی برائی تو بہت آسانی سے معلوم ہوجاتی ہے، مگر اپنی برائی معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ہر شخص اپنے ہمسائے کی ذرا ذرا سی برائیوں کو اچھالتا ہے مگر اپنی برائیوں کو اس طرح چھپاتا ہے جس طرح فریبی غلط پانسے کو قمار باز سے پوشیدہ کرتا ہے۔(۲۲۳)

[۷] بزرگ وہ شخص ہے جس میں عقل، راستی، محبت، ضبط اور اعتدال ہو اور جو برائیوں سے

پاک ہو۔ (۲۶۱)

[۸] کوئی شخص نسب یا خاندان کی وجہ سے برہمن نہیں کہا جا سکتا۔ وہی شخص مبارک ہے اور وہی برہمن ہے جس میں سچائی اور راست بازی ہو۔ (۳۹۳)

[۹] اے نادان چکنے بالوں یا بکری کی کھال کی پوشاک سے کیا فائدہ؟ تیرا باطن تو خراب ہے اور تو ظاہری صورت کو صاف بناتا ہے۔ (دھمپد ۱)

بدھ مت کے فرقے

بدھ مت کے دوسرے اجتماع میں روایت پرستوں کے غلبہ اور آزاد خیالوں پر کفر کا فتویٰ صادر کرنے کے نتیجے میں بدھ مت دو فرقوں میں تقسیم ہو گیا اور اشوک کے آتے آتے تقریباً اٹھارہ فرقوں میں بٹ گیا۔ ان میں مشہور فرقے تین ہیں۔

(۱) ہنایان

ہنایان کے لغوی معنی چھوٹی سواری کے آتے ہیں۔ اس فرقے کی نمایاں خوبیاں اور امتیازات درج ذیل ہیں:

[الف] یہ فرقہ ذات باری، روح اور الہام کا منکر ہے۔

[ب] یہ فرقہ بدھ کو انسان مانتا ہے۔ وہ ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے، البتہ مراقبہ اور سخت ریاضت کی بنا پر انھیں نروان حاصل ہو گیا اس لیے وہ تقدیس واحترام اور آچاریہ منش کے لقب کے حق دار ہیں۔

[ج] یہ فرقہ تیسری بدھ کونسل کی قراردادوں پر عمل کرتا ہے۔

[د] اس فرقے کے نزدیک ہر شخص کو نروان حاصل کرنے کے لیے خود جدوجہد کرنا چاہیے۔ گوتم بدھ کہتے ہیں: ''اپنے علاوہ کسی اور سے پناہ طلب نہ کرو۔''

[و] اس فرقہ کی مذہبی کتابیں پالی زبان میں ہیں۔ اور یہ تین کتابوں کا مجموعہ ہیں جسے تری پٹیکا (Trepitak) کہتے ہیں۔ یہ فرقہ جنوبی ہند اور سری لنکا میں پایا جاتا ہے۔

(۲) مہایان

مہایان کے لغوی معنی بڑی سواری، بڑا بار اٹھانے والا۔ یہ نام اس لیے پڑا کیونکہ اس

میں بہت سے عقیدوں اور رسوم کا بار اُٹھانے کی صلاحیت تھی۔اس فرقے کی نمایاں خوبیاں اور اہم امتیازات درج ذیل ہیں:

[1] یہ فرقہ گوتم بدھ کو نور مجسم مانتا ہے۔وہ درحقیقت ظل الٰہی تھے جو انسان کی صورت میں اس دنیا میں آئے تھے۔

[2] اعلیٰ ترین روحانی مقاصد کے حصول کے لیے سخت قسم کی ریاضتوں اور علمی مہارت کا سر کرنا ضروری نہیں، محض بدھ پر ایمان اور ایمان داری ہی نروان کے لیے کافی ہے۔

[3] بدھ مذہب ایک فلسفیانہ مذہب تھا،لیکن دھیرے دھیرے برہمنی مت کے زیر اثر یہ فرقہ مقدس بدھ ہستیوں کی پرستش کو ذریعۂ نجات سمجھنے لگا۔

[4] گوتم بدھ کی تین صورتیں ہیں،جنھیں تری کایا یا اشکال ثلاثہ کہتے ہیں:
پہلی صورت میں تو وہ روح بدھ ''دھرم کایا'' کی حیثیت سے حقیقت اعلیٰ کا مترادف ہے۔بدھ کی دوسری صورت سمبھوگھ کایا ہے۔اس میں روح بدھ ملکوتی دنیا کی ہدایت کے لیے مخصوص نورانی بدھاؤں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔بدھ کی تیسری صورت ان آسمانی و نورانی بدھوں کا اس مادی دنیا میں ظہور ہے جو بظاہر ایک مادی جسم (نرمان کایا) کی صورت میں ہوتا ہے۔

[5] یہ فرقہ بودھی ستوا کی صورت پر یقین رکھتا ہے۔یعنی اس کائنات میں ایسی ہستیاں ہیں جنھوں نے روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کر لیے ہیں اور نروان کے پوری طرح مستحق ہیں۔لیکن دوسرے انسانوں کو نروان سے ہم کنار کرنے کے لیے مخلوقات کی اعانت میں لگے ہوئے ہیں اور یہ عہد کر رکھا ہے کہ جب تک سب کو نروان سے ہمکنار نہ کر لیں گے خود مکمل بدھ نہ بنیں گے۔

غالباً یہ فرقہ راجہ کنشک کے عہد میں اپنی بنیادوں کو مضبوط کر سکا اور اس کے اصول و ضوابط چوتھی کونسل میں متعین ہو سکے۔یہ فرقہ شمالی ہند،تبت،منگولیا،چین اور جاپان میں پایا جاتا ہے اور ان ممالک کی مذہبی روایات اور سماجی ثقافتوں سے کافی متاثر ہے۔اس فرقہ کی اہم کتاب Lanka Vtara Sutra اور Dimond Sutra ہے۔

(۴) زین بدھ مت

زین بدھ مت کا آغاز چین میں ہوا اور جاپان جا کر یہ زیادہ پھیل گیا۔ بدھ مت کی یہ صورت مغرب میں زیادہ معروف ہے۔ ایک مذہبی روایت کے مطابق گوتم بدھ کا ایک چیلا ایک سنہرے پھول کا تحفہ لے کر ان کے پاس آیا اور ان سے اپنی تعلیمات کے رازِ سربستہ کو بیان کرنے کی درخواست کی۔ گوتم بدھ نے وہ پھول اس سے لے لیا، اسے اونچا اٹھائے رکھا اور مرتکز توجہ اور خاموشی کے ساتھ اس پر نظریں جمائے رہا۔ اپنے اس فعل سے انھوں نے یہ بات واضح کی کہ اس کی تعلیم کا راز الفاظ میں نہیں بلکہ خود پھول پر غور کرنے کے عمل میں پوشیدہ ہے۔ زین عقیدہ کے بارے میں لوگوں کا ایمان ہے کہ وہ اس کے مخفی عمل سے ظہور میں آیا ہے۔ جاپانی زبان میں لفظ زین کا مفہوم ہے غور وفکر۔ زین کا مقصود ومنتہا ہے بصیرت یا روشنی۔ اسی طرح کی بصیرت جیسی گوتم بدھ کو گیان ورکش کے نیچے حاصل ہوئی تھیں۔ زین یہ سبق دیتا ہے کہ لوگ غور وفکر اور گیان دھیان سے روشنی پا سکتے ہیں۔

بدھا عبادات

بدھ مذہب میں عبادت کا کوئی معروف ومتعین طریقہ نہیں ہے، البتہ وہ اپنے جذبات کا اظہار درج ذیل دو طریقوں سے کرتے ہیں:

[۱] گوتم بدھ کے حسن وجمال اور کمال وعظمت پر حمد وثنا بیان کر کے۔

[۲] تنہائی اور مجمع میں گوتم بدھ کے ذکر اور تصور سے لذت حاصل کر کے اور دوسری زندگی میں گوتم بدھ کی طرح ہو جانے کی دعا کر کے۔

بدھ راہبوں کے یہاں بدھ کے ناموں کا تذکرہ اور تصور اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ وہ بدھ کے لیے اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> "تعریف اس کے لیے ہے بابرکت ذات، اعلیٰ وافضل، پوری طرح باخبر ذات، میں اس معبود کامل بدھ کے لیے سجدہ کرتا ہوں جن کے اوپر پوری دنیا منکشف ہو گئی تھی۔ (یہ جملہ تین بار دہرایا جاتا ہے) میں بدھ کی ذات کی طرف پناہ کے لیے رجوع کرتا ہوں۔ میں دین کی طرف پناہ کے لیے رجوع کرتا ہوں۔ میں راہبوں کی برادری سے

پناہ کے لیے رجوع کرتا ہوں۔ (یہ تینوں کلمات تین بار دہرائے جاتے ہیں)۔ میں جان کے ضیاع سے پرہیز کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ میں چوری نہ کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ میں جنسی بے راہ روی سے محترز اپنے کیے قول کی پابندی کا عہد کرتا ہوں۔ میں غلط بیانی سے پرہیز کا عہد کرتا ہوں۔ میں کشید کی ہوئی اور خمیر اٹھائی ہوئی اشیاء سے حاصل کردہ شرابوں سے پرہیز کرنے کا عہد کرتا ہوں۔"

اسلام اور بدھ مت میں وجوہ اتفاق

[۱] دونوں مذاہب میں تزکیۂ نفس پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ (الاعلیٰ:۱۴) "کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا۔" بدھ مذہب میں تزکیۂ نفس کا ایک پورا نظام موجود ہے۔ "بودھ وہار" کا عظیم مقصد خواہشات پر قابو پانا ہی ہے۔

[۲] دونوں مذاہب میں دنیا کی محبت ہی کو تمام برائیوں کا سرچشمہ بتایا گیا ہے۔

گوتم بدھ کہتے ہیں: "بھکشو! میری نظر میں خواہش اور طلب جیسی کوئی اور زنجیر نہیں جس سے بندھی ہوئی مخلوقات ایک جنم کے بعد دوسرے جنم میں ایک طویل عرصہ سے طلسم وجود کے چکر لگا رہی ہیں۔"

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: حب الدنیا راس کل خطیئة۔ "دنیا کی محبت و لالچ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

[۳] دونوں مذاہب میں مذہبی کتابوں کی تقدیس واحترام کا شدید جذبہ پایا جاتا ہے۔

[۴] دونوں مذاہب میں مقدس مقامات کی زیارت پسندیدہ اور باعث ثواب ہے۔

گوتم بدھ کہتے ہیں: "چار جگہیں ایسی ہیں جنھیں آدمی کو جذبہ کے ساتھ دیکھنا چاہیے۔ بدھ کی جائے پیدائش، اس کے حصول معرفت کا مقام، وہ مقام جہاں اس نے پہلی بار تبلیغ کی اور دھرم کے چکر کو حرکت میں لایا اور وہ مقام جہاں وہ نروان حاصل کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔"

محمد عربی ﷺ کا ارشاد ہے: لا تشد الرحال الا الیٰ ثلاثة مساجد۔ (الموطأ)

"تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور جگہ کے لیے ثواب کی نیت سے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔"

[۵] دونوں مذاہب میں اپنے اعزہ رفتگاں کے نام سے صدقہ وخیرات کرنا مشروع ومندوب ہے۔ بدھ عبادت گزار اپنے اعزہ رفتگاں کے نام سے لباس، ظروف، دوائیں اور راہبوں کے لیے کھانے پیش کرتے ہیں۔ برما میں ایسا ثواب کا کام کرنے پر عبادت گزار یہ دعا کرتے ہیں:

> "میں اپنے اس نیک عمل کے ثواب میں اپنے والدین، احباب، اعزہ، ارواح اور ساری زندہ ہستیوں کو شریک کرتا ہوں۔ کاش ایسا ہو کہ زمین اس فعل کی گواہی دے۔"

اسلام میں بھی حنفی مسلک کی رو سے میت کی جانب سے صدقہ وخیرات کرنا، قربانی کرنا، قرآن خوانی کرنا اور فقیروں کو کھانا کھلانا باعث ثواب سمجھا جاتا ہے۔

[۶] دونوں مذاہب میں رسولوں کے تبرکات سے تبرک لینا جائز ہے۔ گوتم بدھ کے مرنے کے بعد ان کے ارضی باقیات جیسے ان کے دانت اور سر کے بال کو بڑی احتیاط سے محفوظ کر لیا گیا تھا وہ باحتیاط تمام مینار نما زیارت گاہوں میں رکھی ہوئی ہیں۔

نبی عربی ﷺ نے بھی حجۃ الوداع کے موقعے پر اپنے بالوں کو حلق کرنے کے بعد طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: اقسمہ بین الناس "ان بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔" (بخاری)

[۷] دونوں مذاہب میں کامیابی کا دارومدار ضبط نفس اور خواہشات پر کنٹرول کو بتایا گیا ہے۔

اسلام اور بدھ مت میں وجوہ اختلاف

[۱] اسلام توحید کا قائل ہے اور بدھ مت خدا کا ہی منکر ہے۔

[۲] اسلام عقیدۂ آخرت کا قائل ہے اور بدھ مت اس کا منکر ہے۔ بدھ مت دیگر ہندوستانی مذاہب کی طرح "پنر جنم" پر یقین رکھتا ہے۔

[۳] اسلام مورتی پوجا کا شدید مخالف ہے جب کہ بدھ مت میں ان کے مرنے کے ار پانچ صدی بعد ہی ایسا ہوا کہ ان کی نمائندگی ان کی مورتی سے ہونے لگی۔ آج بودھوں کی

عقیدت مندانہ زندگی میں مورتی پوجا مرکزی مقام رکھتی ہے۔

[۴] اسلام میں اصل مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہے جب کہ بدھ مت میں ہر بدھ نروان کو اپنا منتہائے مقصود تصور کرتا ہے۔

[۵] بدھ مت رہبانیت کا قائل ہی نہیں ہے بلکہ رہبانیت کے بغیر پنر جنم سے چھٹکارا ہی ممکن نہیں جب کہ اسلام میں رہبانیت حرام ہے۔ مشہور حدیث ہے: **لا رهبانية في الاسلام** "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔"

بدھ مت کی اشاعت اور اس کے اسباب

بدھ مت ایک دعوتی و تبلیغی مذہب ہے۔ بانی مذہب نے نروان کے حصول کے بعد اپنی بقیہ عمر بدھ مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں لگا دی۔ آپ کے انتقال کے بعد بدھ سنگھ کی کوششوں اور پھر راجہ اشوک کی سرپرستی میں یہ مذہب ہندوستان سے نکل کر لنکا، برما، تبت، افغانستان، منگولیا، چین، کمبوڈیا، تھائی لینڈ اور جاپان تک پھیل گیا۔ اس کی اشاعت کے اہم اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) بدھ اور ان کے چیلوں کی مخلصانہ تبلیغی کوششیں

گوتم بدھ اپنے نظریے اور مذہب کے پرچار کے لیے بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ آپ اپنے چیلوں کو یہ کہہ کر تبلیغ کے لیے روانہ کرتے تھے:

> "اے بھکشو! جاؤ اور ایک بڑی تعداد کے فائدے کے لیے گھومتے پھرو، دنیا پر ترس کھاتے ہوئے اور دیوتاؤں اور انسانوں کی بھلائی کے لیے۔ تم میں سے کوئی دو بھی ایک راہ پر نہ جائیں۔ اے بھکشو! اس نظریہ اور عقیدہ کی تبلیغ کرو جو ابتدا، درمیان اور آخر میں اپنی روح اور لفظ کے اعتبار سے یکساں جلیل القدر ہے۔ تقدس اور پاکیزگی کی ایک عملی زندگی کا اعلان کرو۔"

(۲) عوامی زبان کا استعمال

گوتم بدھ نے اس دور کی مخصوص مذہبی زبان سنسکرت کے بجائے (جو اس وقت متروک ہو چکی تھی) عوامی زبانوں میں اپنے مذہبی خیالات کا پرچار کیا، جس سے عوام سے براہ راست رابطہ قائم کرنے اور ان کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب رہے۔

(۳) مساوات کا نظریہ

آپ کے عہد میں مذہبی تعلیم اور رہنمائی صرف برہمنوں کے لیے مخصوص تھی۔ چھتری اور ویش ذات کے لوگ بھی برہمنوں ہی کے توسط سے مذہب سے استفادہ کر سکتے تھے۔ شودروں، اچھوتوں اور عورتوں کے لیے مذہبی زندگی کے دروازے بالکل بند تھے۔ گوتم بدھ نے اپنے مذہب کی اعلیٰ تعلیمات اور روحانیت کے اعلیٰ ترین مدارج کے حصول کا دروازہ سب کے لیے کھلا رکھا۔

مذہبی معاملات میں مکمل مساوات کی وجہ سے روحانیت سے صدیوں سے محروم انسان غول در غول اس مذہب کو اختیار کرنے لگے۔

(۴) سرکاری سرپرستی

سرکاری سرپرستی کے حصول کے بعد بدھ مذہب ہندوستان اور قرب و جوار کے ممالک میں تیزی سے پھیل گیا۔

چھٹی صدی تک ہندوستان میں بدھ مذہب کا غلبہ رہا۔ ساتویں صدی کے آغاز میں ہندو مذہب اور بدھ مذہب میں باہمی آویزش شروع ہوئی جس کے نتیجے میں ۶۴۳ میں قنوج میں دونوں فرقوں کے درمیان مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے میں برہمنوں کو بدھسٹوں پر غلبہ نصیب ہوا جس کے بعد بدھ مذہب روبہ زوال ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ ویدانت کے عظیم شارح شنکر آچاریہ (۷۸۸-۸۲۰ م) نے ہندومت اور اس کے نظریات کو اتنے دلنشیں انداز میں توضیح و تشریح کی جس کے سامنے بدھ تعلیمات نہ ٹک سکیں اور دھیرے دھیرے ہندوستان سے بدھ مت مٹتا چلا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ "شنکر آچاریہ نے اپنی عقلی قوت و تدبیر سے وہ کام کر دکھایا جو اشوک کی حکومت کی قوت و طاقت بھی نہ کر سکی۔"

مزید مطالعہ کے لیے

اردو

۱- دنیا کے بڑے مذہب: عمادالحسن آزاد فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

۲- مطالعہ مذاہب: ڈاکٹر محسن عثمانی، یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، نئی دہلی

۳- سنسکرت کے چار ادھیائے: رام دھاری سنگھ دنکر (ہندی)

۴- سہ روزہ دعوت (ہندوستانی مذاہب نمبر)

۵- رسالہ گگن ممبئی (مذاہب نمبر)

عربی

۱- الملل والنحل (۲/جلدین)، محمد بن عبدالکریم الشہرستانی

۲- مقارنة الأدیان (الدیانات القدیمة) محمد ابوزهرة

۳- فی العقائد والأدیان، د. محمد جابر عبدالعال الحینی

۴- المجلة العربية: مقال للدكتور محمد بن سعد الشويعر

۵- المدخل الى دراسة الادیان والمذاهب، للعميد عبدالرزاق اسود

۶- فصول في اديان الهند الكبرى: ضياء الرحمن الاعظمی

انگریزی

1-Encyclopedia Britannica, Vol. 3, p. 369 - 414 (Press 1979)

2- Conze, Edward, ed. Buddhist Texts Through the Ages. Oxford: Bruno Cassirer. 1953.

3- Gard, Richard A., ed. Buddhism. New York: George Braziller, 1961.

4- Humphreys, Christmas. Buddhism. New York: Penguin Books, 1951.

5- Snellgrove, D.L. Buddhist Himalaya. New York: Philosophical Library, 1957.

6- Suzuke, daisetz T. Zen and Japanese Buddhism. Tokyo: Charles E. Tuttle, 1958.

7- Watts, Alan. The Way of Zen. New York: Pantheon Books, 1957.

☆☆☆

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الکریم۔

عربی

۱۔ ابحاث فی فکر الیہودی۔حسن ظاظا۔دارالمعرفۃ، بیروت۔

۲۔ الادیان والفرق والمذاہب المعاصرۃ۔عبدالقادر شیبہ محمد۔الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ

۳۔ ادیان الہند الکبریٰ۔ڈاکٹر احمد شلبی۔مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر۔

۴۔ ازلیۃ الاناجیل الاربعۃ وقدامتہا۔برکت اللہ، لاہور ۱۹۶۰ء

۵۔ الاساطیر الہندیۃ لمن الکون وخلقتہ۔دارصادر، بیروت۔

۶۔ الاسفار المقدسۃ قبل الاسلام۔ڈاکٹر صابر طعیمہ۔بیروت۔

۷۔ انجیل برناباس۔دارالقلم، الکویت، ۱۹۷۳ء۔

۸۔ اظہار الحق۔شیخ رحمت اللہ الہندی۔دارالتراث العربی للطباعۃ موا تشر بالقاہرہ ۱۹۷۷ء

۹۔ البرہان فی معرفۃ عقائد اہل الادیان۔ابوالفضل السکسکی ۶۸۳ھ۔

۱۰۔ بنو اسرائیل فی القرآن۔دارالکتب، مصر۔

۱۱۔ التاریخ الیہودی العام۔دارالمعرفۃ، بیروت۔

۱۲۔ تاریخ الاقباط والمسیحیۃ۔زکی شنو، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ بالقاہرۃ ۱۹۷۴م

۱۳۔ تاریخ الصحف السماویۃ۔سید نواب علی۔مکتبۃ افکار کراچی ۱۹۷۳م

۱۴۔ تفسیر ابن کثیر۔بیروت: دارالمعرفہ

۱۵۔ التفسیر الکبیر۔محمد الرازی فخر الدین۔دارالفکر، ط/۱۔۱۹۸۱م

۱۶۔ تفسیر روح المعانی۔ابوالفضل شہاب الدین الآلوسی۔داراحیاء التراث العربی۔

۱۷۔ تفسیر المنار۔علامہ رشید رضا مصری۔دار المعرفہ

۱۸۔ التفکیر الدینی فی العالم قبل الاسلام۔دار المعرفۃ، بیروت۔

۱۹۔ التلمود تاریخہ وتعالیمہ۔ظفر الاسلام خان۔دار النفائس ۱۹۷۲م

۲۰۔ الجامع الصحیح البخاری۔الریاض: دار السلام۔۱۹۹۷م

۲۱۔ الحضارۃ للاسلامیۃ فی القرن الرابع الھجری۔آدم معتز، ترجمہ: محمد عبدالہادی، دار الکتاب العربی۔

۲۲۔ حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ فی فلسطین۔ڈاکٹر عبداللہ عزام۔مطابع الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی

۲۳۔ الدین۔ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز۔مطبعۃ السعادۃ بالقاہرۃ۔

۲۴۔ دائرہ معارف القرآن۔محمد فرید وجدی، بیروت: المکتبۃ العلمیۃ الجدیدۃ۔

۲۵۔ رسالۃ حمود فی المھدی۔(الاحتجاج بالاثر علی من انکر المھدی المنتظر، مطابع الریاض ۱۹۸۳م)

۲۶۔ سنن ابی داؤد۔ابوسلیمان الاشعث السجستانی۔دار الحدیث حمص ۱۳۸۸ھ

۲۷۔ سنن ابن ماجہ۔ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی۔دار احیاء التراث العربی۔

۲۸۔ صحیح الجامع الصغیر۔محمد ناصر الدین الالبانی۔مکتبۃ المعارف

۲۹۔ العرب و الیھود فی التاریخ۔احمد سوسہ۔الفکر العربی للاعلان والطباعۃ بدمشق۔

۳۰۔ الغزو الفکری اھدافہ و وسائلہ۔عبدالصبور مرزوق۔مطابع رابطۃ العالم الاسلامی، مکۃ المکرمۃ

۳۱۔ فی موکب الشمس۔ڈاکٹر احمد بدوی، ط/۱، القاہرہ، ۱۹۵۰ء

۳۲۔ فیض القدیر۔شرح الجامع الصغیر۔المناوی، بیروت: دار المعرفۃ

۳۳۔ قصۃ الحضارۃ، محمد بدران، مترجم: ول ڈیورانٹ الادارۃ الثقافیۃ فی جامعۃ الدول العربیۃ ۱۹۷۳م

۳۴۔ الکتاب المقدس من اصدار دار الکتاب المقدس فی العالم

العربی ۱۹۸۰م۔

۳۵۔ کشف الظنون ۔حاجی خلیفہ۔داراحیاء التراث العربی۔

۳۶۔ الکنز المرصود فی قواعد التلمود ۔ڈاکٹر وبلنغ ،ترجمہ: یوسف حنا، بیروت ۱۹۶۸

۳۷۔ محاضرات فی النصرانیۃ۔ڈاکٹر ابوزہرہ، مطبع المدنی، مصر ۱۳۸۵ھ۔

۳۸۔ المدخل الی الکتاب المقدس۔حبیب سعید۔دارالتالیف والنشر للکنیۃ الاسقفیۃ بالقاہرۃ ۱۹۷۴ء۔

۳۹۔ المسألۃ الیہودیۃ۔ایلاء حالیفی۔دارصادر، بیروت۔

۴۰۔ مستدرک الامام الحاکم (ح:۴۰۵ھ) دارالمعارف للطباعۃ والنشر ،بیروت: لبنان۔

۴۱۔ مسند الامام احمد بن حنبل۔دارصادر۔ بیروت

۴۲۔ المصباح المنیر۔النیومی۔المکتبۃ العلمیۃ، بیروت۔

۴۳۔ مفردات القرآن۔عبدالحمید الفراہی۔الدائرۃ الحمیدیۃ۔

۴۴۔ مقارنۃ الادیان ۔ڈاکٹر احمد شلبی ۔مکتبۃ النہضۃ المصریۃ ۱۹۱۷م۔

۴۵۔ الملل والنحل۔عبدالکریم الشہرستانی۔بیروت: درالکتب العلمیۃ۔

۴۶۔ منو اسمرتی۔(عربی ترجمہ: ڈاکٹر احسان الحق حقی، دمشق)

۴۷۔ الموسوعۃ المیسرۃ فی الادیان والفرق والمذاہب المعاصرۃ۔دارالندوۃ العالمیۃ للطباعۃ والنشر، الریاض

۴۸۔ الوابل الصیب من الکلام الطیب۔علامہ ابن القیم الجوزیۃ ۔دارالکتب۔

۴۹۔ الیہود ۔زہدی الفاتح۔دارصادر بیروت۔

۵۰۔ الیہود والیہودیۃ ۔ڈاکٹر علی الوافی ۔عالم الکتب، بیروت۔

۵۱۔ الیہودیۃ ۔احمد شلبی ۔بیروت: المکتبۃ الاسلامی۔

۵۲۔ الیہود فی تاریخ الحضارات الاولی۔ڈاکٹر غوستاف لوبون، عیسیٰ البابی الحلبی ۱۹۷۰م

اردو

۱۔ اسلام اور مذاہب عالم۔ محمد مظہر الدین صدیقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

۲۔ آئین اکبری۔ تالیف: علامہ ابوالفضل، ترجمہ مولوی محمد فدا علی۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

۳۔ بدھ درشن۔ راہل سانسکر تیان۔ کتاب محل، الٰہ آباد۔

۴۔ البیرونی کا ہندوستان۔ مرتب: قیام الدین۔ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا۔

۵۔ تقابل ادیان۔ رشید احمد گوریجہ۔ لاہور، پاکستان۔

۶۔ تلخیص تفہیم القرآن۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

۷۔ تلاش ہند۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔

۸۔ وثائق یہودیت (پروٹوکولات حکماء صہیون)۔ اتحاد بکڈپو، دیوبند۔ یو، پی۔

۹۔ دنیا کے بڑے مذہب۔ عماد الحسن آزاد فاروقی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔

۱۰۔ دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۳۔ لاہور، پاکستان۔

۱۱۔ ذبیح کون ہے۔ حمید الدین فراہیؒ۔ دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، اعظم گڑھ (یو، پی)

۱۲۔ سکھ مذہب۔ محمد رفیق خان۔ مکتبہ جامعہ سلفیہ بنارس۔

۱۳۔ علم جدید کا چیلنج۔ وحید الدین خاں۔ مجلس تحقیقات و نشریات، لکھنؤ ۱۹۶۸ء

۱۴۔ عیسائیت کیا ہے۔ مولانا تقی عثمانی، کراچی ۱۹۷۲م

۱۵۔ الفہرست۔ ابن الندیم، پاکستان۔

۱۶۔ مطالعۂ مذاہب۔ ڈاکٹر محسن عثمانی۔ یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، نئی دہلی۔

۱۷۔ مقدمہ تفسیر حقانی۔ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔

۱۸۔ ہندو مذہب، مطالعہ اور جائزہ۔ پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، نئی دہلی۔

۱۹۔ ہندوؤں کے اوتار۔ لالہ بالکشن بترہ ابر۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔

۲۰۔ ہندو مذہب کیا ہے؟ مہاتما گاندھی نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا۔

۲۱۔ یہودیت اور نصرانیت۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ ترتیب: نعیم صدیقی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔

انگریزی

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا۔لندن، بریطانیہ۔

۲۔ ریلیجین آف انڈیا۔مسٹر وارتھ،ص ۲۶۰۔

۳۔ فلاسفی آف اپنشد۔ڈاکٹر رادھاکرشنن۔

۴۔ مسلم یوتھ۔لندن۔

۵۔ موہن جوداڑو اینڈ انڈین سیویلیزین۔ڈاکٹر سر جان مارشل۔

☆☆☆

مولانا انیس احمد فلاحی مدنی (پ ۱۹۶۹) یو پی کے ایک گاؤں نصیر پور، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں حاصل کی۔ انھوں نے دینی اور عصری دونوں طرح کی تعلیم گاہوں سے فیض اُٹھایا ہے۔ شمالی ہند کی مشہور دینی درس گاہ جامعۃ الفلاح سے عالمیت اور فضیلت کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے لیسانس (بی اے) اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ایم ٹی ایچ (ماسٹر ان تھیالوجی) کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ وہ اس وقت جامعۃ الفلاح میں مذاہب و تاریخ کے استاد، سہ ماہی مجلّہ 'حیاتِ نو' کے مدیر اور جامعہ کے عربی ترجمان 'مجلۃ الفلاح' کے معاون مدیر ہیں۔

تحریر و تصنیف کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ اُردو اور عربی دونوں زبانوں میں ان کی کئی تصانیف اور ترجمے منظر عام پر آ چکے ہیں، ان میں 'تحقیق سے تحریف تک' مقالہ نگاری اور محقق کے رہنما اصول، 'ذکر ظفرؒ'، 'بحوث فی الجرح و التعدیل'، 'السید ابو الاعلیٰ المودودیؒ و جھودہ الاسلامیۃ'، الحدیث و علومہ اور 'القراءۃ الرشیدۃ' پر تعلیق و اضافہ شامل ہیں۔

پیش نظر کتاب 'مذاہب عالم۔ ایک تقابلی مطالعہ' میں یہودیت، عیسائیت اور صابئیت کے علاوہ ہندوستانی مذاہب: جین مت، ہندومت، سکھ مت اور بدھ مت کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ہر مذہب کی تاریخ، بنیادی عقائد، مذہبی کتب، عبادت کے طور طریقوں اور رسم و رواج، تیوہار اور فرقوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مناظرانہ انداز سے احتراز کرتے ہوئے معروضی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ مصنف نے اگرچہ بنیادی مآخذ کے ساتھ کثرت سے ثانوی مراجع و مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، لیکن اس بات کی شعوری کوشش کی ہے کہ مذاہب کی صحیح ترجمانی ہو اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔ اسی طرح انھوں نے ان مذاہب کے عقائد، اقدار اور تعلیمات کا اسلام سے موازنہ کر کے ان میں اتفاق و اختلاف کے وجوہ کی بھی نشان دہی کی ہے۔

رحمان مارکیٹ ۞ غزنی سٹریٹ ۞ اردو بازار ۞ لاہور ۞ پاکستان
Ph: 042-37231119 , 0321-4021415
qasimulaloom@gmail.com